ہندوستان پر مسلمانوں کی آمد سے لے کر مغلیہ
حکومت کے قیام تک گیارہ سو سالہ دورِ حکومت

ہندوستان پر
اسلامی حکومت

www.KitaboSunnat.com

مفتی شوکت علی فہمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

MTN
10116

ہندوستان پر مسلمانوں کی آمد سے لے کر مغلیہ
حکومت کے قیام تک گیارہ سو سالہ دورِ حکومت

ہندوستان پر اسلامی حکومت

24881

از
مفتی شوکت علی فہمی

www.KitaboSunnat.com

سٹی بک پوائنٹ
کتاب مارکیٹ، اردو بازار، کراچی
Ph: 2725242

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASAN-DIN

نام کتاب	:	ہندوستان پر اسلامی حکومت
مصنف	:	مفتی شوکت علی فہمی
ناشر	:	سٹی بک پوائنٹ، کراچی
پاکستان میں پہلی بار مکمل	:	2005ء
قیمت	:	200روپے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

Islamic Studies - Punjab University Lib. LIBRARY 1881

فہرست

باب نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
	دیباچہ	5
پہلا باب	ہزاروں برس پہلے کا ہندوستان	11
دوسرا باب	ہندوستان کے غیر مسلم حکمران	19
تیسرا باب	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	29
چوتھا باب	ہندوستان پر محمد بن قاسم کی فوج کشی	34
پانچواں باب	محمود غزنوی کے حملے اور غزنی خاندان	59
چھٹا باب	شہاب الدین غوری کی ہندوستان پر حکومت	92
ساتواں باب	ہندوستان پر خاندان غلامان کی حکومت	110
آٹھواں باب	ہندوستان پر شاہان خلجی کی حکومت	132
نواں باب	ہندوستان پر شاہان تغلق کی حکومت	162
دسواں باب	ہندوستان پر سیدوں کی حکومت	205
گیارہواں باب	ہندوستان پر شاہان لودھی کی حکومت	213
بارہواں باب	ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا پہلا دور حکومت	225
تیرہواں باب	ہندوستان پر دوبارہ پٹھانوں کی حکومت	261
چودہواں باب	ہندوستان کی خود مختار اسلامی حکومتیں	288
پندرہواں باب	دکن کی خود مختار اسلامی حکومتیں	309

www.KitaboSunnat.com

اپنی بات

محترم قارئین کرام

السلام علیکم

اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ جس نے میرے اس خواب کو تعبیر بخش دی۔ جی ہاں، کئی سال قبل میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ علم وادب کی خدمت کرنے کے لئے نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکوں۔ گزشتہ دو سال سے اپنے ادارے ''سٹی بک پوائنٹ'' کے تحت میں نے درجنوں نایاب کتابیں شائع کیں۔ وہ نایاب کتابیں جن پر وقت کے بے رحم ہاتھوں نے گرد بچھادی تھی۔ اہلِ علم اور طالبِ علم ان کتابوں کے ناموں سے تو ضرور واقف تھے، اور اپنے دلوں میں ان کے مطالعے کی تڑپ بھی رکھتے تھے، لیکن ان کے حصول سے محروم تھے۔ پہلے تو میں نے پرانی کتابیں فروخت کرنے والوں کے در پہ جبیں سائی کی۔ بہت وقت صرف کر کے گرد وغبار میں دفن اس علمی خزانے کو برآمد کیا پھر اللہ کا نام لے کر اپنے قلیل سرمائے سے ان کتابوں کو سجا سنوار کے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ پاک کبھی کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے، چنانچہ آپ حضرات نے ان کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور یوں آج میں بہت مطمئن ہوں کہ پروردگار نے میری اس آرزو، اس خواہش کو بہت حد تک پورا کر دیا کہ ''سٹی بک پوائنٹ'' کا نام معیار کی ضمانت بن جائے۔

اور اب کچھ گفتگو زیرِ نظر کتاب کے بارے میں: محترم مفتی شوکت علی فہمیؒ کی یہ کتاب ''ہندوستان پر اسلامی حکومت'' اب سے 56 برس قبل ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے شائع ہوئی تھی جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے مغلیہ حکومت کے قیام تک کی تاریخ مختصراً مگر جامع انداز میں تحریر کر دی گئی تھی تاکہ غیر مسلموں کے ذہنوں سے بدگمانیوں کا زہر نچوڑ لیا جائے۔ اس وقت اس کتاب کو بہت پذیرائی ملی اور اس کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے۔ لیکن تقریباً 50 برس سے یہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہو چکی تھی۔ اب ایک مرتبہ پھر ''سٹی بک پوائنٹ'' نے اس کی اشاعتِ نو کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ یقینِ کامل ہے کہ آپ اس کاوش کو پسند فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ والسلام

آپ کا

آصف حسن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

24881

دیباچہ

برعظیم ہندوستان کے دو بڑے فرقوں میں مذہب کے نام پر گذشتہ ڈیڑھ سو برس کے اندر نفرت وحقارت کے جذبات پھیلانے کی جو ناپاک کوششیں ہوتی رہی ہیں ان سے کون واقف نہیں۔اس کوشش کے بانی مبانی مغرب کے وہ سفید فام حکمراں ہیں جنھوں نے ''آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ ایسے زہریلے لٹریچر کی اشاعت کی ہے جس کے ذریعہ اس برعظیم کے مختلف مذاہب اور فرقوں میں شدید سے شدید تر افتراق پیدا ہوتا چلا گیا چنانچہ ان کے پیدا کردہ افتراق کی بدولت ہم گذشتہ ڈیڑھ سو برس تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے ہیں اور اسی افتراق کا نتیجہ ہے کہ اب جب کہ ہم آزاد ہو چکے ہیں تب بھی یہ پرانا زہر بدستور اپنا کام کررہا ہے۔کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آزاد ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ برعظیم کی دونوں مملکتیں ترقی کے لئے کوشاں ہوتیں بری طرح سے آپس کی رسی کشی میں مبتلا ہیں۔گویا انگریز گذشتہ ڈیڑھ سو برس تک جس افتراق کی آبیاری کرتا رہا ہے۔وہ اب پہلے سے بھی زیادہ خطرناک صورت میں ہمارے لئے مضر ثابت ہورہا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اس برعظیم میں فرقہ پرستی کی آگ کو بھڑکانے میں مغربی اہل قلم حضرات نے سب سے زیادہ تاریخی حربے سے کام لیا ہے۔یعنی انہوں نے اپنی شرارت بھری تحریروں اور نام نہاد تاریخی کتابوں کے ذریعہ اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ان تمام مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں کا دشمن ثابت کیا جائے جو انگریزوں سے قبل گیارہ سو سال تک ہندوستان پر حکومت کر چکے ہیں۔تاکہ اس طرح ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں شدید نفرت پیدا ہو جائے۔اور انگریز اس نفرت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکیں چنانچہ اسکول اور کالجوں کی درسی کتابوں سے لے کر بڑی بڑی انگریزی تاریخوں تک میں دیدہ و دانستہ مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسے بے بنیاد واقعات ٹھونس دئے گئے ہیں جن کا تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مغرب کے شرارت پسند مورخوں کی اس زہریلی روش کا سب سے مضر پہلو یہ ہے کہ ان کے لغو پروپیگنڈے اور جھوٹ سے بھری ہوئی تاریخوں نے ہندوستان میں بھی متعصب مورخوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کردیا۔جس نے کہ مغرب کی نام نہاد تاریخوں کو مستند خیال کرتے ہوئے اس فرقہ پرستی کی آگ کو اچھی طرح ہوا دینی شروع کردی جو انگریز نے محض ذاتی غرض کے لئے بھڑکائی تھی اور اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس برعظیم کے سو فیصد غیر مسلم باشندے جن کے پاس خود اپنی کوئی مستند تاریخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے۔انگریزوں کی نام نہاد تاریخوں پر اعتبار کرتے ہوئے شاہان اسلام کے متعلق نہایت خراب تاثر قائم کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔اور یہ سمجھا جانے لگا کہ مسلمان بادشاہوں نے اس برعظیم میں گذشتہ گیارہ سو برس کے اندر اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ وہ غیر مسلموں کو بالجبر مسلمان بناتے رہے اور ان کے عبادت خانوں کو توڑتے رہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طویل مدت میں جتنے بھی مسلمان بادشاہوں نے اس برعظیم پر فرمانروائی کی ہے ان میں سے کسی ایک بادشاہ کی بھی یہ اسٹیٹ پالیسی نہیں رہی کہ وہ اس ملک کے غیر مسلموں کو بالجبر مسلمان بنائے یا ان کے عبادت خانوں کو مسمار کرے۔اور وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے ملک کی اکثریت یعنی ہندو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور ان کے لئے حکومت چلانا ناممکن ہو جاتا۔ہم کو اس چیز سے انکار نہیں کہ بعض مسلمان بادشاہوں سے لغزشیں ہوئی ہیں لیکن چند بادشاہوں کی ذاتی لغزشوں کو تمام مسلمان بادشاہوں کی مسلمہ ''ہندوکش'' پالیسی قرار دے دینا انتہادرجہ کی تاریخی بددیانتی ہے۔

یورپین اور متعصب مورخوں کا پھیلایا ہوا یہ زہر ہرگز کارگر نہ ثابت ہوتا اگر ملک میں ایسی مستند مادری زبان کی تاریخیں موجود ہوتیں جن سے کہ اس ملک کے عوام فائدہ اٹھا سکتے لیکن ہماری بدقسمتی سے جتنی بھی ہندوستان سے متعلق مستند تاریخیں ہیں وہ زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں اور اس قدر ضخیم ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنا عوام کے بس کی بات نہیں اور اس پر مزید مصیبت یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر تاریخیں تقریباً ناپید ہیں۔لیکن اگر یہ تاریخیں آسانی سے حاصل بھی ہو سکتیں تو کتنے ایسے آدمی ہیں جو ان غیر زبان کی فارسی تاریخوں سے فائدہ اٹھا سکتے ضرورت اس کی تھی کہ ہماری مادری زبان میں ایسی زیادہ سے زیادہ مستند تاریخیں لکھی جاتیں جو عوام کو صحیح حالات وواقعات سے آگاہ کرتیں اور اس زہر کو دور کر سکتیں جو یورپین اور متعصب مورخوں نے اپنی غلط بیانیوں سے ملک میں پھیلا رکھا ہے۔

اچھی اور مستند تاریخی کتب کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایک ایسی مختصر جامع تاریخ سپرد قلم کی جائے جو ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی سچی تصویر پیش کر سکے اور جسے صرف مستند تاریخی کتب سے مرتب کیا جائے۔چنانچہ اس تاریخ میں جتنے بھی واقعات درج ہیں وہ تمام کے تمام ہندوستان کی ان قابل اعتبار پرانی تاریخوں سے اخذ کئے گئے ہیں جو ہندوستان کے تقریباً ہر طبقہ میں مستند خیال کی جاتی ہیں۔ان تاریخوں کی فہرست چونکہ طویل ہے۔اس لئے اس کتاب کے آخر میں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔اس تاریخ کی ترتیب میں میرے لئے سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ گیارہ سو سال کے تاریخی واقعات کا ایک بے پایاں سمندر میرے سامنے پھیلا ہوا تھا اور میں اس سمندر کو کوزہ میں بند کرنا چاہتا تھا۔کیونکہ میری کوشش یہ تھی کہ یہ تاریخ اتنی ضخیم نہ ہونے پائے کہ پڑھنے والے پڑھتے پڑھتے اکتا جائیں۔چنانچہ مجھ کو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کا اعتراف ہے کہ کتاب کی ضخامت کو گھٹانے کی جدوجہد میں بہت سے واقعات میرے نقطہ نظر سے تشنہ رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی میں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ہندوستان کا ہر اہم واقعہ اس تاریخ میں ضرور آجائے تاکہ اس تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو دوسری بڑی بڑی تاریخوں کا سہارا نہ ڈھونڈنا پڑے۔ اس اہم مقصد کے پیش نظر میں نے کم سے کم اور آسان الفاظ میں گیارہ سو برس کی تاریخ کو مکمل صورت میں پیش کرنے کی ہر امکانی کوشش کی ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ناظرین کا کام ہے کہ میں اپنے اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں میں نے اس تاریخ کی تالیف میں اس بات کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے کہ اچھے اور برے تمام واقعات جانبداری کے بغیر پوری ایمانداری کے ساتھ پیش کر دئے جائیں۔ چنانچہ جو اچھے بادشاہ ہوئے ہیں۔ ان کو اچھا دکھایا گیا ہے۔ جن بادشاہوں میں کمزوریاں تھیں ان کی کمزوریاں بے کم و کاست پیش کر دی گئی ہیں۔ اور جن میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں تھیں ان کے اچھے اور برے کردار کے دونوں پہلو نمایاں کر دئے گئے ہیں۔ غرض کہ میں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی نہایت سچی اور سادہ تصویر الفاظ کی صورت میں ملک کے سامنے پیش کر دی جائے۔

اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو تاریخ پڑھتے وقت یہ نہیں فراموش کرنا چاہئے کہ جن بادشاہوں اور حکمرانوں کے حالات وہ پڑھ رہے ہیں وہ نہ اولیا اللہ تھے اور نہ مذہبی رہنما۔ بلکہ وہ ہمارے اور آپ کی طرح صرف دنیادار انسان تھے۔ اور ان سے ان تمام لغزشوں کا امکان ہے جو عام انسانوں سے ہو سکتی ہیں۔ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے۔ جو بادشاہوں کی ذاتی لغزشوں کو خواہ مخواہ مذہبی رنگ دے کر عوام کو بھڑکاتا رہتا ہے۔ حالانکہ بادشاہ یا راجہ خواہ کسی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں ان کا عوام کے مقابلہ میں مذہب سے بہت کم واسطہ ہوتا ہے اور بعض حالات میں ان کا کریکٹر عام انسانوں سے بھی پست ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے ذاتی افعال کو خواہ مخواہ مذہبی رنگ دینا اور ان کو مذہبی رہنما بنا کر پیش کرنا کھلی ہوئی سیاسی بددیانتی ہے۔ لہٰذا اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ بادشاہوں کو محض بادشاہ سمجھ کر ان کے حالات کا مطالعہ کریں ان کو مذہبی رہنما یا ولی سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ عام دنیاوی انسان خیال کرتے ہوئے ان کی بھلائیوں اور برائیوں دونوں کا موازنہ کریں۔ اس کے بعد ان کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان بادشاہوں میں سے اکثر بادشاہوں کا کردار بادشاہ اور دنیادار انسان ہونے کے باوجود کس قدر بلند ہے۔

اس تاریخ کے مطالعہ کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ آج کے واقعات نہیں ہیں بلکہ آج سے ایک ہزار سال پہلے کے اس زمانہ کے واقعات ہیں جب کہ ساری دنیا میں مذہبی اور نسلی تنگ نظری بری طرح پھیلی ہوئی تھی اور یہ تنگ نظری اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ روم کے پوپ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیتھولک عقائد کے منکرین کو واجب القتل قرار دے دیا تھا۔ یورپ میں ہزاروں علما کو محض اس لئے جلتی آگ میں ڈالا جا رہا تھا کیونکہ وہ عوام کو علم اور عقل کی باتیں بتاتے تھے۔ اندلس میں محض اس جرم میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا تھا چونکہ وہ عیسائی نہ تھے۔ میکسیکو کے باشندوں کو محض اس لئے کتوں سے پھڑوایا جا رہا تھا کیونکہ وہ یورپین نہ تھے۔ یہ سب کچھ یورپ کے مہذب ممالک میں ہو رہا تھا اس کے برخلاف ہندوستان میں محمد بن قاسم ہندوؤں کے لئے مندر بنوا رہا تھا۔ سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں تراجم ہو رہے تھے۔ ہندوؤں اور بودھوں کو پوری مذہبی آزادی دی جا رہی تھی۔ اور ہندوؤں کو ہندوستان کی اسلامی حکومت میں بڑے بڑے عہدے پیش کئے جا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مذہبی اور نسلی تنفر اور تنگ نظری کے دور میں ہندوستان میں مسلمانوں نے جس وسیع نظری کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اس کی مثال اس زمانہ کے دوسرے ملکوں کی تاریخ میں مفقود ہے۔

ہم کو تعجب ہے کہ ان مسلمان بادشاہوں اور فرمانرواؤں پر بالجبر اسلام پھیلانے اور غیر مسلموں کے عبادت خانے ڈھانے کا الزام کیونکر لگایا جا سکتا ہے جن کی حالت یہ تھی کہ جب محمد بن قاسم کراچی فتح کرتا ہے تو اس کا گورنر ایک ہندو پنڈت مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جب سارا سندھ فتح کر لیتا ہے تو راجہ داہر کے سابق ہندو وزیر سی ساگر کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کاکا۔ موکا۔ کاکسا۔ جیسے ہندوؤں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے ہیں اور صاف الفاظ میں مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ محمد بن قاسم کے علاوہ محمود غزنوی کی حالت یہ تھی کہ وہ راجپال۔ انند پال اور ہندو راجاؤں کی پے در پے بدعہدیوں کے باوجود بار بار ان کے قصور معاف کر دیتا ہے۔ اور اپنی فوج میں ہزاروں ہندو سپاہی اور سپہ سالار مقرر کرنے میں ایک مسرت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح محمد غوری اپنے سب سے بڑے دشمن پرتھوی راج کے دونوں بیٹوں کی دل کھول کر سرپرستی کرتا ہے۔ ان کے علاوہ شاہان غلامان۔ خلجی۔ تغلق۔ لودھی اور مغل بادشاہ قدم قدم پر ہندوؤں کی سرپرستی کرتے ہیں اور ہندو راجاؤں اور ہندو امراء پر مسلمانوں سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ جن مسلمان بادشاہوں کے ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ ایسے گہرے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رہے ہوں وہ کیونکر انہیں بالجبر مسلمان ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں یا ان کے عبادت خانوں کو مسمار کر سکتے ہیں۔

فرقہ پرست اور متعصب مورخوں کی جانب سے فاتحان اسلام پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ ہندوستان پر ان کے حملوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ وہ تلوار کے زور سے ہندوستان کے غیر مسلموں کو مسلمان بنائیں اور ہندوستان آ کر ان کے عبادت خانوں کو مسمار کریں۔ لیکن ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر فاتحان اسلام کے تمام حملوں کا مقصد محض غیر مسلموں کا قتل عام اور بت

www.KitaboSunnat.com

خانوں کا توڑنا تھا۔تو اسلامی ممالک پر آئے دن یہ فرمانروا جو حملے کرتے رہتے تھے ان کا آخر کیا مقصد تھا۔کون نہیں جانتا کہ اگر محمود غزنوی نے ہندوستان کی ہندو حکومتوں پر حملے کئے تھے تو اس نے ہرات، سیستان، آذر بائیجان، بخارا، سمرقند، بلخ اور دوسری بے شمار اسلامی حکومتوں پر بھی بار بار فوج کشی کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حملوں کا مقصد وسعت سلطنت کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے گا تو پتہ چلے گا کہ مسلمان بادشاہوں نے جہاں ہندوستان کے ہندو راجاؤں پر فوجی یورشیں کی ہیں۔وہاں مسلمان حکومتوں کو بھی نہیں بخشا چنانچہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر تو صرف بارہ یا سترہ حملے کئے تھے لیکن اسلامی ممالک پر اس نے چونتیس یا پینتیس بار یورش کی تھی۔اسی طرح محمد غوری اور اس کے بھائی نے اسلامی حکومتوں کے خلاف بے شمار حملے کئے تھے۔ہندوستان پر بھی محمد غوری کا سب سے اہم حملہ ہندوؤں کے خلاف نہیں تھا بلکہ غزنی خاندان کے آخری بادشاہ سلطان خسرو کے خلاف تھا۔جسے محمد غوری پنجاب میں شکست دے کر اور گرفتار کر کے غزنی لے گیا تھا اسی طرح غیاث الدین تغلق نے بنگال کی اسلامی حکومت پر حملہ کر کے تباہ کر دیا تھا اس کے علاوہ محمد تغلق نے مسلمان فرمانرواؤں کو کچلنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔فیروز شاہ تغلق نے بنگال اور گجرات کے مسلمان حکمرانوں پر سخت ترین یورش کی۔بابر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ ہندوؤں کے خلاف نہیں تھا۔بلکہ لودھی پٹھانوں کی اسلامی حکومت کے خلاف تھا۔مسلمانوں کے خلاف مسلمان بادشاہوں کی یہ جنگ آزمائیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کی تہہ میں محض ملک گیری کا جذبہ کام کر رہا تھا۔اور مذہب یا تعصب کو ان جنگی سر گرمیوں میں ذرہ برابر بھی دخل نہ تھا۔

فاتحان اسلام کی ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد ہندو راجاؤں کے ساتھ روادارانہ اور دوستانہ روش خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان مسلمان بادشاہوں کی جن ہندو سرداروں نے جدید فتوحات میں امداد کی یہ بلا امتیاز مذہب وملت ان کے دوست بن گئے اور جنہوں نے ان کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کیں ان کو تہ تیغ کر دیا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔چنانچہ پٹھان جنہوں نے مغلیہ حکومت کے خلاف شورشیں برپا کی تھیں ان کو فنا کر کے رکھ دیا گیا اس کے برخلاف راجپوت جو مغلیہ حکومت کے پشت پناہ بن گئے تھے ان کو صرف نوازا ہی نہیں گیا بلکہ ان سے رشتہ داریاں بھی پیدا کر لی گئیں۔اس سب کے باوجود بھی اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان بادشاہ ہندوستان میں گیارہ سو برس تک صرف غیر مسلموں کی گردنیں کاٹتے رہے اور مندروں کو ڈھاتے رہے تو یہ کھلا ہوا جھوٹ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

تعصب اور فرقہ پرستی سے بلند رہتے ہوئے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی گیارہ سو سالہ تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے خواہ "اسلام" کے لئے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔لیکن انہوں نے اس ملک کی اکثریت کے دلوں کو ہاتھوں میں رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور بعض بادشاہ تو اس کوشش میں دائرہ اسلام سے بھی باہر چلے گئے ہیں۔چنانچہ ہندو اکثریت کی دلداری کا ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ انگریز جیسی جدید آلات حرب سے مسلح قوم تو مشکل سے ہندوستان پر صرف ڈیڑھ سو برس حکومت کر سکی لیکن مسلمان مسلسل گیارہ سو سال تک یہاں حکومت کا ڈنکا بجاتے رہے۔

مجھ کو امید ہے کہ دیباچہ میں جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تصدیق خود ان واقعات سے ہو جائے گی جو اس تاریخ میں درج ہیں۔اور ناظرین کہ خود ہی پتہ چل جائے گا کہ مسلمانوں نے گیارہ سو برس تک اس برعظیم پر کسی طرح حکومت کی ہے۔اس لئے میں اس سلسلہ میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

اس تاریخ کے لئے اگرچہ میں گذشتہ بیس سال سے مواد جمع کر رہا تھا۔لیکن 1947ء سے قبل اسے ضبط تحریر میں لانے کا کام نہیں شروع کر سکا۔چنانچہ یہ تاریخ 1947ء اور 1948ء کے ایسے انقلابی دور میں لکھی گئی ہے۔جس میں کہ سارے ہندوستان میں ایک اضطراب برپا تھا۔اور دہلی کی حالت سارے ہندوستان سے خراب تھی۔لیکن اس اضطراب اور بے چینی کے باوجود اور ناسازگار حالات کے ہوتے ہوئے بھی میں نے اس اہم تاریخ کی تحریر کا کام بدستور جاری رکھا۔ملکی اضطراب کے علاوہ اسی زمانہ میں میرے ساتھ ایسے پے درپے حادثات پیش آئے جن کی بنا پر مجھ کو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ شاید میں اس اہم کام کو پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکوں گا۔یعنی دہلی کے ہنگاموں کے دوران میں ہی 13 اکتوبر 1947ء کو میری شریک حیات حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئیں۔اور مجھ پر اس حادثہ کا اس قدر اثر ہوا کہ میں نے اپنا تمام کاروبار بند کر دیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی لیکن ان تباہیوں اور بربادیوں کے باوجود ایک نامعلوم طاقت مجھ سے تاریخ کی تکمیل کا کام لیتی رہی۔یہاں تک کہ مارچ 1949ء میں یہ تاریخ مکمل ہو گئی۔

یہ تاریخ چونکہ حادثات اور سانحات کے دور میں لکھی گئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس میں کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔جن کو انشاء اللہ میں آئندہ ایڈیشن میں دور کرنے کی کوشش کروں گا۔بہرحال مجھ کو خوشی ہے کہ نازک ترین حالات کے پیش آجانے کے باوجود میں ملک کے سامنے ایک ایسی سچی تاریخ پیش کر رہا ہوں۔جو اگرچہ مختصر ہے لیکن پھر بھی ملک کی ضرورتوں کو کسی نہ کسی حد تک پورا ضرور کر دیتی ہے مجھ کو توقع ہے کہ میری اس حقیر کوشش کو ملک کے ہر طبقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

نیازمند
شوکت علی فہمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

24881

پہلا باب

ہزاروں برس پہلے کا ہندوستان

زمانہ قدیم سے لے کر 323 قبل مسیح تک

ہندوستان دنیا کا قدیم ترین ملک ہے۔ اس ملک کو وہی قدامت حاصل ہے جو دنیا کے کسی پرانے سے پرانے ملک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے بارے میں مورخوں کی رائے ہے کہ اس ملک کی تہذیب اور تمدن یونان سے بھی قدیم ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل اگرچہ ہندوستان کے بارے میں کوئی مستند تاریخ موجود نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جو لٹریچر مل سکا ہے اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ مشرق کے اس برعظیم پر ہزاروں برس تک سیکڑوں راجہ بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کرتے رہے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم ہندوستان میں مسلم دور حکومت کی تاریخ سپرد قلم کریں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قدیم ہندوستان کی تاریخ پر ایک ہلکی سی روشنی ڈال دیں تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ مسلمانوں کی آمد سے ہزاروں اور سیکڑوں سال قبل ہندوستان کی کیا حالت تھی اور ہندوستان میں بے شمار حکومتیں کس طرح بن بن کر بگڑتی رہی ہیں۔ ہم کو اس چیز کا اعتراف ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا اگرچہ اسے تاریخی حیثیت نہیں دی جا سکتی لیکن پھر بھی ان غیر تاریخی واقعات سے قدیم زمانہ کے ہندوستان کا ایک ہلکا سا خاکہ ضرور ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ :

ہندوستان ابتدا ہی سے ایک نہایت ہی زرخیز ملک ہے۔ لیکن اسکی زرخیزی اس ملک کے باشندوں کے لئے ہمیشہ مصیبت بنی رہی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے گردوپیش جب بھی کسی قوم کو ذرا بھی اقتدار حاصل ہوا۔ وہ ہندوستان پر چڑھ دوڑی تاکہ ہندوستان کی زرخیزی سے مالا مال ہو سکے۔ اب سے ہزاروں سال قبل آرین قوم نے اسی مقصد کے لئے اس ملک پر حملہ کیا اور آرین اس ملک کے قدیم باشندوں یعنی دراوڑوں اور گونڈوں کو نکال کر پنجاب، صوبہ اودھ، راجپوتانہ، گجرات اور بنگال پر چھا گئے۔ آریوں کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ وسط ایشیا سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلسل کئی صدی تک ہندوستان میں داخل ہوتے رہے یہاں تک کہ یہ ہندوستان کے تمام زرخیز علاقوں پر قابض ہو گئے۔ ہندوستان کے قدیم باشندوں نے اگرچہ اس سیلاب کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن طاقتور اور جنگجو آرین برابر ہندوستان پر چھاتے چلے گئے۔ آرین قوم کی طرح شاک قوم بھی ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد سارے شمالی ہندوستان پر پھیل گئی۔ شاک قوم کی شکل وصورت اور ڈیل ڈول ترکوں سے ملتا جلتا تھا۔ اس قوم نے بھی پنجاب، مغربی اودھ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کو اپنا مسکن بنایا شاک قوم کی نظر عنایت کے بعد کشاں قوم نے جو وسط ایشیا کی ایک نہایت ہی مضبوط اور سفید رنگ قوم تھی۔ پنجاب کشمیر اور افغانستان میں ایک نہایت ہی وسیع حکومت قائم کرلی۔ اسی طرح کچھ مدت کے بعد ہون قوم کے نام سے ایک نئی قوم وسط ایشیا سے ہندوستان میں وارد ہوگئی۔ جس نے ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد بری طرح قتل عام کا بازار گرم کیا ان کے علاوہ یونانی، ایرانی، عرب، افغانی، مغل، پرتگالی، ولندیزی، فرانسیسی، انگریز غرض کہ سب ہی ہندوستان پر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کرم فرماتے رہے غرض کہ ہندوستان کی تاریخ پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بیرونی حملہ آوروں کی یورش کے اعتبار سے یہ دنیا کا سب سے بدنصیب ملک ہے۔ جس کے باشندوں کو بیرونی حملہ آوروں نے کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

شمالی ہند میں آریوں کی حکومتیں :

آریوں نے ہندوستان کے قدیم باشندوں یعنی دراوڑوں کو شمالی ہندوستان کے زرخیز علاقوں سے نکالنے کے بعد کون کون سی حکومتیں قائم کیں اس کے بارے میں کوئی مستند تاریخی ثبوت تو نہیں ملتا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آرین قوم جو مضبوط ہونے کے علاوہ فن سپہ گری سے بھی خوب واقف تھی۔ اس نے وادی گنگ میں کئی حکومتیں قائم کرلی تھیں۔ چنانچہ ہستنا پور کی حکومت جس پر کرہ راج کرتے تھے۔ دریائے گنگا کے کنارے دہلی کے شمال ومغرب کے علاقہ میں قائم تھی۔ ہستنا پور کی حکومت کے قریب ہی دوسری حکومت پنچاپوں کی تھی۔ جس کا دارالسلطنت قنوج تھا۔ تیسری مشہور حکومت بنارس میں تھی جس پر کاشی حکمرانی کررہے تھے چنانچہ کاشیوں کی حکومت کی بنا پر بنارس کا دوسرا نام کاشی پڑ گیا۔ اسی طرح بنگال اور بہار کے اکثر علاقوں پر ودیہا لوگوں کا راج تھا۔ یہ چوتھی حکومت تھی اور ہستنا پور اور بہار کی حکومتوں کے درمیان اودھ کے علاقہ میں کوشل ذات کے لوگ حکمرانی کررہے تھے جن کا دارالسلطنت اجودھیا تھا۔ غرض کہ شمالی ہند میں آریوں کی پانچ حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رام چندر جی کا عہد حکومت :

کوشل قوم کے حکمرانوں کی حکومت آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل اودھ میں قائم تھی۔ جن کا دارالسلطنت اجودھیا تھا۔ رام چندر جی اسی قوم کے ایک لائق راجہ ہوئے ہیں۔ جن کے ایثار اور قربانی کے واقعات سے بالسیک جی کی رامائن بھری پڑی ہے۔ رام چندر جی اجودھیا کے مشہور راجہ دشرتھ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جن کو محض اس لئے ابتدا میں تخت و تاج سے کنارہ کرنا پڑا چونکہ ان کی سوتیلی ماں کیکئی یہ چاہتی تھی کہ اس کا لڑکا بھرت گدی پر بیٹھے، چنانچہ رانی کیکئی کی خواہش پر نہ صرف رام چندر جی کو حکومت سے محروم کر دیا گیا بلکہ ان کو بارہ برس کے لئے جنگلوں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے جلاوطن بھی کر دیا گیا۔ رام چندر جی جن کا ملک میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اگر چاہتے تو آن واحد میں حکومت پر قابض ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے ایک طرف ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے اور دوسری طرف باپ کی اطاعت کی ایک غیر فانی مثال قائم کرنے کی غرض سے جلاوطنی کے ناروا حکم کے سامنے گردن جھکا دی اور بارہ برس کے لئے اپنی بیوی سیتا اور بھائی لچھمن کے ہمراہ جنگلوں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نکل گئے۔ رام چندر جی کو اس جلاوطنی کے زمانہ میں کس قدر شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لنکا کا راجہ راون جو رام چندر جی سے عناد رکھتا تھا۔ زبردستی ان کی اہلیہ سیتا جی کو اٹھا کر لے گیا اور زمانہ دراز تک سیتا جی کو نظر بند رکھا۔ آخر رام چندر جی نے پہاڑی اقوام کی ایک فوج بنائی۔ اور پہاڑی سردار ہنومان کی مدد سے راون کے ملک لنکا کو برباد کر ڈالا۔ غرض کہ سیتا جی کو بڑی دشواری کے بعد رہائی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے بھائی بھرت نے خود ہی آپ کی خدمت میں اجودھیا کی حکومت پیش کر دی۔ جس پر رام چندر جی زمانہ دراز تک بڑی قابلیت اور انصاف کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ آپ کی حکومت کا زمانہ ہندو نقطہ نظر سے بہترین زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ رام چندر جی کے بعد یہ خاندان کتنی مدت تک حکومت کرتا رہا اور رام چندر جی کے بعد کون کون سے راجہ ہوئے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

مہابھارت کی جنگ :

رامائن کی طرح زمانہ قدیم کی ایک مذہبی کتاب مہابھارت بھی ہے۔ جس میں کوروں اور پانڈووں کی جنگ کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ مہابھارت کی یہ تاریخی جنگ آج سے پانچ ہزار برس قبل ہستنا پور کے تخت کے دو دعویداروں میں ہوئی تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہستنا پور کے راجہ پانڈو کے مرنے کے بعد پانڈو کا بھائی دہرتراشٹر تخت پر بیٹھ گیا۔ دہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تراشٹر کے ایک سو بیٹے تھے جو کوروں کے نام سے مشہور تھے اور پانڈو کے پانچ لڑکے تھے۔ جو پانڈو کہلائے جاتے تھے۔ کوروں کی رہنمائی کے فرائض راجہ دہر تراشٹر کا بڑا بیٹا دریودہن انجام دے رہا تھا۔ اور پانڈو خاندان میں یدھشٹر۔ بھیم اور ارجن کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ پانڈووں کا خیال تھا کہ وہ ہستناپور کے تخت کے جائز وارث ہیں۔ لیکن کوروں کی رائے تھی کہ راجہ پانڈو کی موت اور دہر تراشٹر کے تخت نشین ہونے کے بعد اب ہستناپور کے تخت پر پانڈووں کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔ چنانچہ کوروں کے لیڈر دریودہن نے پانڈووں کو اس قدر پریشان کیا کہ وہ ہستناپور چھوڑ کر پڑوسی حکومت پنچال میں چلے گئے۔ جہاں کے راجہ دروپد نے ارجن کے ساتھ اپنی بیٹی دروپدی کی شادی کر دی اس شادی کے بعد چونکہ پانڈووں کی طاقت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے ہستناپور کے راجہ دہر تراشٹر نے جنگ سے بچنے کے لئے آدھی سلطنت پانڈووں کو دے دی۔ لیکن پانڈووں کی بدقسمتی کہ وہ دریودہن کی عیاری کے پھر ایک بار شکار ہو گئے یعنی انہوں نے جوئے میں نہ صرف اپنی حکومت ہار دی بلکہ دروپدی کو بھی ہار بیٹھے۔ اور ان کو پھر ایک بار ہستناپور سے جلاوطن ہونا پڑا اور انہوں نے راجہ مت سیا کی ملازمت کر لی۔ لیکن چند سال کے بعد پانڈووں نے پھر اپنی حکومت کی واپسی کا مطالبہ کیا جسے ٹھکرا دیا گیا۔ اس پر کوروں اور پانڈووں میں جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں پانڈووں کے ساتھ متسیا یداوا۔ پنچال۔ مگدھا۔ چیدی اور بنارس کے راجہ تھے اور کوروں کی حمایت میں کوشل (اودھ) ودابا (بہار) نگا (بھاگلپور) بنگا (بنگال) کالنگا (اڑیسہ) سندھو۔ گندہرا اور بالکا کے راجہ تھے۔ گویا تقریباً سارے ہی ہندوستان کے راجہ اس جنگ میں کود پڑے تھے۔ یہ جنگ عظیم دہلی کے قریب کورکشتر کے میدان میں اٹھارہ دن تک لڑی گئی جس میں بے شمار بہادر کام آئے۔ کوروں کا سارا خاندان کٹ گیا۔ اور اس خوفناک لڑائی کے بعد ہستناپور کی حکومت کا تاج پانڈووں کے سردار یدھشٹر کے سر پر رکھ دیا گیا۔

مہابھارت کے بعد کا زمانہ:

مہابھارت کی جنگ سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل ہندوستان کے کونے کونے میں آریہ نسل کے حکمرانوں کی متعدد حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ چنانچہ مہابھارت کی جنگ میں پانڈووں کی طرف سے پانچ اور کوردوں کی حمایت میں نو راجاؤں نے حصہ لیا تھا۔ گویا چودہ پندرہ راجاؤں کی یہ جنگ تھی۔ اور یہ راجہ ہندوستان کے کسی ایک حصہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک طرف سارے شمالی ہند کے راجہ جنگ میں کود پڑے تھے اور دوسری جانب مشرقی ہندوستان یعنی بنگال اور اڑیسہ تک کے راجہ اس جنگ میں حصہ لے رہے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس زمانہ میں آریہ قوم کے راجاؤں نے پوری طرح ہندوستان پر قبضہ کر رکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔لیکن جنگ مہابھارت کے بعد کا تقریباً دو ہزار سال کا زمانہ ایسا گزرا ہے جس کے بارے میں تاریخی ثبوت تو درکنار غیر تاریخی مواد بھی نہیں ملتا۔لیکن یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب پانچ ہزار سال قبل ہندوستان کے مختلف علاقوں میں باقاعدہ طریقہ پر متعدد آریہ حکومتیں قائم تھیں تو اس کے بعد کے زمانہ میں ان حکومتوں نے کافی ترقی کی ہوگی۔اوران کا نظام حکومت یقینی طور پر پیش رو حکمرانوں سے بہتر ہوگا۔

اس زمانہ کی سیاسی اور تمدنی حالت :

مہابھارت کے بعد کی سیاسی اور تمدنی حالت کے بارے میں جو مواد فراہم ہوسکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی حکومتیں زیادہ تر شخصی ہوتی تھیں۔بادشاہ کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔بادشاہ کے بعد وزیر اور سپہ سالار کا درجہ شمار کیا جاتا تھا۔فوج کے سپاہیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔چھوٹے چھوٹے شہر بھی آباد ہونے شروع ہو گئے تھے۔عوام کی سہولت کے لئے سڑکیں بھی بنائی جاتی تھیں۔اور کنوئیں بھی کھدوائے جاتے تھے۔تعلیم کا رواج بہت کم تھا۔لکھنے کے فن سے لوگ عموماً ناآشنا تھے۔تعلیم زیادہ تر زبانی ہوتی تھی اور تعلیم کے فرائض برہمن انجام دیتے تھے۔

اس زمانہ کے مذاہب :

اس زمانہ میں ویدک دھرم یعنی ہندو مذہب کو سب سے زیادہ عروج حاصل تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ویدک دھرم ہی اس زمانہ کے ہندوستان کا واحد مذہب تھا لیکن یہ مذہب صرف برہمنوں ہی تک محدود تھا۔برہمنوں کے علاوہ دوسرے لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے نااہل شمار کئے جاتے تھے۔برہمنوں نے چونکہ دھرم اور دھرم کے کاموں کو صرف اپنی ذات تک محدود کرلیا تھا۔اس لئے برہمنوں کے خلاف باغیانہ خیالات ابھرنے لگے۔چنانچہ حضرت مسیح کی پیدائش سے تقریباً چھ سو سال قبل دو نئے مذہبی رہنما ہندوستان میں پیدا ہوگئے۔ان میں سے ایک جین مذہب کے بانی مہاویر جی تھے اور دوسرے گوتم بدھ تھے۔مہاویر جی چھوی خاندان کے راجہ سدھارتھ کے فرزند تھے۔انہوں نے تیس برس کی عمر میں دنیا کو چھوڑ دیا اور اپنی ساری زندگی "جین دھرم"۔کی تبلیغ اور اشاعت پر صرف کردی۔ان کا انتقال 477 قبل مسیح ہوا ہے۔انہوں نے اپنے پیچھے چودہ ہزار شاگرد چھوڑے تھے۔جو اپنے گرو کے نقش قدم پر چلتے رہے۔گوتم جو بعد کو گوتم بدھ کہلائے کپل وستو کے راجہ شدھودن کے بیٹے تھے۔یہ نیپال کی سرحد کے قریب کسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔انہوں نے بھی دنیا کو چھوڑ دیا تھا اور گیا میں سادھی لگا کر ایک پیپل کے درخت کے نیچے سالہا سال تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت کرتے رہے۔ آخر ان کو گیان حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے بدھ مذہب کی تبلیغ اور اشاعت عام کر دی۔ چنانچہ یہ مذہب اس قدر مقبول ہوا کہ ہندوستان کی سرحدوں سے گذر کر چین اور ایشیا کے دوسرے ممالک تک میں پھیل گیا، بدھ مذہب کی اس غیر معمولی مقبولیت کی بنا پر ویدک دھرم اور بدھ مذہب میں ایک رقابت سی شروع ہو گئی۔ لیکن بدھ مذہب اتنا بڑھا کہ ملک میں برہمنوں یعنی ویدک دھرم کے محافظوں کے اثرات بڑی حد تک گھٹ گئے۔

نئی نئی حکومتوں کا قیام :

جنگ مہابھارت سے لے کر دو ڈھائی ہزار سال بعد تک کا زمانہ بالکل تاریکی میں ہے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں کون کون سی حکومتیں بنتی رہیں اور بگڑتی رہیں لیکن حضرت مسیح کی پیدائش سے 600 برس قبل کے کچھ غیر مستند واقعات ضرور فراہم ہو سکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد قابل ذکر حکومتیں قائم تھیں۔ جن میں سے ایک حکومت تو "گندہار" تھی جس کا دارالسلطنت ٹیکسلا پشاور کے قریب تھا۔ دوسری حکومت "اونتکا" کی تھی اس کا پایہ تخت اجین تھا۔ تیسری حکومت شمالی اودھ میں قائم تھی جس کا دارالسلطنت سوسرتی تھا۔ کوشلوں نے مشرق میں کاشی کی ریاست کو اور شمال میں شاکیہ قوم کی سلطنت کو فتح کر کے اپنی حکومت کو نیپال کی ترائی تک بڑھا لیا تھا۔ چوتھی حکومت مگدھ یعنی بہار کی تھی جو خوب ترقی کر رہی تھی حکومت مگدھ کا دارالسلطنت پاٹلی پتر یعنی پٹنہ تھا۔ جس نے کہ اس زمانہ میں بہت بڑی حیثیت حاصل کر لی تھی غرض کہ اس زمانہ میں بہت سی نئی نئی اور طاقتور حکومتیں وجود میں آ چکی تھیں۔

ہندوستان پر ایران کا حملہ :

عین اس وقت جب کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مندرجہ بالا حکومتیں ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھیں۔ بیرونی طاقتیں ہندوستان کی زرخیزی سے فائدہ اٹھانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ چنانچہ ایران کے بادشاہ درکشاسپ نے بہت بڑی فوج کے ذریعہ سندھ پر حملہ کر دیا۔ ایران کی حکومت اس زمانہ میں دنیا کی طاقتور ترین حکومت شمار کی جاتی تھی۔ اور ایرانی برابر اپنی حکومت کی حدود کو وسعت دیتے چلے جا رہے تھے۔ ہندوستان پر حملہ سے قبل انہوں نے افغانستان کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد بلوچستان اور سندھ میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ بلوچستان اور سندھ کو فتح کرنے کے بعد 516 قبل مسیح ایرانی امیر البحر سکائی لیکس نے پنجاب کا بھی ایک حصہ فتح کر لیا۔ پنجاب کی فتح کے بعد ایرانی تمام مفتوحہ علاقوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایران کے زیرنگیں کرنے کے بعدایران واپس چلے گئے۔اوراب ایرانیوں کو ہرسال ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں سے ایک بڑی رقم بطور خراج ملنے لگی۔تقریباً دوسو برس یہ علاقے ایران کی حکومت کے ماتحت رہے۔

ہندوستان پرسکندراعظم کی یورش :

جس طرح آرین قوم اور ایرانی ہندوستان کی زرخیزی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہندوستان پرحملہ آور ہوئے تھے بالکل اسی طرح یونان کا بادشاہ سکندر اعظم بھی ہندوستان کی قدرتی دولت پر قبضہ جمانے کے لئے مضطرب اور بے چین تھا۔چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے سب سے پہلے ایران پر حملہ کیا۔ایران اور یونان میں زمانہ دراز سے دشمنی چلی آرہی تھی۔اوراب ایران کی حکومت بڑی حدتک کمزور بھی ہو چکی تھی لہذا ایران سکندر اعظم کے حملہ کی تاب نہ لاسکا۔سکندر اعظم نے 330 قبل مسیح ایران کے دارالسلطنت پر قبضہ جمالیا۔اوراس کے بعد سارا ایران سکندر اعظم کے قبضہ میں آگیا۔ایران کی فتح کے بعد سکندر اعظم نے افغانستان اور ہندوستان کے ان علاقوں کی جانب رخ کیا جوتقریباً دوسو برس تک ایران کے زیرنگین رہے تھے۔چنانچہ سکندر کابل۔سوات اور سرحدی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد 326 قبل مسیح دریائے سندھ کو پار کر کے ٹیکسلا کی جانب بڑھا۔جواس زمانہ کا سب سے بارونق شہر تھا۔ٹیکسلا کے راجہ نے سکندر کا نہایت ہی پر جوش طریقہ پر خیر مقدم کیا۔اوراسے خیر مقدم کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ اس نے اپنے حریف راجہ پورس اوراس کی حکومت کو سکندر کے ہاتھوں ختم کرانے کے لئے سکندر کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔غرض کہ ٹیکسلا کے راجہ نے سکندر کا صرف خیر مقدم ہی نہیں کیا بلکہ پنجاب کے راجہ پورس پر حملہ کرنے کے لئے سکندر کو ہر ممکن فوجی امداد دی۔

سکندر اور پورس کی جنگ :

سکندر اوراس کی یونانی فوج نے چندروز قیام کے بعد پورس کو پیغام بھیجا کہ یا تو پورس سکندر کی اطاعت قبول کرلے ورنہ لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔پورس ایک نہایت ہی حوصلہ منداور بہادر راجہ تھا۔اس نے سکندر کا اعلان جنگ قبول کرلیا۔اور صاف الفاظ میں سکندر کو مقابلہ کی دعوت دے دی۔چنانچہ سکندر اور پورس کی فوجوں کا مقابلہ دریائے جہلم کے کنارے ہوا۔پورس کی فوج میں تیس ہزار پیدل۔چار ہزار سوار۔تین سو رتھ اور دوسو ہاتھی تھے۔دونوں حکمرانوں میں سخت ترین مقابلہ ہوا۔لیکن پورس کومحض اس بناپر شکست ہوگئی چونکہ پورس کے ہاتھیوں نے بگڑ کر خود اپنی ہی فوج کو کچل ڈالا تھا۔لیکن اس بے اندازہ نقصان کے باوجود پورس بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے زخمی ہونے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ سکندر اعظم جو بہادروں کی قدر کرتا تھا اس کے دل پر پورس کی شجاعت کا بے حد اثر ہوا اور اس نے پورس کو اس کی حکومت واپس کر کے اپنا دوست بنالیا۔ اس کے بعد سکندر مگدھ یعنی بہار کی حکومت کو فتح کرنے کے لئے مشرق کی جانب بڑھا لیکن راستہ ہی میں اس کی فوج نے ہمت توڑ دی، اب سکندر کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے چنانچہ سکندر راجہ پورس اور راجہ ٹیکسلا کو اپنا قائم مقام مقرر کرنے کے بعد ایران کے راستہ یونان کو روانہ ہو گیا۔ لیکن راستہ کی تکالیف نے سکندر کو بیمار کر دیا اور یہ بیماری اس قدر بڑھی کہ سکندر بابل کے مقام پر 323 قبل مسیح 32 برس کی عمر میں راستہ ہی میں موت کا شکار ہو گیا۔

آریوں کی یورش سے سکندر کے حملہ تک :

ہندوستان پر آرین قوم کی یورش سے لے کر سکندر اعظم کے حملہ تک ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر بیرونی حملہ آوروں کی عنایتوں کا شکار بنتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم ہندوستانی تاریخ ہم کو یہ بھی بتاتی ہے کہ اس برعظیم میں جو متعدد حکومتیں قائم تھیں، وہ بری طرح سے خانہ جنگی کے مرض میں مبتلا تھیں اور یہ خانہ جنگی ہی بیرونی حملہ آوروں کے لئے باعث تشویق بنتی رہی ہے لیکن اس سب کے باوجود اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم زمانہ کی اکثر و بیشتر حکومتیں عوام کے فائدہ کے لئے بہت کچھ کرتی رہی ہیں۔ اور ان حکومتوں نے ہندوستان کے تمدن اور معاشرت کے بلند کرنے میں زمانہ سابقہ کے مطابق کافی حصہ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب آرین قوم شروع میں ہندوستان میں داخل ہوئی۔ تو ہندوستان کے قدیم باشندے یعنی دراوڑ نیم وحشیوں کی سی زندگیاں گزارتے تھے نہ یہاں باقاعدہ حکومتیں تھیں اور نہ کوئی نظام حکومت۔ بس دراوڑ قوم کے سرداروں نے چھوٹے موٹے علاقوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس کے علاوہ دراوڑ قوم فن جنگ میں بھی بہت پیچھے تھی۔ لیکن آرین قوم کے ہندوستان میں آنے کے بعد یہاں باقاعدہ حکومتوں کے بننے کا سلسلہ شروع ہوا اور یہاں ایسی ایسی مضبوط حکومتیں قائم ہوئیں جو سکندر جیسے آزمودہ کار جنرل سے بھی بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

ہندوستان کے ممتاز ہندو اور بودھ حکمران

321 قبل مسیح تا 647 عیسوی

سکندر اعظم کا حملہ جہاں ہندوستان کے لئے ایک مصیبت تھا وہاں اس حملہ کے بعد ہندوستانیوں میں یہ بھی احساس پیدا ہونے لگا کہ ہندوستان میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کی جائے جو بڑی حد تک اس ملک کو بیرونی حملہ آوروں کی یورش سے محفوظ رکھ سکے۔

موریہ خاندان کی حکومت :

چندر گپت موریہ ہندوستان کا پہلا راجہ ہے جس نے ہندوستان میں ایک نہایت ہی مضبوط حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ چندر گپت کا باپ مگدھ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس کی ماں مورا نامی ایک شودر لڑکی تھی۔ چنانچہ چندر گپت کی حکومت چندر گپت کی ماں مورا ہی کی وجہ سے موریہ کہلائی۔ چندر گپت شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود چونکہ ایک اچھوت عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اس لئے مگدھ کی حکومت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس غریب کو اوائل عمر ہی میں مگدھ کے راجہ مہا پدم نند نے اچھوت عورت کے پیٹ سے جنم لینے کے جرم میں اپنی حکومت سے جلاوطن کر دیا۔ یہ بے چارہ جلاوطن ہونے کے بعد پنجاب چلا گیا۔ سکندر کے حملہ کے وقت چندر گپت پنجاب ہی میں تھا۔ سکندر کی موت کے بعد جب پنجاب میں طوائف الملو کی پھیلی تو اس نے پنجاب میں اپنی حکومت کے قیام کا ارادہ کیا۔ اور چاڑنگ نامی برہمن کی مدد سے جو اس زمانہ کا بہت بڑا مدبر تھا۔ فوج فراہم کی اور فوراً ہی سارے پنجاب پر قبل مسیح میں تسلط جمالیا چاڑنگ کو وزیر کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ چندر گپت کو چونکہ محض ایک اچھوت عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے کے جرم میں مگدھ سے جلاوطن کیا گیا تھا اس لئے مگدھ کے راجہ کے خلاف چندر گپت کے دل میں نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی چنانچہ پنجاب پر قبضہ جمانے کے فوراً ہی بعد چندر گپت نے مگدھ کے راجہ مہا پدم نند کی حکومت پر ایک بڑی فوج کے ذریعہ حملہ کر دیا۔ مگدھ کے راجہ کو شکست ہوئی اور چندر گپت نے راجہ کو تخت سے معزول کرنے کے بعد مگدھ کی وسیع حکومت کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد چندر گپت نے شمالی ہند کی دوسری حکومتوں کو فتح کر کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی حکومت کو خوب وسعت دی لیکن یونانیوں نے جب 305 قبل مسیح یونانی جرنل سیلوکس کی سرکردگی میں ہندوستان پر دوبارہ یورش کی تو چندر گپت کو یونانیوں سے شدید مقابلہ کرنا پڑا۔ سیلوکس سکندر اعظم کا سپہ سالار تھا۔ جس نے سکندر کے مرنے کے بعد شام میں اپنی حکومت قائم کر کے اسے کوہ ہندوکش تک بڑھا لیا تھا۔ 305 قبل مسیح سیلوکس نے سکندر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان پر حملہ کر دیا لیکن چندر گپت نے حوصلہ مندی سے مقابلہ کرنے کے بعد اس کو شکست دے دی۔ شکست کے بعد چندر گپت اور سیلوکس میں نہ صرف صلح ہو گئی۔ بلکہ سیلوکس نے اپنی لڑکی کی چندر گپت سے شادی بھی کر دی سیلوکس نے اپنی لڑکی کے جہیز میں کابل۔ ہرات۔ اور قندھار دے دیئے۔ اور اس طرح چندر گپت کی حکومت کوہ ہندوکش تک پھیل گئی۔ چندر گپت نے 321 قبل مسیح میں موریا خاندان کی بنیاد رکھی تھی اور وہ 297 قبل مسیح یعنی 24 سال تک اس حکومت کی تعمیر میں مصروف رہا۔ چندر گپت کی حکومت ہندوستان کی پہلی حکومت تھی جس کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی ورنہ چندر گپت سے قبل ہندوستان چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔

چندر گپت کا بہترین نظام حکومت :

چندر گپت کا نظام حکومت اس زمانہ کے لحاظ سے بہترین نظام حکومت تھا چنانچہ سیلوکس کے یونانی سفیر مقیم ہند میگا ستھینز نے چندر گپت کے دور حکومت کے جو واقعات قلمبند کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ چندر گپت نے اپنی حکومت کو پانچ صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر صوبہ کا ایک گورنر ہوتا تھا اور ہر صوبہ مختلف اضلاع میں تقسیم تھا۔ اور ہر ضلع کا ایک افسر ہوتا تھا۔ رعایا سے پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ عوام پر ٹیکس نہ ہونے کے برابر تھے۔ زراعت کی ترقی کے لئے نہریں بنوائی گئی تھیں۔ سڑکیں ملک میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ جن پر مسافروں کے آرام کے لئے درخت لگوائے گئے تھے۔ کنوئیں کھدوائے گئے تھے۔ اور سرائیں تعمیر کرائی گئی تھیں۔ جرائم کے انسداد کے لئے نہایت سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ مجرموں کے ہاتھ اور پاؤں تک کٹوا دئے جاتے تھے۔ ان سخت سزاؤں کا یہ اثر تھا کہ ملک چوری کی لعنت سے بڑی حد تک پاک تھا۔ لوگوں کو اپنے گھروں اور مکانوں میں تالے تک لگانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ حکومت کی جانب سے دستکاروں کی خوب ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ غرض کہ چندر گپت نے صرف اپنی حکومت کو وسعت ہی نہیں دی بلکہ اس کا نظام حکومت بھی اس زمانہ کے اعتبار سے بہترین تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چندر گپت کا پوتا مہاراجہ اشوک :

297 قبل مسیح میں چندر گپت کے مرنے کے بعد چندر گپت کا بیٹا۔ بندوسار تخت پر بیٹھا۔ جو 272 قبل مسیح تک یعنی 25 سال حکومت کرتا رہا لیکن بندوسار نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اس نے چند چھوٹی ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد انہیں اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ ۲۷۲ قبل مسیح میں بندوسار کی موت کے بعد بندوسار کا چھوٹا بیٹا اشوک وردھن تخت نشین ہوا۔ اشوک کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے تخت حاصل کرنے کے لئے نہ صرف اپنے باپ بندوسار کو قتل کر دیا تھا بلکہ اپنے بڑے بھائی سوساما اور دوسرے سب بھائیوں کو بھی تہہ تیغ کرا دیا تھا۔ لیکن تخت پر بیٹھنے کے بعد مہاراجہ اشوک نے جس قابلیت کے ساتھ حکومت کی ہے اس کی مثال ہندو تاریخ میں ملنی ناممکن ہے۔ مہاراجہ اشوک ایک طرف بہترین سپہ سالار تھا۔ دوسری جانب بہترین منتظم اور مدبر چنانچہ اس نے اپنے چالیس سالہ دور حکومت میں عوام کی بہبودی کا اس قدر خیال رکھا ہے کہ اس کے دور حکومت کو ایک تمثیلی دور حکومت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مہاراجہ اشوک کو یوں تو بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں لیکن سب سے بڑی لڑائی جو مہاراجہ اشوک نے کالنگا پر جو ایک خود مختار ریاست تھی 261 قبل مسیح ایک جرار فوج کے ذریعہ حملہ کر دیا۔ اور ایک خوفناک جنگ کے بعد کالنگا یعنی اڑیسہ کو فتح کرنے کے بعد اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ آدمی قید ہوئے ایک لاکھ مارے گئے اور لاکھوں خاندان برباد ہو گئے۔ اس قتل و خون اور غارت گری کا مہاراجہ اشوک کے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ مہاراجہ کو جنگ سے نفرت ہو گئی۔ اور مہاراجہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ آئندہ کبھی جنگ نہیں کرے گا اور اپنی بقیہ زندگی خلق خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دے گا غرض کہ اس تبدیلی قلب کے بعد اشوک کو خلق خدا کی خدمت۔ اور مذہبی کاموں میں ایک کیف سا محسوس ہونے لگا چنانچہ اشوک بدھ مذہب کا پکا پیرو بن گیا۔ اسے بدھ مذہب اس لئے پسند تھا کیونکہ بدھ مذہب کا عدم تشدد کا اصول اور خدمت خلق کی تعلیم عین اس کے مزاج کے مطابق تھی۔

بدھ مذہب کی ترقی :

اشوک کے بدھ مذہب میں داخل ہونے کے بعد اس مذہب کو بے حد عروج حاصل ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو بدھ مذہب حکومت کا مذہب بن گیا تھا۔ دوسرے مہاراجہ اشوک نے اس مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ خود مہاراجہ اشوک بدھ مذہب کے مقدس مقامات پر جاتا تھا تا کہ عوام میں اس مذہب سے گہری دلچسپی پیدا ہو۔ اس کے علاوہ مہاراجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشوک نے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر بدھ مذہب کی اشاعت کے لئے ایک مستقل پروگرام بنا رکھا تھا جس پر بڑی باقاعدگی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا۔ بدھ مذہب کے مبلغ چین جاپان۔لنکا۔مصر۔شام یونان اور تمام بیرونی ممالک میں پھیلے ہوئے تھے۔ مہاراجہ اشوک نے بدھ مذہب کی تعلیم کے لئے بے شمار کتابیں تصنیف کرائیں۔ بدھ مذہب میں چونکہ اہنسا سب سے بڑا اصول ہے۔اس لئے انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جانوروں تک پر ظلم کرنا خلاف قانون قرار دے دیا گیا جانوروں کی قربانی گناہ عظیم قرار دے دی گئی۔خود مہاراجہ اشوک نے شکار اور گوشت کھانا موقوف کر دیا۔ بدھ مذہب کے پھیلنے کے بعد چونکہ عوام ہندو دھرم کے ماننے کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے اس لئے مہاراجہ اشوک نے دوسرے مذاہب کے احترام کے لئے خاص احکامات جاری کئے اور دوسرے مذاہب کے توہین کرنے والوں کو سنگین سزائیں دیں۔ مہاراجہ اشوک کی ساری عمر یہ کوشش رہی کہ اس کی رعایا کے باشندوں کا اخلاق نہایت بلند ہو۔اور ان کو ایسی تعلیم دی جائے کہ قانون کے خوف کے بغیر خود بخود ان کو بدکاری، دروغ گوئی، شراب خواری، چوری اور دیگر مذموم افعال سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اور اس مقصد کے لئے بدھ واعظ ملک کے کونے کونے میں لوگوں کو پند و نصائح کرتے پھرتے تھے۔ اور ان پند و نصائح کا عوام کے اخلاق پر نہایت ہی اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ عوام میں برے کاموں سے نفرت اور اچھے کاموں سے رغبت اشوک کے زمانہ میں عام تھی۔ انسانی ہمدردی صداقت شعاری۔ دیانتداری اور دوسرے کی عزت کرنا ہر شخص اپنے لئے فرض خیال کرنے لگا۔ غرض کہ اشوک ہندوستان کا پہلا اور آخری بدھ راجہ ہے۔ جس نے ملک گیری کی ہوس کو ترک کر کے انسانوں کو انسان بنانے کا وہ اہم فرض انجام دیا جو صرف مذہبی اوتار ہی انجام دیا کرتے ہیں۔ مہاراجہ اشوک نے ملک کے کونے کونے میں مینار بنوا کر ان پر عوام کے فائدے کے لئے مفید تعلیمات درج کرائیں۔ تاکہ راہ چلتے مسافر بھی ان تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اشوک کی حکومت میں خوشحالی :

مہاراجہ اشوک کی حکومت ایک نہایت ہی عظیم الشان حکومت تھی جو شمال میں کشمیر، نیپال اور افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ مغرب میں بلوچستان، سندھ، گجرات اور مالوہ کے علاقے اس حکومت میں شامل تھے۔ مشرق میں بنگال اور اڑیسہ تک اس حکومت کو وسعت حاصل تھی اور جنوب میں بنگلور، شمالی مدراس، اندھرا تک یہ حکومت پھیل چکی تھی صرف مدراس کا کچھ جنوبی علاقہ جو چیرا، چولا، پانڈیا کہلاتا تھا شامل نہ تھا۔ ان علاقوں پر ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ حکومت کر رہے تھے، سلطنت کا انتظام نہایت مکمل تھا مرکزی حکومت پاٹلی پتر یعنی پٹنہ میں قائم تھی۔ جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ماتحت تمام صوبے تھے۔ ہر صوبہ ایک گورنر کے ماتحت تھا۔ اور گورنر کے ماتحت ضلع شہروں، اور قصبوں کے حکام نہایت باقاعدگی کے ساتھ فرائض انجام دے رہے تھے۔ فوجداری اور دیوانی عدالتیں ہر جگہ قائم تھیں۔ بڑے بڑے شہروں میں میونسپل نظام بھی قائم تھا۔ بڑی بڑی سڑکیں سایہ دار درختوں سے ڈھکی ہوئی سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سڑکوں پر مسافر خانوں اور کنوؤں کا انتظام تھا جابجا شفاخانے اور یتیم خانے بھی قائم تھے۔ ملک کے اندرونی نظم کو قائم رکھنے کے لئے پولیس اور جاسوسوں یعنی خفیہ پولیس کا بھی جال پھیلا ہوا تھا۔ تعلیم کے لئے بے شمار مدارس کھلے ہوئے تھے۔ بدھ مذہب کے مندروں سے بھی درس و تدریس کا کام لیا جاتا تھا۔ رعایا نہایت خوشحال تھی کیونکہ ایک طرف صنعت وحرفت کے معاملہ میں ملک کافی ترقی کر رہا تھا۔ دوسری جانب خشکی کے راستہ سے وسط ایشیا اور یورپ تک سے نہایت وسیع پیمانہ پر تجارت کی جارہی تھی۔ غرض کہ اشوک کے زمانہ کا ہندوستان ہر لحاظ سے ایک قابل فخر ہندوستان تھا۔

اشوک کے بعد ہندوستان کے ٹکڑے:

مہاراجہ اشوک چالیس سال حکومت کرنے کے بعد 232 قبل مسیح میں فوت ہوگیا اس کے مرنے کے بعد اس کے کمزور جانشین اتنی بڑی حکومت کو نہ سنبھال سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موریہ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور ملک میں متعدد خودمختار ریاستیں قائم ہونے کے بعد ہندوستان بہت سے ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا۔ چنانچہ 185 قبل مسیح موریہ خاندان کا آخری راجہ برادرتھ جب اپنے ہی سپہ سالار پشپ متر کے ہاتھوں قتل ہوا تو یہ حکومت بالکل ختم ہوگئی۔

خاندان سنگا۔ کنو۔ اور حکومت اندہرا:

موریہ خاندان کے سپہ سالار پشپ متر نے 185 قبل مسیح موریہ حکومت کے آخری راجہ برادرتھ کو تہہ تیغ کرنے کے بعد مگدھ کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ اور اپنے خاندان کی ایک نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو سنگا خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن سنگا خاندان کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہوسکی۔ پشپ متر ہی کے عہد حکومت میں باختریہ کا بادشاہ مینڈر کابل اور پنجاب کو فتح کرنے کے بعد 153 قبل مسیح مگدھ کی حکومت پر حملہ آور ہوا مگر پشپ متر نے اسے پسپا کردیا۔ پشپ متر تقریباً 25 سال حکومت کرنے کے بعد جب فوت ہوا تو اس کا بیٹا اگنی متر تخت نشین ہوا۔ لیکن یہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اگنی متر نے کب تک حکومت کی۔ بس اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ سنگا خاندان کا آخری راجہ دیوبھومی تھا جس کو 37 قبل مسیح اس کے وزیر واسدیو کنو نے قتل کردیا اور اپنی حکومت قائم کرلی کنو خاندان نے تقریباً 45 برس مگدھ پر حکومت کی لیکن اس خاندان کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے۔ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ہند کے اندرا خاندان کے ایک راجہ نے 38 قبل مسیح حکومت مگدھ پر فوج کشی کی اور کنو خاندان کے آخری راجہ سے تخت چھین لیا اور اس کے بعد خاندان اندھرا کی تقریباً تین سو سال مگدھ اور مشرقی ہندوستان پر حکومت رہی۔ سلطنت اندھرا ایک نہایت ہی مضبوط حکومت تھی۔ جو جنوبی ہند میں قائم کی گئی تھی۔ اس میں دکن کا مشرقی حصہ اور تلنگانہ بھی شامل تھے۔ اس سلطنت نے نہ صرف جنوبی ہند میں بلکہ حکومت مگدھ پر قبضہ جمانے کے بعد خوب عروج حاصل کیا چنانچہ یہ حکومت تیسری صدی عیسوی تک شمالی ہند پر حکمراں رہی۔

بیرونی حملہ آوروں کی یورش :

یہ بتایا جا چکا ہے کہ مہاراجہ اشوک کے دور حکومت سے قبل ایرانی اور یونانی ہندوستان پر برابر حملے کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اشوک کے دادا چندر گپت کے دور حکومت میں سکندر اعظم کے سپہ سالا سیلوکس نے بھی ہندوستان پر ایک ناکام حملہ کیا تھا۔ لیکن ان حملوں کا سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا چنانچہ باختریہ میں سیلوکس کے پوتے نے جو حکومت قائم کی تھی۔ اس کے آگے چل کر دو ٹکڑے ہو گئے جن میں سے ایک باختریہ حکومت کہلائی۔ اور دوسری پارتھیا گورنمنٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان دونوں ہی حکومتوں نے سکندر اور سیلوکس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان پر یورشیں کی ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ اشوک کے مرنے کے بعد جب پنجاب اور کابل کے سردارں نے حکومت مگدھ کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا تو باختریہ حکومت کے حکمرانوں نے ہندوستانیوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو کوہ ہندوکش کو عبور کیا اس کے بعد کابل اور پنجاب پر قبضہ جمالیا۔ باختریہ حکومت کا ایک حکمراں میںنڈر تو یہ چاہتا تھا کہ وہ سارے ہی ہندوستان پر قابض ہو جائے لیکن سنگا خاندان کے راجہ پشپ متر نے اس کو شکست دے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ میںنڈر کے مرنے کے بعد اس کے جانشین کمزور ثابت ہوئے۔ اور آخر کار باختریہ حکومت کی دوسری شاخ پارتھیا گورنمنٹ نے باختریہ حکومت کے آخری حکمراں ہرمیکس کو تخت سے اتار کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور اب باختریہ خاندان کی بجائے پارتھیا خاندان کابل، سندھ اور پنجاب کا حکمراں بن گیا۔ لیکن اس کے بعد یکا یک ایک مضبوط چینی قبیلہ شاک یوچی وسطی ایشیا میں پھیلنا شروع ہوا جس نے کہ پارتھیا حکومت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا یہ قبیلہ "خاندان کشاں" کے نام سے مشہور رہے۔ جوں ہی پارتھیا خاندان کے زوال کے بعد ان کو طاقت حاصل ہوئی یہ بھی ہندوستان پر چڑھ دوڑے اور انہوں نے باختریوں اور پارتھیوں کی طرح سندھ تک اپنا قبضہ جمالیا۔ کشان خاندان کا سب سے مشہور حکمراں کنشک تھا، اس کا دارالسلطنت پشپ پور یعنی موجودہ پشاور تھا۔ یعنی کشان خاندان نے باقاعدہ ہندوستان میں حکومت شروع کر دی کنشک بدھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے اپنی کشاں حکومت کو کشمیر اور دوسرے علاقے فتح کرنے کے بعد دور دور تک پھیلا دیا۔ 140 کنشک کے مرنے کے بعد میں اس کا لڑکا ہوشک تخت پر بیٹھا۔ لیکن ہوشک کے مرنے کے بعد کشاں حکومت تقریباً ختم ہوگئی۔ گویا بیرونی حملہ اور اس زمانہ میں نہ صرف ہندوستان پر متعدد حملے کرتے رہے بلکہ انہوں نے ہندوستان پر یورش کے بعد اپنی با قاعدہ حکومتیں بھی قائم کر لی تھیں یہ دوسری بات ہے کہ یہ حکومتیں دیرپا ثابت نہ ہوسکیں۔

ہندوستان میں طوائف الملو کی کا دور :

خاندان اندھرا اور خاندان کشاں کی حکومتوں کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں ایک صدی سے بھی زیادہ طوائف الملو کی کا دور دور رہا جس سردار کو بھی موقع ملتا تھا وہ ایک محدود علاقہ میں اپنی چھوٹی سی خانہ ساز حکومت قائم کر لیتا تھا۔ اس طرح ہندوستان میں بے شمار نا قابل ذکر حکومتیں قائم ہوگئیں تھیں۔ لیکن ان حکومتوں میں کوئی ایک بھی ایسی حکومت نہیں جس کی جانب توجہ کی جا سکے۔

گپت خاندان کی حکومت :

عین اس زمانہ میں جب کہ ہندوستان میں طوائف الملو کی کا دور تھا۔ چندر گپت اول نے 320 پاٹلی پتر یعنی پٹنہ میں تخت نشین ہونے کے بعد اس طوائف الملو کی کا خاتمہ کیا۔ چندر گپت نے بہت تھوڑے عرصہ میں نام نہاد راجاؤں کی خانہ ساز حکومتوں کو کچل ڈالا۔ اور اپنی حکومت کو ترہت، اودھ اور بہار تک وسیع کر لیا۔ چندر گپت تقریباً پندرہ برس تک بڑی قابلیت سے حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔

چندر گپت کی اولاد کی حکومت :

گپت حکومت کے بانی چندر گپت اول اور اس کی اولاد نے تقریباً تین سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ چندر گپت اول کے بعد اس کا بیٹا سمندر گپت اپنے باپ کی وفات کے بعد 335 میں تخت پر بیٹھا اور 375 تک چالیس سال حکومت کرتا رہا۔ سمندر گپت نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اس نے دکن کی سلطنتوں کو فتح کرنے کے بعد ان سے با قاعدہ خراج وصول کیا اور اسے تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے شہنشاہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ سمندر گپت کے مرنے کے بعد 375 میں سمندر گپت کا بیٹا چندر گپت دوم تخت نشین ہوا جس نے بعد کو بکرماجیت کا لقب اختیار کیا۔ بکرماجیت نے مالوہ، گجرات، سوراشٹر وغیرہ کے علاقوں کو جن پر شاک خاندان کے راجہ حکومت کرتے تھے۔ فتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیا اور شاکوں کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ مہاراجہ بکر ماجیت نے مالوہ اور دوسرے علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے بعد بجائے پٹنہ کے اجودھیا کو دارالسلطنت قرار دیا اور اس کے بعد 409 میں سامی نامی مقام کو دارالحکومت بنایا تاکہ آسانی کے ساتھ تمام مفتوحہ علاقوں پر حکومت کی جاسکے گجرات اور کاٹھیاواڑ کی فتح سے ایک بڑا فائدہ اسے یہ پہنچا کہ تمام سمندری تجارت بکر ماجیت کے ہاتھ میں آگئی جس سے حکومت کی آمدنی میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ مشہور چینی سیاح فاہیاں راجہ بکر ماجیت ہی کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا جس نے راجہ بکر ماجیت کے دور حکومت کی بے حد تعریف کی ہے۔ بکر ماجیت تقریباً 38 سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا اس کے بعد اس کا بیٹا کمار گپت 413 میں تخت پر بیٹھا اور نہایت ہی پر امن طریقہ پر 455 تک حکومت کرتا رہا۔ کمار گپت کے مرنے کے بعد 455 میں کمار گپت کے بیٹے اسکند گپت نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن اسکندر گپت حکومت کو نہ سنبھال سکا اور گپت خاندان کی حکومت جو زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اسکند گپت ہی کے زمانہ میں ختم ہو گئی۔

منگولیا کی ہون قوم کا حملہ :

ہندوستان جو ابتدا ہی سے بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے اس پر گپت خاندان کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی 455ء میں منگولوں نے حملے شروع کر دیئے اور بری طرح تباہی مچائی۔ منگول جو ہون قوم کے نام سے مشہور تھے۔ وسط ایشیا سے بڑھتے بڑھتے یورپ و ایشیا کے علاقوں میں پھیل گئے۔ چنانچہ ان کے حملوں کی تاب نہ لا کر گپت خاندان کی حکومت کا ہندوستان میں بالکل خاتمہ ہو گیا۔ منگول برابر 455ء سے لے کر 500ء تک وقتاً فوقتاً ہندوستان پر حملہ کر کے لوٹ مار کرتے رہے۔ غرض کہ 500ء میں ہون قوم کا ایک منگول سردار تورمان مالوہ میں باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر کے مالوہ کا راجہ بن گیا تورمان کے مرنے کے بعد تورمان کا بیٹا ہرکل مالوہ کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن وہ حکومت کرنے کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے ظلم وستم سے سارے مالوہ کو اپنے خلاف بغاوت کے لئے کھڑا کر لیا۔ چنانچہ 27 ھ میں راجہ میشو دہرمن نے مگدھ راجہ بالادت کی مدد سے ہرکل کو ملتان کے قریب شکست دے کر مالوہ کے باشندوں کو اس ظالم راجہ کے پنجہ سے نجات دلائی۔ ہرکل شکست کھانے کے بعد کشمیر بھاگ گیا اور ہرکل کی شکست کے ساتھ ہی منگولیا کی ہون قوم کی مختصر سی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو گیا۔

وردھن خاندان کا عروج :

مالوہ کے آخری منگول راجہ ہرکل کی شکست کے بعد مالوہ کی حکومت جو اس زمانہ میں ایک طاقتور حکومت شمار کی جاتی تھی کمزور ہو گئی۔ اس حکومت کے کمزور ہوتے ہی تھانیشر کے راجہ پر بھاکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وردھن نے جو حکومت مالوہ کا ایک ماتحت راجہ تھا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔605ء میں پربھاکر وردھن کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا راج وردھن تخت پر بیٹھا راج وردھن نے سب سے پہلے ہون قوم کے جو اثرات اور بااثر لوگ باقی رہ گئے تھے ان کا خاتمہ کیا اس کے بعد قنوج پر چڑھائی کی۔قنوج اس زمانہ میں حکومت مالوہ کا ایک صوبہ تھا۔چنانچہ راج وردھن نے مالوہ کے راجہ کو اس جنگ میں شکست دینے کے بعد قنوج کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ہرش وردھن جو اپنے زمانہ کے مشہور ترین حکمرانوں میں سے ہوا ہے اس نے بہت جلد وردھن خاندان کی حکومت کو ہندوستان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا۔گپت خاندان کی حکومت کے بعد یہ پہلی حکومت تھی جو ہندوستان کے بیشتر حصہ پر حاوی تھی۔

ہرش وردھن کے زمانہ کی حکومت کس قدر وسعت اختیار کر چکی تھی۔اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نیپال اور کامروپ تک یہ حکومت پھیلی ہوئی تھی۔620 میں ہرش وردھن نے دکن کی چالوکیہ حکومت پر بھی حملہ کیا تھا۔لیکن اس حملہ میں وہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ہرش وردھن نے قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنالیا تھا۔جہاں اس نے بے شمار عمارتیں،تالاب اور مندر بنوائے اور بدھ مذہب کی بہت سی خانقاہیں بھی تعمیر کرائیں۔چینی سیاح ہوان سانگ جو ہرش وردھن کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا۔اس نے ہرش وردھن کو اپنے زمانہ کا شہنشاہ قرار دیا ہے۔اس سیاح کا بیان ہے کہ بیس پچیس چھوٹے بڑے راجہ ہرش وردھن کے ماتحت تھے۔ہرش وردھن اگرچہ بدھ مذہب کا پیرو تھا۔لیکن اس نے ہندو مذہب کے مقلدوں کو بھی اپنی حکومت میں پوری آزادی دے رکھی تھی۔ہرش وردھن کا نظام حکومت نہایت مکمل تھا۔رعایا خوشحالی کی زندگی گذارتی تھی۔اس کے زمانہ میں مجرموں کو بہت سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔تعلیم کا بھی بہت اچھا انتظام تھا۔ہرش وردھن ایک اچھا شاعر اور مصنف بھی تھا۔ہرش وردھن نے 647 میں وفات پائی۔اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشین حکومت کو نہ سنبھال سکے۔چنانچہ سارے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور ان کی حکومت ہرش وردھن کی موت کے فوراً ہی بعد ختم ہوگئی۔

ہندو مذہب کی حالت:

ہندوستان کی گذشتہ تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں۔ہم کو پتہ چلتا ہے کہ بدھ مذہب کی ابتدا سے لے کر مہاراجہ ہرش وردھن کی وفات تک جو بارہ سو برس گزرے ہیں ان بارہ سو برس میں ہندو مذہب،بدھ مذہب کے سیلاب میں دب کر رہ گیا تھا۔یوں تو بدھ مذہب کو ابتدا ہی سے کافی عروج حاصل ہونا شروع ہوگیا تھا۔لیکن مہاراجہ اشوک کے دور حکومت سے لے کر مہاراجہ ہرش وردھن کے دور حکومت تک یعنی تقریباً نو سو برس تو بدھ مذہب کی حالت یہ رہی ہے کہ یہ ہندوستان اور اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گردونواح کے ممالک کا واحد مذہب بنا رہا۔ چنانچہ چینی سیاح ہوان سانگ جو 645ء تک پندرہ سال ہندوستان میں رہا ہے۔اس کا بیان ہے کہ بدھ مذہب کے مقابلہ میں تمام دیگر مذاہب نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان کے ہمسایہ ممالک میں بھی ماند پڑ چکے تھے۔ہوان سانگ لکھتا ہے کہ افغانستان میں بدھ مذہب کے پیرو بے شمار تھے۔اسی طرح دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی بدھ مذہب انتہائی عروج پر تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ گپت خاندان کے بعض راجاؤں کے زمانہ میں ہندو مذہب کی سرپرستی کسی قدر شروع ہوگئی تھی۔لیکن بدھ مذہب کیونکہ صدیوں سے حکومت کا مذہب چلا آرہا تھا اس لئے گذشتہ نوسو برس میں ہندو مذہب کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہ ہوسکی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

26ھ مطابق 647ء تا 93ھ مطابق 712ء

ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں جب کہ ہندوستان میں مہاراجہ ہرش وردھن کی حکومت ترقی کر رہی تھی عین اسی زمانہ میں ملک عرب میں جو کہ بت پرستوں کا ملک تھا عرب کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں یعنی مسلمانوں کی طاقت شدید ترین مخالفت کے باوجود دن بدن بڑھتی چلی جارہی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی کے شدید مخالف تھے۔ آپ نے بنی نوع انسان کو تعلیم دی کہ خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بھیجے ہوئے ایک پیغمبر ہیں۔ جو تمہاری ہی طرح ایک انسان ہیں۔ قرآن پاک خدا کی سچی کتاب ہے۔ قیامت برحق ہے۔ قرآن کی تعلیم میں انسان کی رہنمائی کا مکمل درس ہے۔ بنی نوع انسان کی نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سیدھی اور سچی تعلیم جس نے کہ عرب کے بت پرستوں میں ایک ہلچل برپا کر دی تھی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 29 اگست 570ء کو بروز پیر مکہ کے ایک مشہور تجارت پیشہ خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بڑی عجیب ہے۔ جس کی ابتدا ہی مصائب سے ہوتی ہے۔ ابھی آپ اپنی والدہ حضرت آمنہ کے بطن ہی میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم جو تجارت کے لئے شام گئے ہوئے تھے۔ شام سے واپسی پر مدینہ میں رحلت فرما گئے۔ اور اس حادثہ کے چھ سال بعد آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ جب کہ مدینہ سے مکہ آرہی تھیں راستہ ہی میں رحلت فرما گئیں گویا باپ کا سایہ تو پیدائش سے قبل ہی اٹھ چکا تھا لیکن چند سال بعد ماں بھی داغ جدائی دے گئیں ماں باپ کے مرنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب آپ کی پرورش کرتے رہے۔ لیکن دو تین سال کے بعد آپ دادا کے سائے سے بھی محروم ہو گئے۔ اور اب آپ کی پرورش آپ کے چچا ابو طالب یعنی حضرت علیؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے والد کرنے لگے۔

بت پرستی اور بدکاری کے خلاف جہاد:

یوں تو آپ ابتدا ہی سے بت پرستی، بدکاری، شراب نوشی اور تمام بری باتوں کے مخالف تھے لیکن 610ء میں اعلان نبوت کے بعد آپ نے کھل کر اس نوعیت کے جملہ خرافات کے خلاف باقاعدہ جہاد شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے بت پرست آپ کے اور آپ کے مقلدوں یعنی مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے۔ چنانچہ قریش مکہ نے حق پرستی کے جرم میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سخت ترین اذیتیں دیں۔ آپ کو بارہا زخمی کیا گیا۔ لیکن آپ مردانہ وار ان تمام مظالم اور زیادتیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن یہ مظالم اس حد تک بڑھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کر کے معہ ساتھیوں کے مدینہ جانا پڑا۔ چونکہ مدینہ میں رسول اللہ کے مقلدوں یعنی مسلمانوں کی کافی تعداد موجود تھی اس لئے وہاں آپ کا نہایت ہی پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ رسول اللہ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے باوجود بھی قریش مکہ چین سے نہ بیٹھے۔ اور وہ برابر مکہ سے بڑی بڑی جرار فوجیں لے کر مدینہ پر یورش کرتے رہے۔ اس یورش کا رسول اللہ اور ان کے ساتھیوں نے بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور آخر کار رسول اللہ اور ان کے ساتھیوں کو قریش مکہ کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے مکہ پر حملہ کرنا پڑا۔ اس حملہ میں قریش مکہ کو شکست ہوئی۔ اور رسول اللہ فاتحانہ شان کے ساتھ اسی اپنے آبائی وطن مکہ میں داخل ہوئے جہاں سے چند سال قبل ان کو نکالا گیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ کے مقلدوں یعنی مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے بھی تجاوز ہو گئی۔ اور مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ برابر بڑھتا گیا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے وقت تقریباً تمام اہل عرب کا مذہب اسلام ہو چکا تھا۔ آپ نے 12 ربیع الاول 11 ہجری مطابق 8 جون 632ء کو تریسٹھ سال کی عمر میں دنیا کو خیر باد کہہ دیا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین خلیفہ کہلائے جن کے عہد حکومت میں نہ صرف ایشیا کے بیشتر ممالک مسلمانوں نے فتح کر لئے بلکہ یورپ کے بھی بہت سے حصوں کو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ہندوستان کی حالت:

639ء میں جب کہ فتح مکہ کے بعد عرب میں مسلمانوں کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ ہندوستان میں بھی مہاراج ہرش وردھن کی حکومت خوب ترقی کر رہی تھی یہ حکومت تقریباً سارے ہندوستان پر پھیلی ہوئی تھی اور اس زمانہ کی بہت بڑی اور نہایت ہی طاقتور حکومت شمار کی جاتی تھی۔ لیکن 26ھ میں جب کہ حضرت عثمان کی خلافت کا دور تھا۔ مہاراجہ ہرش وردھن کی موت کے بعد یہ حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل پاش پاش ہوگئی۔اس حکومت کا ختم ہونا تھا کہ سارے ملک میں بدنظمی اور طوائف الملو کی پھیل گئی جو زمانہ دراز تک جاری رہی۔ چنانچہ راجپوتوں نے اس بدنظمی اور طوائف الملو کی سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان میں جابجا خودمختار ریاستیں قائم کرلیں اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں راجپوتوں کا زور اس قدر بڑھا کہ ہندوستان بھر میں کوئی ایسی جگہ باقی نہیں رہی جس پر کہ راجپوت نسل کے لوگ حکمران نہ ہوں، اسی لئے جب مسلمان ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے تو ان کو زیادہ تر راجپوتوں ہی سے مقابلہ کرنا پڑا۔

راجپوتوں کے اقتدار میں برہمنوں کا ہاتھ :

راجپوت کون تھے اور کس طرح ہندوستان میں آئے۔ اگرچہ اس کے بارے میں بہت سے فرضی افسانے مشہور ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ راجپوت، جاٹ، گوجر، شاک ہون سیتھن اور ان بیرونی اقوام کی اولاد ہیں جو وسط ایشیا سے ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد یہیں آباد ہوگئے تھے۔اور انہوں نے سپہ گری کو اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ ہرش وردھن اور اس سے قبل کے راجاؤں کی فوج میں زیادہ عنصر ان ہی لوگوں کا تھا۔ یہ لوگ چونکہ فوجی اسپرٹ رکھتے تھے اس لئے راجہ ہرش وردھن کی حکومت کے بعد جب ہندوستان میں بدنظمی پھیلی تو یہ اپنی جنگ جویانہ اسپرٹ کی بدولت ہندوستان کے مختلف حصوں پر قابض ہوگئے۔اور راجپوتوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ان راجپوتوں کو راجپوت بنانے اور ابھارنے میں بہت بڑا حصہ ہندوستان کے ان برہمنوں کا ہے۔جن کا اقتدار بدھ مذہب کے سیلاب میں دب کر رہ گیا تھا۔راجہ ہرش وردھن کی موت کے بعد جب کوئی بدھ حکومت باقی نہ رہی تو برہمنوں کو بدھ مذہب کو مٹانے اور ہندودھرم کو ترقی دینے کا موقع ہاتھ آگیا۔ لیکن فوجی طاقت اور حکومت کی مدد کے بغیر کیونکہ نہ بدھ مذہب مٹایا جاسکتا تھا اور نہ ہندو دھرم کو ابھارا جاسکتا تھا۔اس لئے برہمنوں نے جاٹ، گوجر، شاک ہون، سیتھن اور دوسری سپاہیانہ اسپرٹ رکھنے والی اقوام کو آگے بڑھایا ان کو کھشتری کا اونچا رتبہ عطا کیا۔اور عوام پر ذہنی اثر ڈالنے کے لئے ان کے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ یہ سورج، چاند اور آگنی کی اولاد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی راجپوت اپنے آپ کو سورج بنسی۔ چندر بنسی اور آگنی کلا خاندانوں کا قابل فخر فرزند بتاتے ہیں۔لیکن حقیقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ یہ سپاہیانہ اسپرٹ رکھنے والی باہر سے آئی ہوئی مختلف اقوام کا ایک مجموعہ ہیں۔جن کو راجپوت کہا گیا اور جنہوں نے اپنی اعلیٰ فوجی اسپرٹ کی بنا پر ہندوستان میں ایک خاص درجہ حاصل کرلیا۔ چنانچہ ان کی حکومتیں اجین، قنوج، دلی، راجپوتانہ، گجرات، پنجاب، سندھ، بندیل کھنڈ، مالوہ اور ہندوستان کے تقریباً ہر ایک حصہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔اسی لئے محمد بن قاسم سبکتگین۔محمود غزنوی محمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غوری اور دوسرے مسلم حملہ آوروں کو ہندوستان میں ان ہی راجپوتوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

ہندوستان میں مسلمان کب آئے:

ہندوستانی اور یورپین مورخین ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بارے میں یہ کہتے رہے ہیں کہ مسلمان سب سے پہلے محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت میں سندھ میں داخل ہوئے لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اس سے بہت پہلے رسول اللہ کے زمانہ حیات ہی میں ہندوستان میں آچکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل عرب تاجر ملابار، کارومنڈل سراندیپ، مالدیپ، جاوا، سماٹرا اور چین کے ساحل تک کشتیوں میں بیٹھ کر جاتے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ غرض کہ ہندوستان اور عرب کے درمیان زمانہ دراز سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ یہاں تک کہ اکثر عربوں نے ہندوستان میں بود و باش بھی اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ جب عربوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ حسب سابق ہندوستان بغرض تجارت آتے جاتے رہے اور ان میں سے اکثر نے ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنے ساتھ اسلامی تعلیمات کو بھی ہندوستان میں لے آئے اور اس ملک میں دین اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ غرض کہ سندھ میں مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمی سے بہت قبل جنوبی ہند اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اسلام کی تبلیغ خاموشی کے ساتھ جاری تھی۔ اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں بڑھتی چلی جارہی تھی۔

ہندوستانی راجاؤں کا قبول اسلام:

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر اور محمد بن قاسم کے حملہ کے زمانہ تک ہندوستان میں نہ صرف عوام دین اسلام قبول کرتے رہے ہیں بلکہ بعض راجاؤں نے بھی مذہب اسلام اختیار کرلیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ کے زمانہ حیات ہی میں ملابار کا راجہ زمورن سامری، مشرف با اسلام ہوچکا تھا۔ راجہ زمورن پالویا خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر دیکھنے کے بعد اس عجیب وغریب واقعہ کو اپنی ریاست کے سرکاری روزنامچہ میں درج کرادیا۔ اس راجہ کا قاعدہ یہ تھا کہ جو اہم واقعات رونما ہوتے تھے۔ ان کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرادیتا تھا۔ جب یہ واقعہ سرکاری روزنامچہ میں درج ہوگیا تو راجہ نے سرکاری طور پر اس عجیب غریب واقعہ کی تحقیق وتفتیش کرائی۔ جب راجہ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ عرب کے نئے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا تو وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور اپنی ریاست کو ولی عہد کے سپرد کرنے کے بعد بادبانی جہاز کے ذریعہ رسول اللہ کی زیارت کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن بدقسمتی سے جب وہ راستہ ہی میں فوت ہو گیا تو اس کی لاش یمن لا کر دفن کی گئی۔

ملابار کے راجہ کے علاوہ سراندیپ کے راجہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سراندیپ میں بھی عرب تاجر اپنے ساتھ اسلام کی تعلیمات لے کر آئے تھے۔ جن سے پہلے عوام متاثر ہوئے اور عام لوگوں نے دین اسلام قبول کرنا شروع کیا اور بعد میں سراندیپ کا راجہ اسلام کی تعلیم سے متاثر ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ مشہور مورخ فرشتہ سراندیپ کے راجہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ

> حاکم سراندیپ اسلام کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد صحابہ کرام کے عہد حکومت میں شریعت مصطفوی کا گرویدہ اور مقلد ہو گیا تھا۔

لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آیا خلافت راشدہ کے زمانہ میں سراندیپ کے راجہ نے اسلام قبول کیا تھا یا خلافت بنوامیہ کے دور حکومت میں۔ لیکن عام خیال یہی ہے کہ یہ راجہ خلافت بنوامیہ کے زمانہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد سراندیپ میں اسلام خوب پھیلا۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سراندیپ گیا تو اس نے وہاں بہت سے مسلمان بزرگوں کے مزارات اور مسجدیں پائیں۔

راجہ زمورن سامری، اور راجہ سراندیپ کے علاوہ راجہ زمورن سامری کی نسل کا ایک اور راجہ جس کا نام چیرامن پیرول سامری تھا۔ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ چنانچہ فرشتہ اس راجہ کے اسلام قبول کرنے کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

> عرب اور عجم کے کچھ لوگ باوا آدم کی قدم گاہ کی زیارت کے لئے کشتی میں سوار ہو کر سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اتفاقاً کشتی باد مخالف کے تھپیڑوں سے ملابار پہنچ گئی۔ اور یہ لوگ شہر کدنکلور (کالیکٹ) میں اتر پڑے، اس جگہ کا راجہ سامری جو اخلاق ستودہ سے آراستہ تھا۔ ان لوگوں سے ملا اور ہر قسم کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ یہاں تک کہ ان سے راجہ نے ان کے مذہب کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم مسلمان ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ سامری نے کہا کہ میں نے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں سے جو تمہارے مذہب کے مخالف ہیں سنا ہے کہ عرب، روم، ایران اور ترکستان میں یہ مذہب رائج ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی تک مسلمانوں سے میں نے مذہب اسلام کی بابت دریافت نہیں کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ مجھ کو اپنے رسول کے کچھ حالات سنائیں۔ اور ان کے معجزات کا حال بھی بیان کریں۔ راجہ کی اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہش پر ان میں سے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نہایت خوبی سے بیان کیے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ سامری کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد جب معجزہ شق القمر کا ذکر آیا۔ تو سامری نے کہا کہ یہ معجزہ تو بہت ہی اہم ہے۔ ہمارے ہاں کا دستور ہے کہ جب کوئی عظیم الشان واقعہ ظہور میں آتا ہے تو اس کو سرکاری روزنامچہ میں لکھ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے روزنامچہ کا مطالعہ کیا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ فلاں تاریخ چاند دو ٹکڑے ہو کر مل گیا یہ دیکھ کر سامری دین اسلام کی صداقت کا قائل ہو گیا اور کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا یہ راجہ چونکہ اپنی قوم کے سرداروں سے ڈرتا تھا۔ اس لئے اپنے اسلام قبول کرنے کو مخفی رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کے اظہار سے منع کر دیا۔

فرشتہ کے مندرجہ بالا بیان سے یہ ثابت ہے کہ ملابار کا راجہ زمورن سامری ہی صرف مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی نسل میں ایک دوسرے راجہ چیرامن پیرومل سامری نے بھی مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس راجہ نے مرنے سے قبل اپنے وزرا اور حکومت کے سرداروں کو ہدایت کی کہ وہ اسلام کی تبلیغ میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں۔

درمہ پٹن کے حکمراں کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس حاکم کو اسلام کے ساتھ بڑی گہری عقیدت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے عہد حکومت میں درمہ پٹن میں نہایت ہی شاندار مسجدیں تعمیر کرائی تھیں اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں بھی یہ حاکم بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتا تھا۔ غرض کہ محمد بن قاسم کے حملہ سے بہت قبل اسلام، عوام سے گزر کر ہندوستان کے شاہی محلوں تک کو جگمگا چکا تھا۔

اسلام سے ہندوستانیوں کی گرویدگی:

اسلام کی یہ ضوفشانی صرف مالابار اور جنوبی ہند ہی تک محدود نہ تھی بلکہ سندھ پر مسلمانوں کے حملہ سے بہت قبل سندھی عوام میں بھی اسلام برابر مقبولیت حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ عرب کے مسلمانوں اور ایران کے آتش پرستوں میں سلسلہ جنگ جاری تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستانی جاٹ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان جاٹوں میں سے اکثر نے ہندوستان چھوڑ کر عراق میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عرب ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نومسلم ہندوستانی جاٹوں کو "زط" کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔اس کے علاوہ ہندوستان کے ان جاٹوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔جو ہندوستان کے ہندوراجاؤں کی جانب سے ایران کے بادشاہ کی حمایت میں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے سندھ سے ایران بھیجے گئے تھے۔چنانچہ جب ایران کے بادشاہ کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور جاٹوں کی ایک بڑی تعداد عربوں کے ہاتھ آئی تو ان جاٹوں نے بخوشی دین اسلام قبول کرلیا۔سندھ کے جاٹوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد عرب اور عراق کے مسلمانوں نے اپنے ان نومسلم "زط" بھائیوں کی بڑی عزت کی۔ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے گئے۔چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے خزانہ کا محافظ دستہ اسی قوم زط (جاٹ) کے افراد پر مشتمل تھا۔اس قوم میں بڑے بڑے علما اور صلحا پیدا ہوئے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ اسی زط (جاٹ) قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ سے قبل دین اسلام یہاں کس قدر پھیل چکا تھا۔اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملے سے بہت پہلے ہندوستان میں جابجا نہایت شاندار مسجدیں تعمیر ہوچکی تھیں،غرض کہ کالیکٹ،کولم ہیلی،سری کندا پورم،ورمہ پٹن،پندارانی،بدپٹن،چالیات،برکور،منگلور،کلنجر کوٹ،کارومنڈل وغیرہ کی بے شمار مسجدیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی فتح سے بہت پہلے بے شمار ہندوستانی حلقہ بگوش اسلام ہوچکے تھے۔

ہندوستان پر حملہ سے قبل مسلمانوں کی فتوحات:

قبل اس کے کہ ہم ہندوستان پر مسلمانوں کے حملہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کے ناظرین کو یہ بتادیا جائے کہ اس زمانہ میں فاتحان اسلام کی سیاسی پوریشن کیا تھی اور گزشتہ پون صدی کے اندر اندر مسلمان کن کن ممالک کو فتح کرچکے تھے۔

مسلمانوں کی سب سے پہلی قابل ذکر فتح تسخیر مکہ تھی جسے 629ء میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا تھا۔اسی سال طائف فتح ہوا اور 632ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سارے عرب اور یمن پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی۔

مسلمانوں کی فتوحات کا دوسرا دور خلفائے راشدین کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت ابوبکر کے دور حکومت میں 632ء سے لے کر 636ء تک شام پر مسلمانوں نے حملہ کیا عراق پر مسلمانوں کو کامل فتح حاصل ہوگئی،اس کے بعد بصرہ اور دمشق بھی اسلامی حکومت میں شامل ہوگئے۔

حضرت عمر کے دور حکومت میں 13ھ مطابق سے لے کر 24ھ تک مسلمانوں کو نہایت ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، شہر بعلبک فتح ہوا۔شہزار اور حمص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بیت المقدس نے اطاعت قبول کر لی۔ مصر اور ایران پر فوج کشی کر کے یہ دونوں ملک مسلمانوں نے فتح کر لئے۔ شام پر بھی مسلمانوں کو کامل فتح حضرت عمرؓ ہی کے دور خلافت میں حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی شاندار فتوحات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے عہد حکومت میں 36 ہزار شہر اور قلعے فتح ہوئے اور شام، ایران اور مصر جیسے تین بڑے ملک حکومت اسلامیہ میں شامل ہو گئے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی کا دور حکومت اگر چہ جدید فتوحات کے اعتبار سے زیادہ شاندار نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کے زمانہ میں جدید فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چنانچہ 24ھ سے لے کر 35ھ تک مسلمانوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی وہ افریقہ کی فتح تھی، افریقہ کے علاوہ جزیرہ قبرص جزیرہ روڈس اور ایران کے بقیہ حصے حضرت عثمان ہی کے دور حکومت میں فتح ہوئے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی کا دور حکومت جو 36ھ سے شروع ہو کر 40ھ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لئے اسلامی فتوحات سے خالی نظر آتا ہے کیونکہ حضرت علی کی تمام تر طاقت خانہ جنگیوں کو دبانے پر صرف ہوئی لیکن اس کے بعد بنی امیہ کے دور حکومت میں پھر نئے سرے سے اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

براعظم افریقہ جو مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے نکل گیا تھا بنی امیہ کے ابتدائی دور حکومت میں مسلمانوں نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ اور ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں تو مسلمانوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، چنانچہ ولید کے زمانہ میں 84ھ مسلمانوں نے قسطنطنیہ اور سلطنت روم پر حملہ کر کے اس کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ سلطان ولید کے بھتیجے قتیبہ بن مسلمہ نے ایران کی سرحدوں سے گذر کر پہلے تو 90ھ میں روسی ترکستان فتح کیا۔ اس کے بعد آدھے سے زیادہ چین فتح کر ڈالا۔ ادھر افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر اور اس کے جنرل طارق نے 92ھ میں پورا اسپین اور پرتگال فتح کر لیا۔ اور جنوبی فرانس پر قبضہ جما لیا۔ اسی زمانہ میں محمد بن قاسم نے 93ھ میں ہندوستان پر حملہ کر کے سارے سندھ پر تسلط جما لیا۔

ہندوستان پر 93ھ میں جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ پرتگال، اسپین، جزیرہ روڈس جزیرہ، جزیرہ قبرص، براعظم افریقہ، شام، فلسطین، عرب، یمن، ایران، کابل، قندھار، روسی ترکستان نصف چین اور دنیا کے اکثر و بیشتر علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ اور انہوں نے گذشتہ پون صدی کے اندر وہ عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں۔ جن کی مثال آج بھی دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

ہندوستان پر محمد بن قاسم کی فوج کشی

93ھ مطابق 712ء تا 385ھ مطابق 995ء

مسلمانوں نے ہندوستان کے جس علاقہ پر سب سے پہلے فوج کشی کی وہ پاکستان کا مشہور صوبہ سندھ ہے۔ مسلمانوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سندھ کے علاقہ پر محض اس لئے حملہ کیا تھا چونکہ مسلمان ہندوستان میں تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام کے لئے مضطرب تھے۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فاتحین عرب اپنی دوسری فتوحات میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ شاید سندھ کی جانب کبھی توجہ ہی نہ کرتے لیکن سندھ کے حکمرانوں اور راجاؤں نے مسلمانوں کے مخالفین کی امداد کر کے اور مسلم حکومتوں کے خلاف شورشیں برپا کر کے مسلمانوں کو اس چیز کے لئے مجبور کر دیا کہ وہ سندھ پر ضرور حملہ کریں۔

سندھ کے حکمرانوں کی شورش پسندی :

سندھ کے راجاؤں اور ایران کے بادشاہوں میں اگرچہ دیرینہ دشمنی چلی آرہی تھی اور ان میں کئی بار لڑائیاں بھی ہو چکی تھیں۔ لیکن جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تو سندھ کے راجہ اور ایران کے بادشاہ دونوں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے متحد ہو گئے چنانچہ یزدجرد شاہ ایران سے عرب کے مسلمانوں کی جو تاریخی اور فیصلہ کن جنگ ہوئی ہے اس جنگ میں سندھ کے راجہ نے ایرانیوں کے ساتھ مل کر نمایاں حصہ لیا تھا۔ راجہ نے نہ صرف اپنی فوج شاہ ایران کی امداد کے لئے بھیجی تھی بلکہ اپنے تمام جنگی ہاتھی بھی اس جنگ میں جھونک دیئے تھے۔ ان ہاتھیوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت ابو عبید ثقفی کو ایک ہاتھی ہی نے شہید کیا تھا۔ اسی طرح ایران کے بعد جب مسلمانوں نے مکران پر حملہ کیا تو ایرانیوں کے ساتھ سندھیوں نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ یہ حملہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت میں ہوا تھا۔ سندھیوں کی یہ شورش پسندیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں چنانچہ مکران کے اسلامی حاکم نے ان کی فتنہ پردازی کو دیکھتے ہوئے سندھ کے راجہ ساہ سی پر حملہ کرنے کی حضرت عمر فاروقؓ سے اجازت چاہی لیکن آپ نے اجازت نہیں دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں یعنی 24ھ مطابق 644ء میں جبکہ سندھ میں راجہ چچ کی حکومت تھی۔ سندھی فوجوں نے مکران کی سرحد پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ ان حملوں میں ایران کے ان آتش پرستوں کا بھی ہاتھ تھا جنہوں نے ایران سے فرار ہونے کے بعد سندھ میں پناہ لی تھی اور سندھ کا راجہ ان کو دوبارہ ایران فتح کرنے کی برابر ترغیب دیتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب سندھیوں کی یہ شورش پسندی خطرناک حد تک بڑھ گئی تو بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ حاکم کرمان کو اس شورش کے دبانے کا حکم دیا۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سندھی فوجوں پر حملہ کر کے بھگا دیا اور مکران سے سرحد کیکانان تک تمام علاقہ چھین لیا۔ اس کے بعد 38ھ مطابق 658ء میں راجہ سندھ نے بلوچستان کی سرحد پر اسی قسم کی ایک اور بغاوت برپا کرائی جس کو حارث بن مرہ نامی ایک سردار نے فوراً دبا دیا تھا۔ اس واقعہ کے تین سال بعد 41ھ مطابق 661ء میں امیر معاویہ کے دور حکومت میں پھر راجہ سندھ کی عنایت سے اسی علاقہ میں شورش برپا ہوئی جس کو راشد بن عمرو نے فرو کیا۔ لیکن چند ہی روز بعد پچاس ہزار کے ایک لشکر نے جو باغیوں اور سندھیوں پر مشتمل تھا دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں راشد شہید ہو گئے لیکن سنان بن سلمہ نے جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے اس شورش کو دبا دیا۔

کابل وقندھار جو اس زمانہ میں خلافت اسلامیہ کے ماتحت تھے وہاں 42ھ مطابق 664ء میں شدید بغاوت برپا ہو گئی اور اس بغاوت کے بعد ان صوبوں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا چنانچہ امیر مہلب ان کی سرکوبی کے لئے گیا۔ امیر مہلب کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر کابل وقندھار کے باغی بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کو بھی سندھ کے راجہ چچ نے ہی پناہ دی لیکن امیر مہلب نے ان باغیوں کا تعاقب برابر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان تک ان کا پیچھا کیا اور ملتان کو جو اس زمانہ میں سندھ کا ایک صوبہ تھا فتح کر لیا۔ لیکن امیر مہلب ابھی سندھ کے اس نومفتوحہ علاقہ کا کوئی انتظام نہ کر سکا تھا کہ اس کو ایک دوسری مہم کے لئے بلخ جانا پڑا۔ مہلب کے جاتے ہی سندھ کے راجہ نے پھر اپنا علاقہ سنبھال لیا۔

55ھ مطابق 675ء میں سندھ کا راجہ چچ فوت ہو گیا اور اس کا بڑا لڑکا چندر تخت پر بیٹھا جس کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ نہایت اچھا تھا۔ اسی لئے راجہ چندر کے زمانہ میں مسلمانوں نے سندھ کی جانب کوئی توجہ نہیں کی لیکن 63ھ مطابق 683ھ میں چندر کے مرنے کے بعد جب اس کا چھوٹا بھائی داہر تخت پر بیٹھا تو اس نے پھر مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چنانچہ راجہ داہر نے مسلمانوں کے خلاف ایک اسکیم تیار کی جس کا منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کے مشرقی مقبوضات پر حملہ کر کے ان کو مشرقی ممالک سے قطعی بے دخل کر دیا جائے۔ اس اسکیم کے ماتحت راجہ داہر کے ملتان کے گورنر نے قندھار پر حملہ کر دیا۔ لیکن عامل قندھار نے راجہ داہر کی فوج کو پسپا کر کے اسے ملتان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

سندھ کے راجاؤں کی ان پے در پے یورشوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ کس طرح سندھ کے راجہ برابر خلافت اسلامیہ کو مقابلہ کا چیلنج دیتے رہے لیکن خلافت اسلامیہ اور اس کے نائبین نے برابر درگزر سے کام لیا۔ اس لئے نہیں کہ خلافت اسلامیہ کمزور تھی بلکہ اس لئے کہ خلافت اسلامیہ اپنی وسیع حکومت میں مزید توسیع کی خواہشمند نہ تھی۔ اور وہ عراق و ایران کے سرسبز اور شاداب ممالک کے مقابلہ میں صوبہ سندھ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔ خلافت اسلامیہ کی طاقت اور قوت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھی خلافت اسلامیہ کی فوجیں سندھ کے راجاؤں سے نبرد آزما ہوئی۔ سندھ کے راجاؤں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

مکران میں علافیوں کی بغاوت :

اموی خلیفہ، عبدالملک بن مروان اور ممالک شرقیہ کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کے عہد حکومت میں اچانک مکران میں پھر بغاوت برپا ہوگئی جس کو دبانے کے لئے سعید بن مسلم کلابی کو مکران کا عامل مقرر کر کے بھیجا گیا۔ مسلم کلابی نے شورش پسندوں کو سخت سزائیں دیں اور اس بغاوت کو چند روز میں دبا دیا لیکن سندھ کے راجہ داہر کے دوست محمد بن علافی اور معاویہ بن علافی نے شورش پسندوں کو اپنے گرد جمع کر کے پھر نئے سرے سے مکران میں بغاوت برپا کرا دی۔ اور علاقہ مکران کے کئی شہروں پر قبضہ جما لیا۔ علافیوں کی اس شرارت کو دبانے کے لئے جب سعید بن اسلم کلابی نے ان پر حملہ کیا تو اس حملہ میں کلابی کو شکست ہوئی اور وہ علافیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ علافیوں نے اسلم کلابی کو قتل کر کے اس کی کھال اتروائی اور لاش کی بے عزتی کی اور اس کے بعد مکران میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

علافیوں کی اس خود مختاری کے اعلان کے بعد خلافت اسلامیہ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوری قدم اٹھائے۔ چنانچہ سعید تمیمی اور اس کے بعد محمد بن ہارون کو حجاج نے عامل بنا کر علافیوں کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ محمد بن علافی اور معاویہ بن علافی لشکر اسلامی کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں میں کئی سال تک روپوش رہے۔ آخر پانچ سال کے بعد محمد بن ہارون نے معاویہ بن علافی کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ لیکن محمد بن علافی پانچ سو سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ بچ کر نکل گیا اور راجہ داہر کے پاس چلا گیا۔ راجہ داہر جس کا اس فتنہ میں بہت بڑا ہاتھ تھا اس نے اپنی حکومت میں محمد بن علافی کو ایک بڑا عہدہ دے دیا اور بعد میں تو راجہ داہر نے محمد بن علافی کو نہ صرف وزارت عظمیٰ کا اہم عہدہ عطا کر دیا۔ بلکہ اس کی اتنی عزت افزائی کی کہ داہر کی حکومت کے سکوں کی پشت پر علافی کا نام تک مضروب ہونے لگا۔ یہ واقعہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ راجہ داہر خلافت اسلامیہ کے باغیوں کی ہمت افزائی میں کس طرح پیش پیش تھا۔

داہر کے گورنر نے اسلامی جہازوں کو لوٹ لیا :

جس زمانہ میں کہ سندھ کا راجہ داہر خلافت اسلامیہ کے مشرقی مقبوضات میں بغاوتیں پیدا کر رہا تھا اور خلافت اسلامیہ کے باغیوں کو اپنی حکومت میں نواز رہا تھا۔ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد برابر جنوبی ہند میں بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ لکادیپ، مالدیپ، سراندیپ اور ملابار میں مسلمان بکثرت موجود تھے جنوبی ہند کے اکثر راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سراندیپ کے نومسلم راجہ کے تعلقات خلافت اسلامیہ کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار تھے۔ اس راجہ نے اسلامی مرکز سے اپنے تعلقات کو اور زیادہ استوار کرنے کے لئے قیمتی لحائف سے بھرا ہوا آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا مشرقی ممالک کے مسلمان وائسرائے حجاج بن یوسف کی خدمت میں روانہ کیا تھا ان جہازوں میں قیمتی تحائف کے علاوہ سیکڑوں عازمین حج اور سراندیپ میں فوت ہو جانے والے عرب سوداگروں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے۔ جہازوں کا یہ بیڑا اچانک ایک طوفان میں پھنس گیا، اور باد مخالف کے تھپیڑوں سے سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) سے جا لگا۔ اس زمانہ میں راجہ داہر کا ایک گورنر دیبل میں رہتا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ان جہازوں میں مسلمان ہیں اور خلافت اسلامیہ کے لئے تحائف بھی ہیں تو اس نے ان جہازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ لوٹا اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا۔ مشرقی ممالک کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کو جب راجہ داہر کے گورنر کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو خلافت اسلامیہ کی جانب سے بذریعہ قاصد شدید احتجاج کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ مسلمان قیدیوں کو رہا کیا جائے اور لوٹا ہوا سامان واپس کر دیا جائے لیکن راجہ داہر نے قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ جواب دے دیا کہ ''جہازوں کے لوٹنے والے ہمارے قبضہ کے نہیں ہیں۔ تم خود ان سے آ کر اپنے قیدی چھڑا لو اور اپنا مال و اسباب لے لو۔'' راجہ داہر کا یہ ذلت آمیز اور مضحکہ انگیز جواب خلافت اسلامیہ کے لئے ایک ایسا کھلا چیلنج تھا جسے کوئی بھی خوددار حکومت گوارہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ حجاج بن یوسف کو سندھ کے راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اجازت لینی پڑی۔

سندھ پر عربوں کے ناکام حملے :

راجہ داہر کے ذلت آمیز جواب کے بعد حجاج بن یوسف نے عبداللہ اسلمی کو ایک مختصر سی فوج دے کر دیبل کی جانب روانہ کر دیا۔ عبداللہ اسلمی ابھی جنوبی بلوچستان ہی میں تھا کہ راجہ داہر کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹے کیشب (جے سیہ) نے بلوچستان میں پیش قدمی کر کے اسلامی لشکر کو بری طرح شکست دے دی۔ اس جنگ میں عبداللہ اسلمی شہید ہو گئے۔ اس ناکامی کے بعد حجاج بن یوسف نے چار ہزار فوج بدیل مجالی کی سرکردگی میں دوبارہ دیبل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی اور محمد ہارون عامل مکران کو بھی ہدایت کی کہ وہ بدیل مجالی کی ہر ممکن امداد کرے لیکن راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے جس کی ہمت پچھلی فتح سے بڑھ گئی تھی راستہ ہی میں اسلامی فوجوں کو گھیر لیا۔ جے سیہ کے ساتھ بے اندازہ فوج اور جنگجو ہاتھیوں کا پورا غول تھا۔ دونوں لشکروں میں بڑے معرکہ کی جنگ ہوئی لیکن اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کا بیشتر حصہ کام آ گیا اور اسلامی سپہ سالار بھی شہید ہو گیا۔ جب حجاج کو اس دوسری ناکامی کا علم ہوا تو اس کی آنکھیں کھلیں اور اسے پتہ چلا کہ سندھ کا راجہ مقابلہ کی کافی تیاری کر چکا ہے۔

محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ :

گزشتہ ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے حجاج بن یوسف نے خلیفہ کی منظوری کے بعد سندھ پر یورش کرنے کے لئے نہایت ہی وسیع پیمانہ پر انتظامات شروع کر دیئے۔ اس مہم کی سرکردگی کے لئے حجاج نے اپنے سترہ سالہ داماد محمد بن قاسم گورنر فارس کو منتخب کیا۔ محمد بن قاسم نوعمر ہونے کے باوجود فارس میں بڑی قابلیت کا ثبوت دے چکا تھا۔ اس لئے یہ اہم کام بھی اسی کے سپرد کیا گیا۔ محمد بن قاسم چھ ہزار اسپ سواروں اور چھ ہزار شتر سواروں کے لشکر کو لے کر شیراز و کرمان ہوتا ہوا سندھ کی جانب بڑھا۔ کرمان میں عامل کرمان محمد بن ہارون مع اپنی تین ہزار فوج کے محمد بن قاسم کے ہمراہ ہو گیا۔ ادھر ارمن بیلہ میں راجہ داہر کا لشکر مقابلہ کے لئے تیار کھڑا تھا۔ چنانچہ 93ھ مطابق 712ء میں ارمن بیلہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈھ بھیڑ ہوئی اور اس جنگ میں راجہ داہر کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی۔ محمد بن قاسم ارمن بیلہ کی فتح کے بعد دیبل (کراچی) کی جانب بڑھا۔ دیبل زمانہ قدیم کی بہت بڑی بندرگاہ تھی۔ دیبل پر حملہ کے وقت مسلمانوں کا ایک بہت بڑا سمندری بیڑا بھی دیبل پہنچ گیا۔ جس سے لشکر اسلام کو بہت زیادہ تقویت پہنچی۔ غرضیکہ دیبل کی بندرگاہ پر راجہ اور مسلمانوں کی فوج میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ عرف کیشب کو میدان جنگ سے فرار ہونا پڑا۔ اور اس طرح دیبل اور گرد و پیش کے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل قبضہ ہو گیا۔

محمد بن قاسم کا ہندو رعایا سے سلوک :

سندھ کا راجہ اور اس کے ملک کے وہ باشندے جو زمانہ دراز سے خلافت اسلامیہ اور مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے ان کا خیال تھا کہ ان پر فتح پانے کے بعد خلافت اسلامیہ کا سپہ سالاران کے ساتھ نہایت ہی سختی کا برتاؤ کرے گا لیکن سندھ کے باشندے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اس علاقہ کے باشندوں کو مکمل مذہبی آزادی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں عبادت کریں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، اس کے علاوہ شہر کا انتظام خود ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں دے دیا گیا چنانچہ دیبل کا حاکم اعلیٰ ایک پنڈت کو بنایا گیا۔ جو اس سے قبل جیل خانوں کا محافظ تھا اور جس نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ سلوک کیا تھا۔ ہندو حاکم اعلیٰ کے ماتحت حمید بن ذرائع کو دیبل کا شحنہ یعنی انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا۔ اور اس کو ہدایت کی گئی کہ ہندو شہریوں کی جان، مال اور جائداد کی پوری حفاظت کی جائے۔ چنانچہ دیبل (کراچی) لوٹ مار اور غارت گری سے بالکل محفوظ رہا۔ دیبل کی فتح اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم شہر بیرون کی جانب متوجہ ہوا۔ لیکن اس شہر کے امراء نے پہلے ہی حجاج بن یوسف کے پاس اپنا ایلچی بھیج کر امان طلب کر لی تھی۔ ان امراء نے شہر سے باہر آ کر محمد بن قاسم اور اس کی فوج کا نہایت ہی پرجوش خیر مقدم کیا۔ اور بے اندازہ رسد اور تحائف اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں پیش کئے۔ محمد بن قاسم بھی ان لوگوں کے ساتھ بڑی محبت اور اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے شہر بروچ کی جانب رخ کیا۔ یہاں راجہ داہر کے بھتیجے سے مقابلہ کے بعد یہ شہر بھی فتح ہو گیا۔ لیکن رات کے وقت جاٹوں نے اسلامی فوج پر شبخون مارنے کی کوشش کی جس میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی اور جاٹ گرفتار ہو گئے جب ان جاٹوں کو محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو محمد بن قاسم نے ان کو سزا دینے کی بجائے نصیحت کر کے رہا کر دیا۔ محمد بن قاسم کے اس رحم و مروت کا یہ اثر ہوا کہ تمام جاٹ بخوشی مسلمان ہو گئے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے سیوستان کی جانب رخ کیا جہاں کا حاکم راجہ داہر کا بھتیجا بجے رائے تھا۔ باشندگان شہر نے متفقہ طور پر بجے رائے سے مطالبہ کیا کہ چونکہ مسلمان کھلے دل کے ساتھ امان دے رہے ہیں اس لئے ان سے لڑنا بے عقلی ہے۔ مگر بجے رائے نہ مانا اور مسلمانوں سے لڑ بیٹھا آخر ایک رات کو وہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ سیوستان کے غیر مسلم باشندے جو پہلے ہی سے مسلمانوں سے صلح کے حق میں تھے۔ انہوں نے محمد بن قاسم کا نہایت ہی پرتپاک طریقہ پر خیر مقدم کیا۔ جس کے جواب میں پنڈتوں کو خوب انعام و اکرام دیا گیا۔ اور ان کو ملک کے بڑے بڑے انتظامی عہدے عطا کئے گئے۔ سیوستان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم کی فوجیں بدھیہ کی جانب بڑھیں۔ بدھیہ کا حاکم کاکا جو بڑا سیاست داں تھا۔ اس نے لڑے بغیر اپنے آپ کو اسلامی سپہ سالار کے سامنے پیش کر دیا۔ محمد بن قاسم نے جواباً اسے اپنے لشکر میں اہم عہدہ دیا۔ کاکا نے محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر نہ صرف خود اسلام قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیا بلکہ اس کی تحریک پر اس کی فوج کے بے شمار جاٹ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

راجہ داہر سے فیصلہ کن جنگ :

محمد بن قاسم دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے تمام اہم شہروں کو فتح کرتا ہوا اور ہندو رعایا کو نوازتا ہوا شمال کی جانب دور تک بڑھ گیا۔ جہاں اس نے بجے رائے سے شدید مقابلہ کے بعد قلعہ سیسم پر قبضہ جمالیا۔ اس کے بعد جنوب کی جانب بمقام بیرون واپس ہوا تا کہ مفتوحہ علاقوں کے انتظامات کو مکمل کر سکے۔ انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم راجہ داہر سے اس کی شورش پسندی کا انتقام لینے کے لئے جنوب کی جانب بڑھا جہاں دریا کے کنارے اسے ہندو سپہ سالار موکا سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور موکا مع تیس ہندو سرداروں کے محمد بن قاسم کے پاس چلا آیا۔ محمد بن قاسم نے حسب عادت موکا کی خوب مدارات کی اور جس حصہ ملک پر وہ حاکم تھا اس کی سند حکومت موکا کو لکھ کر دے دی اس کے علاوہ خلعت فاخرہ اور بے حد مال و دولت موکا کو عطا کیا۔ اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے دیبل کا انتظام ایک ہندو پنڈت کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ پنڈت مسلمانوں کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس پنڈت کو ''مولانا اسلامی'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ اور اس کو سفیر بنا کر راجہ داہر کے پاس روانہ کیا گیا۔ اور راجہ داہر کو پیغام دیا گیا کہ یا تو راجہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لے ورنہ اسلامی لشکر سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ راجہ داہر اس موقعہ پر بجائے اس کے کہ تدبر سے کام لیتا وہ مولانا اسلامی کے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آیا اور اس نے محمد بن قاسم سے کہلوا بھیجا کہ ہم اطاعت کے مقابلہ میں جنگ کو ترجیح دیتے ہیں اور لڑائی کے لئے بالکل تیار ہیں اس جواب کے بعد ایک طرف راجہ داہر نے دریائے سندھ پر ایک بہت بڑی فوج بھیج دی اور دوسری جانب نہایت وسیع پیمانہ پر اس قسم کے انتظامات کئے کہ محمد بن قاسم دریائے سندھ کو عبور نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ راجہ داہر کی فوج نے سیوستان پر حملہ کر کے اسے مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا۔ لیکن مسلمانوں نے جلد ہی اسے واپس لے لیا۔ غرضیکہ راجہ داہر کی فوج میں اور اسلامی لشکر میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ راجہ داہر اور اس کے سپہ سالاروں کا مقصد یہ تھا کہ وہ محمد بن قاسم کو دریائے سندھ کے پار ہی جنگ میں مصروف رکھیں تا کہ اسلامی فوجیں دریائے سندھ پار نہ کر سکیں۔ لیکن محمد بن قاسم کے ماہرین جنگ نے بڑی سرعت کے ساتھ کشتیوں کا ایک ایسا پل بنا لیا۔ جس سے کہ اسلامی فوج بڑی تیزی کے ساتھ دریائے سندھ کے اس پار پہنچنی شروع ہو گئی، اسلامی لشکر کا دریائے سندھ کے اس پار پہنچنا تھا کہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ کی فوج جو دریا کے اس پار پڑی تھی، گھبرا گئی۔ اور ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھگدڑ سی مچ گئی اس طرح راجہ داہر کو پہلے ہی بڑے معرکہ میں شکست ہوگئی۔ اس شکست کے بعد راجہ داہر نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنے مسلم دوست محمد علافی اور اس کی فوج کو بصورت مقدمۃ الجیش روانہ کیا مگر محمد علافی کو بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب اسلامی لشکر آگے بڑھنے کے بعد جے وار میں مقیم ہوا، سامنے ہی راجہ داہر اپنے لشکر کو لئے ہوئے خیمہ زن تھا۔ داہر کی فوج میں بچیس تیس ہزار زرہ پوش سپاہی، دس ہزار نیزہ بردار اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے اور اسلامی لشکر جس کی کل تعداد پندرہ ہزار تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ راجہ داہر اور اس کی فوج نے بھی بڑی ہمت اور مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ دو دن تک دونوں لشکروں میں زبردست معرکہ جنگ جاری رہا۔ آخر کار تیسر روز راجہ داہر کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ لیکن راجہ داہر ایک ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اب بھی میدان میں ڈٹا رہا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔ راجہ داہر کے مارے جانے پر بہت سے برہمنوں، ہندوؤں اور فوجی سرداروں نے اپنے آپ کو محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کر دیا اور اسلام قبول کر لیا۔ محمد بن قاسم نے دوسرے دن ایک عام دربار منعقد کرنے کے بعد اپنی حکومت کی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ''ہماری حکومت میں ہر شخص مذہبی معاملہ میں آزاد ہوگا جو شخص چاہے اسلام قبول کرے۔ اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے گا اس سے بھی ایک معمولی ٹیکس جزیہ کے نام سے وصول کیا جائے گا اور جو مسلمان ہو جائے گا اس کو بھی ایک ٹیکس زکوٰۃ کے نام سے ادا کرنا ہوگا۔''

برہمن آباد، الور اور ملتان کی فتح :

راجہ داہر کے مرنے کے بعد راجہ داہر کا وزیر سی ساگر، راجہ کا دوست محمد علافی، راجہ کا بیٹا جے سیہ ، راجہ کی بیوی مائی جو راجہ کی حقیقی بہن بھی تھی اور راجہ کے تمام رشتہ دار، سردار اور امرا نے قلعہ روہڑی میں جمع ہونے کے بعد اس پر غور کیا کہ آئندہ کون سا قدم اٹھایا جائے۔ راجہ کی بیوی مائی نے تو ستی ہو جانے کا فیصلہ کیا اور وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ چتا میں بیٹھ کر ستی ہوگئی۔ اور باقی لوگوں نے وزیر سی ساگر اور محمد علافی کی اس رائے پر عمل کیا کہ برہمن آباد میں پہنچ کر فوج جمع کی جائے اور مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ برہمن آباد پہنچنے کے بعد زبردست فوجی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ادھر محمد بن قاسم نے برہمن آباد اور ان شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے یہ اعلان کرا دیا کہ جو لوگ اطاعت قبول کر لیں گے اور پر امن رہیں گے ان کو عام معافی دی جائے گی۔ داہر کے وزیر سی ساگر نے اس اعلان سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا معتمد محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور اپنی اطاعت شعاری کا وعدہ کیا جس پر محمد بن قاسم نے سی ساگر کے نام کا امان نامہ لکھ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معتمد کو دے دیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد پر حملہ کیا تو وزیر سی ساگر چپکے سے محمد بن قاسم کے پاس پہنچ گیا۔ محمد بن قاسم نے وزیر سی ساگر کی بے حد عزت افزائی کی اور اسے وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔ ادھر راجہ کا بیٹا جے سیہ برہمن آباد کے قلعہ میں محصور ہونے کے بعد اسلامی لشکر کا چھ مہینے تک مقابلہ کرتا رہا۔ اس مقابلہ میں محمد علافی بھی جے سیہ کے ساتھ تھا۔ لیکن جب ان دونوں نے یہ دیکھا کہ اسلامی لشکر پر فتح پانا ناممکن ہے تو جے سیہ اور علافی دونوں برہمن آباد سے فرار ہو گئے۔ جے سیہ کے چلے جانے کے بعد برہمن آباد کے باشندوں نے محمد بن قاسم کے پاس درخواست بھیجی کہ اگر ہم کو جان و مال کی امان دیں تو ہم شہر کا دروازہ کھول دیں۔ محمد بن قاسم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور شہر کا دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کے کھلتے ہی جیسے ہی اسلامی فوج برہمن آباد میں داخل ہوئی راجہ کی بقیہ فوج نے بھاگنا شروع کر دی۔ راجہ داہر کی دوسری بیوی رانی لادی آخر وقت تک مقابلہ کرتی رہی اور مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہو گئی۔ جب اسے محمد بن قاسم کے روبرو پیش کیا گیا تو اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد محمد بن قاسم سے نکاح کر لیا۔ تمام جنگی قیدی رہا کر دیئے گئے اور عوام کو ہر قسم کی مذہبی اور معاشرتی آزادی عطا کر دی گئی۔

برہمن آباد کے اہم مورچہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم مقام سستھ کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں کے باشندوں نے لڑنے کی بجائے محمد بن قاسم کا پرجوش طریقہ پر استقبال کیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے الور کی جانب رخ کیا جہاں راجہ داہر کا چھوٹا بیٹا فیوفی حکمرانی کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر شہر کے باہر خیمہ زن ہو گیا۔ الور کے باشندوں نے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ برہمن آباد کے باشندوں کی طرح مسلمانوں سے جان و مال کی امان مانگ لینا ہی بہتر ہے۔ راجہ کے بیٹے کو جب عوام کے ان ارادوں کا علم ہوا تو وہ الور سے فرار ہو گیا۔ چنانچہ الور کے باشندوں کی خواہش کے مطابق محمد بن قاسم نے ان کو جان و مال کی حفاظت دے دی اور الور پر بغیر لڑے اسلامی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ تسخیر الور کے بعد محمد بن قاسم قلعہ یابیہ کی جانب روانہ ہوا جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔ اس قلعہ میں راجہ داہر کا چچازاد بھائی کاکسا بن چندر بن مقیم تھا۔ یہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم و فاضل تھا۔ اور محمد بن قاسم کے رویہ نے اسے پہلے ہی سے اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ محمد بن قاسم جب اس قلعہ کے قریب پہنچا تو ''کاکسا'' نے بلا تکلف قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ محمد بن قاسم نے اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کو ایک طرف وزیر خزانہ کا عہدہ عطا کیا دوسری جانب اپنا مصاحب اور سپہ سالار بھی بنا دیا۔

ملک سندھ کے تمام اہم مقامات اور شہروں پر اب مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا صرف ملتان باقی رہ گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے ملتان کی فتح سے قبل دریائے بیاس پار کر کے قلعہ اسکندہ فتح کیا۔ اس کے بعد قلعہ سکہ پر حملہ کیا جو دریائے راوی کے جنوب میں تھا۔ اس قلعہ کی فتح کے بعد ملتان کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محاصرہ شروع کیا۔ یہاں کا حاکم کاکسا کا بھائی گورسیہ تھا۔ جو دو مہینے تک محصور رہ کر لشکر اسلام کا مقابلہ کرتا رہا اس کے بعد فرار ہو کر کشمیر چلا گیا تو اسلامی فوجوں کا ملتان پر قبضہ ہو گیا۔ دوسرے شہروں کی طرح اس شہر کے باشندوں کو بھی جان و مال کی امان دے دی گئی۔ اور شہر کے معززین کو محمد بن قاسم نے حسب عادت خوب نوازا۔

سندھ کے پورے ملک پر مسلمانوں کا قبضہ :

ملتان کی فتح کے بعد پورے ملک سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس زمانہ کا ملک سندھ موجودہ زمانہ کے صوبہ سندھ سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ اس زمانہ کے سندھ کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مغرب میں بلوچستان اور مکران تک پھیلا ہوا تھا۔ جنوب میں کاٹھیاواڑ، گجرات اور بحر عرب تک اس کی سرحدیں پھیلی ہوئی تھیں۔ مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک یہ وسیع تھا۔ اور شمال میں ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ نیز صوبہ سرحد کا بھی ایک حصہ اس میں شامل تھا۔ گویا آج سے بارہ سو برس پہلے کا سندھ ایک ایسا ملک تھا۔ جو موجودہ مغربی پاکستان سے بھی بڑا تھا اور جس میں بلوچستان، مکران، صوبہ سندھ، صوبہ سرحد کا ایک حصہ، صوبہ پنجاب کا بیشتر حصہ، مالوہ، راجپوتانہ، کاٹھیاواڑ اور گجرات وغیرہ شامل تھے۔

سندھ کے باشندوں کا قبول اسلام :

یوں تو اسلام محمد بن قاسم کے حملہ سے قبل ہی سندھ میں پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن محمد بن قاسم کے سندھ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد سندھ کے باشندوں کی اسلام سے دلچسپی اور بھی زیادہ بڑھ گئی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ محمد بن قاسم اور اس کے عمال نے سندھ کے ہندو باشندوں کے ساتھ اس قدر شریفانہ اور نرمی کا برتاؤ کیا کہ ان کے دلوں میں محمد بن قاسم اور مسلمانوں کی عزت اور محبت خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے سرزمین سندھ پر قدم رکھنے کے بعد سے لے کر فتح ملتان تک لاکھوں سندھ کے باشندے بخوشی اسلام قبول کر چکے تھے۔ محمد بن قاسم نے جس وقت سندھ کا معرکہ شروع کیا تھا اس وقت محمد بن قاسم کے ساتھ بارہ ہزار شامی اور عراقی سپاہی تھے۔ ان سپاہیوں کی بڑی تعداد مختلف جنگوں میں کام آ چکی تھی۔ لیکن پھر بھی فتح ملتان کے وقت محمد بن قاسم کی فوج میں پچاس ہزار سپاہی تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب کے سب تقریباً نو مسلم تھے۔ جنہوں نے بخوشی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی زندگیاں اسلامی سلطنت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ محمد بن قاسم کے دور حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے یا اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمال نے کسی ایک ہندو کو بھی اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ اور اس کی وسیع نظری کا یہ عالم تھا کہ عمال مقرر کرتے وقت اس کے سامنے ہندو یا مسلم کا کوئی سوال نہ تھا۔ چنانچہ دیبل کا حاکم ایک پنڈت کو مقرر کیا جو بعد کو بخوشی مسلمان ہوگیا اور مولانا اسلامی کہلایا۔ اس پنڈت کے علاوہ کاکا، موکا، سی ساگر، کاکسا وغیرہ کو غیر مسلم ہونے کے باوجود بڑے سے بڑے عہدے عطا کئے گئے۔ اور محمد بن قاسم کو اپنے ان ہندو وزرا اور عمال پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے مشورہ کے بغیر محمد بن قاسم ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم نے جس رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اس کی سیاست دانی کا بہترین نمونہ ہے۔ محمد بن قاسم کی اس رواداری، مذہبی آزادی اور حسن سلوک ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے ایک بہت بڑے ملک کے کئی کروڑ باشندوں کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔ محمد بن قاسم نے اگر رحم و مروت اور رواداری کے بجائے بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کیا ہوتا تو اسے نہ تو اپنی فاتحانہ پیش قدمی میں کامیابی ہوتی اور نہ اس کے چلے جانے کے بعد نو مسلم دائرہ اسلام میں قائم رہتے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے سندھ سے جانے کے بعد ایک بھی ایسی مثال نہیں ہے کہ کسی نو مسلم نے دین اسلام چھوڑا ہو بلکہ دین اسلام کے ماننے والوں کی تعداد محمد بن قاسم کے چلے جانے کے بعد اور بھی زیادہ بڑھتی چلی گئی۔ محمد بن قاسم نے اپنے دور حکومت میں جہاں سندھ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مسجدیں تعمیر کرائیں وہاں مندروں کی تعمیر میں بھی کھلے دل کے ساتھ امداد دی غرضیکہ محمد بن قاسم ایک ایسا لائق سیاستداں تھا جس کی رواداری کو مسلمانوں کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

محمد بن قاسم کی معزولی اور قتل :

95ھ مطابق 716ء میں جبکہ محمد بن قاسم ملتان کی فتح سے فارغ ہی ہوا تھا اسے یہ دلخراش خبر ملی کہ اس کا خسر یعنی ممالک شرقیہ کا وائسرائے حجاج بن یوسف فوت ہوگیا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دست راست تھا۔ حجاج کے مرنے کے بعد خلیفہ کے حوصلے پست ہوگئے۔ چنانچہ اس نے ممالک شرقیہ کے تمام گورنروں کے نام احکامات بھیج دیئے تھے کہ اب تم اپنی فتوحات اور پیش قدمیوں کو روک دو۔ اس حکم کے ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنی تمام پیش قدمیاں روک دیں۔ حالانکہ فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم کا پروگرام یہ تھا کہ وہ کشمیر، قنوج اور مشرقی ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی جانب اپنی توجہ مبذول کرے۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اگر حجاج بن یوسف کی موت نہ واقع ہوتی اور محمد بن قاسم کی پیش قدمیوں کو نہ روک دیا گیا ہوتا تو چند سال کے اندر یہ بہادر سپہ سالار سارے ہندوستان کو فتح کر چکا ہوتا۔ محمد بن قاسم کی طرح چین کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو بھی پیش قدمی سے روک دیا گیا تھا حالانکہ وہ چین کے لئے دوسرا محمد بن قاسم ثابت ہو رہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ غرضیکہ حجاج بن یوسف کے مرتے ہی مشرقی ممالک میں مسلمانوں کی پیش قدمیاں رک گئیں۔ اس کے علاوہ حجاج بن یوسف کی موت کے سات مہینے بعد 96ھ مطابق 717ء میں نیا حادثہ یہ پیش آیا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی فوت ہوگیا۔ اور خلیفہ کا بھائی سلیمان عبدالملک تخت نشین ہوگیا۔ سلیمان عبدالملک، حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلمہ اور ان تمام سپہ سالاروں اور گورنروں کا شدید مخالف تھا جن کو کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں عروج حاصل تھا۔ اور اس مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ولید اپنے بھائی سلیمان کی بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کے لئے جوڑ توڑ کرتا رہا تھا۔ اور یہ تمام سپہ سالار اور گورنر ولید کے اس فعل کے حق میں تھے۔ چنانچہ سلیمان نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے مخالفین سے انتقام لینا شروع کردیا۔ اور اسی انتقام کا یہ افسوسناک نتیجہ تھا کہ سلیمان نے قتیبہ بن مسلمہ اور محمد بن قاسم کو پہلے تو ان کے عہدوں سے معزول کیا اور اس کے بعد ان دونوں کو واپس بلا کر قتل کرادیا۔ گویا ولید اور سلیمان کی ذاتی عداوت نے خلافت اسلامیہ کو ایسے لائق سپہ سالاروں اور گورنروں سے محروم کردیا جو اگر زندہ اور برقرار رہتے تو نہ صرف چین اور ہندوستان میں بلکہ تمام مشرقی ممالک میں اسلامی حکومتیں قائم ہوجاتیں۔

سندھ میں مسلمانوں نے کس طرح حکومت کی:

اسلامی حکومتوں کے بارے میں اغراض پسندوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمان نہایت جابر تھے، ظالم تھے، ہندوؤں کے دشمن تھے۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے کس قدر رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اس کا اندازہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی سلطنت ''حکومت سندھ'' کے حالات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ سندھ کی اسلامی حکومت کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ کسی کے مذہبی معاملہ میں مداخلت نہ کی جائے۔ چنانچہ سندھ کے ہندوؤں اور بدھوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں پوجا پاٹ کریں۔ اس کے علاوہ سندھ کی حکومت مندروں کی مرمت کو بھی اپنا فرض خیال کرتی تھی اس فرض کے پیش نظر برہمن آباد، ملتان، الور اور دیگر مقامات پر اسلامی خزانہ سے مندروں کی مرمت کرائی جاتی تھی۔ حکومت کے عمال اور سپاہیوں کے نام احکامات جاری ہوچکے تھے کہ وہ عوام کی جان مال اور آبرو کا پوری طرح تحفظ کریں۔ اسی لئے سندھ کے اس عظیم الشان انقلاب میں کسی ہندو عورت کی بے آبروئی کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ بلکہ ہر جگہ عورتوں کی آبرو کا پورا پورا احترام کیا گیا۔ ہندو امرا اور جاگیرداروں کی سندھ کی اسلامی حکومت کی جانب سے پوری طرح عزت افزائی کی جاتی تھی۔ خزانہ کا بیشتر حصہ رعایا کی بہبود اور فلاح کے لئے خرچ کیا جاتا تھا۔ کاشتکاروں، کاریگروں، صناعوں اور سوداگروں کو مالی امداد دی جاتی تھی۔ اور ملک کے اصلی باشندوں یعنی ہندوؤں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بدھوں کو حکمرانی میں بھی برابر کا حصہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ تمام بڑے بڑے عہدوں پر غیر مسلم ہی قابض تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے سندھ میں جس رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اس کی مثال غیر مسلموں کی دلداری کی ہے۔ وہ کبھی سندھ کی سابقہ ہندو حکومتوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی اسی رواداری کا یہ نتیجہ تھا کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے روانہ ہوا تو سارے ملک میں رنج اور غم کی کیفیت طاری ہوگئی۔ شہر کیرج کے ہندوؤں اور بدھوں نے تو محمد بن قاسم کے چلے جانے کے بعد اس کی یاد میں اس کا ایک بت بنالیا تھا۔ اور اس کی پرستش شروع کردی تھی۔

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی حکومت

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کا نیا گورنر یزید بن ابی کبشہ بنایا گیا۔ لیکن اسے عہدہ کا چارج سنبھالے صرف اٹھارہ دن ہوئے تھے کہ فوت ہوگیا۔ یزید کے مرتے ہی راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے اپنی حکومت کو واپس لینے کی جدوجہد شروع کردی۔ غرضیکہ اس نے اچانک برہمن آباد پر حملہ کرکے اس پر قبضہ جمالیا۔ شامی اور عراقی مسلمان اور محمد بن قاسم کے پرانے ساتھی اگر چاہتے تو جے سیہ کو شکست دے سکتے تھے لیکن محمد بن قاسم کے قتل نے سب کو دربار خلافت سے متنفر کردیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ داہر کے بیٹے کی حکومت پھر برہمن آباد میں قائم ہوگئی۔ باقی ملک پر بدستور مسلمانوں کا قبضہ رہا۔

ابی کبشہ کے بعد عامر بن عبداللہ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد فوت ہوگیا۔ اس کے بعد حبیب بن مہلب کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا۔ حبیب ابھی چند خودمختار راجاؤں کو مطیع کرسکا تھا کہ اسے واپس بلالیا گیا۔ اس کے جاتے ہی راجہ داہر کے بیٹے، بھتیجوں اور رشتہ داروں نے سندھ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قائم کریں غرضیکہ سندھ کا اسلامی نظام حکومت بالکل درہم برہم ہوگیا۔

سندھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں :

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تقریباً تین سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا اور اس کی جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سے اس وقت تک تقریباً تین سال گزر چکے تھے۔ ان تین سال میں سندھ کا نظام بد سے بدتر ہوگیا۔ برابر نئے نئے گورنر آتے رہے اور سندھ میں نئے نئے راجہ خودمختاری کا اعلان کرتے رہے۔ غرضیکہ خلیفہ سلیمان کا دور حکومت سندھ کے لئے بالکل ناکارہ ثابت ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے سندھ کی جانب توجہ کی اور عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ عمر بن مسلم باہلی کی گورنری کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ اس کے دور حکومت میں سندھ کی اسلامی حکومت کے سب سے بڑے مخالف راجہ داہر کے بیٹے راجہ جے سیہ نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام راجہ بھی جو راجہ جے سیہ کے رشتہ دار تھے مسلمان ہو گئے۔ ان راجاؤں کے مسلمان ہونے کا عوام پر گہرا اثر پڑا چنانچہ لاکھوں غیر مسلم سندھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان راجاؤں کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی ریاستیں ان ہی کے پاس چھوڑ دی گئیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ گویا ان راجاؤں کے اسلام قبول کرنے کے بعد سندھ کا ایک بڑا حصہ پرانے حکمران خاندان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ صرف خلافت اسلامیہ کی ان راجاؤں پر سیادت باقی رہ گئی ورنہ یہ اپنی ریاستوں میں بالکل خودمختار تھے۔ ہاں ملک سندھ کا ایک حصہ ضرور گورنر سندھ کے زیر حکومت تھا۔

سندھ کا ایک تشدد پسند گورنر:

101ھ مطابق 721ء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد جب یزید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا تو اس نے جنید بن عبدالرحمٰن کو جو کہ ایک نہایت ہی تشدد پسند حاکم تھا سندھ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ جنید نے سندھ میں قدم رکھتے ہی تشدد اور طاقت کے ذریعہ ماتحت راجاؤں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ گجرات اور اجین کے راجاؤں کو بھی بذریعہ طاقت خراج گزار بنا لیا۔ اس کے بعد نومسلم راجہ جے سیہ کے علاقہ میں بھی اس گورنر نے فوجیں اتار دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نومسلم راجہ جے سیہ اور جنید بن عبدالرحمٰن میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں راجہ مارا گیا۔ اس افسوسناک حادثہ کے بعد نومسلم راجہ جے سیہ کا بھائی خلیفہ اسلام سے گورنر کے ظلم وستم کی شکایت کرنے اور بھائی کا قصاص طلب کرنے کے لئے دمشق کی جانب روانہ ہوا تو جنید نے اسے نہایت عیاری کے ساتھ دھوکہ دے کر بلوایا اور قتل کر دیا۔ سندھ کے اسلامی گورنر جنید کے ہاتھوں سندھ کے نومسلم راجہ جے سیہ کا بلاوجہ قتل اور پھر عیاری کے ساتھ راجہ کے بھائی کو دھوکہ دے کر ہلاک کرنا ایک ایسا مذموم فعل تھا جس کا عوام پر بہت برا اثر پڑا اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ اب مسلمانوں میں اپنے قول اور عہد کا پاس نہیں رہا۔ چنانچہ سندھیوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات اس نااہل گورنر کی وجہ سے پھیلنے شروع ہو گئے۔

سندھ میں عام شورش اور بے چینی:

خلیفہ ہشام بن عبدالملک جو یزید بن عبدالملک کی موت کے بعد 105ھ مطابق 724ء میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ بن چکا تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ جنید کی تشدد پسندی اور بے عقلی کی وجہ سے سندھ میں بے چینی پھیل گئی ہے تو اس نے 106ھ مطابق 725ء میں جنید کو سندھ کی گورنری سے معزول کر کے ایک نہایت ہی نرم دل حاکم تمیم بن زیاد کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ لیکن نومسلم راجہ جے سیہ اور اس کے بھائی کے قتل کی وجہ سے سندھیوں میں جو ناگواری پیدا ہوگئی وہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ اور اتفاق دیکھئے کہ نئے گورنر تمیم کا بھی سندھ آتے ہی اچانک انتقال ہو گیا جس کے بعد کافی زمانہ تک سندھ میں کوئی اسلامی گورنر نہیں رہ سکا۔ اس دوران میں شورش اور بھی بڑھ گئی۔ نومسلم راجاؤں نے برہمنوں کے ساتھ مل کر حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت شروع کر دی اس کے علاوہ نومسلم روسا مرتد ہونے لگے۔ آخر 110ھ مطابق 729ء میں عوانہ کلبی کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ عوانہ کلبی نے ان شامیوں اور عراقیوں کو نئے سرے سے جمع کیا جو سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کی ایک مضبوط فوج بنائی جس کو عمر بن محمد قاسم کی سپہ سالاری میں دے دیا گیا تا کہ وہ باغیوں کو کچلے۔ عمر بن محمد، محمد بن قاسم کا وہ لڑکا تھا جو راجہ داہر کی بیوہ رانی لادی سے پیدا ہوا تھا اور جسے محمد بن قاسم ہندوستان جاتے ہوئے سندھ میں چھوڑ گیا تھا۔ عمر بن محمد کی عمر اگرچہ اس وقت صرف سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ لیکن اس نے اپنی غیر معمولی بہادری اور جرأت سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے باپ کا صحیح جانشین ہے۔ عمر نے فتح پر فتح حاصل کر کے دوبارہ مسلمانوں کی جرأت کے افسانوں کی یاد کو تازہ کر دیا۔ اور اس نے مختصر سے عرصہ میں خلافت اسلامیہ کے تمام سرکشوں اور باغیوں کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔ عمر کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ سندھ کے تمام راجہ اور روساء کے دلوں میں اب بھی محمد بن قاسم کی محبت اور عظمت جاگزیں تھی۔ اور سب کے سب اس کے بیٹے عمر کا احترام کرتے تھے۔ غرضیکہ عمر بن محمد نے نئے سرے سے سندھ کے بیشتر حصہ کو خلافت اسلامیہ کا مطیع بنا دیا اس اہم کارنامہ سے فارغ ہونے کے بعد عمر بن محمد نے دریا کے کنارہ منصورہ کے نام سے ایک نیا شہر سندھ میں آباد کیا جو مدتوں سندھ کا پایہ تخت شمار ہوتا رہا۔ خلیفہ ہشام نے عمر بن محمد کی بہادری اور تدبر سے متاثر ہو کر 120ھ مطابق 739ء میں عوانہ بن کلبی کی موت پر عمر کو سندھ کی گورنری کی سند عطا کر دی۔ لیکن خلافت اسلامیہ عمر بن محمد کی قابلیت اور تدبر سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکی کیونکہ 126ھ مطابق 745ء میں لائق باپ کا یہ لائق بیٹا بھی فوت ہو گیا۔ عمر کے مرتے ہی سندھ میں پھر شورش اور بغاوتیں برپا ہونے لگیں اور عمر کے مرنے کے چند سال بعد 132ھ مطابق 751ء میں خلافت بنی امیہ کا چراغ بھی گل ہو گیا اور اس کی جگہ خلافت عباسیہ قائم ہو گئی۔

سندھ کے اسلامی گورنر کی بغاوت :

خلافت بنوامیہ کے ماتحت سندھ میں تقریباً 42 سال متعدد اسلامی گورنروں نے حکومت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس 42 سال میں کسی ایک گورنر نے بھی کبھی مرکزی حکومت سے بغاوت نہیں کی لیکن خلافت بنوامیہ کے ختم ہوتے ہی اس زمانہ کے سندھ کے اسلامی گورنر منصور نے جو اموی خلیفہ کا مقرر کردہ تھا۔ عباسی خلیفہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ منصور کے علاوہ سندھ کے شامی بھی جو اموی خلافت کے حامی تھے سب کے سب منصور کی حمایت اور اعانت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ منصور کی اس بغاوت کی اطلاع جب عباسیوں کو ہوئی تو عباسی وائسرائے ابومسلم خراسانی نے عبدالرحمٰن نامی ایک سردار کو اس مقصد کے لئے سندھ روانہ کیا کہ وہ منصور کو معزول کر کے سندھ کی گورنری کا عہدہ سنبھال لے۔ لیکن منصور نے پوری طاقت کے ساتھ عبدالرحمٰن کا مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں عبدالرحمٰن مارا گیا۔ اس کے بعد ابومسلم خراسانی نے موسیٰ بن کعب کو ایک بڑی فوج دے کر منصور کی سرکوبی کے لئے سندھ روانہ کیا۔ منصور نے موسیٰ کا بھی بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن مارا گیا۔ منصور کے مرتے ہی منصور کے ہمنوا اور شامی سردار سندھ سے فرار ہو گئے اور بلوچستان کی قریب کی پہاڑیوں میں جا کر ان لوگوں نے پناہ لی اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہو گئی۔

خلافت عباسیہ میں سندھ کی حالت :

سندھ کے پہلے عباسی گورنر موسیٰ بن کعب نے سندھ کی تقریباً تمام بغاوتوں کو دبانے کے بعد سندھ کے راجاؤں کو عباسی خلیفہ عبداللہ بن سفاح کی اطاعت کے لئے آمادہ کر لیا اور اس طرح 134ھ مطابق 753ء میں ملک سندھ بھی خلافت عباسیہ کی حدود مملکت میں شامل ہو گیا۔ موسیٰ بن کعب سندھ میں بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد 141ھ مطابق 759ء میں سندھ میں فوت ہو گیا۔ موسیٰ بن کعب کے انتقال کے وقت خلیفہ منصور عباسی کا دور حکومت تھا۔ منصور عباسی نے پہلے تو موسیٰ کے بیٹے عینیہ بن موسیٰ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا لیکن سال بھر کے بعد اس کو معزول کر کے عمر بن حفص کو یہ عہدہ تفویض کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خلافت سادات کی تحریک حجاز و عراق میں زور پکڑ رہی تھی۔ اور اس تحریک نے خلافت عباسیہ کو سراسیمہ اور پریشان کر رکھا تھا۔ چنانچہ خلافت سادات کی تحریک کے رہنما محمد المہدی نے اپنے بیٹے عبداللہ اشتر کو سندھ روانہ کیا تاکہ وہاں کے گورنر کو خلافت سادات میں شامل ہونے کی دعوت دے۔ سندھ کا گورنر عمر بن حفص جو پہلے ہی سے شیعیت کی جانب رجوع تھا اس نے عبداللہ اشتر کی دعوت کو بخوشی قبول کرتے ہوئے محمد المہدی کی بیعت اختیار کر لی اور خلافت عباسیہ سے قطع تعلق کرنے کے بعد محمد المہدی کی خلافت کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ لیکن اسی دور میں محمد المہدی کو قتل کر دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ اشتر نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو وہ سندھ کے ایک سرحدی راجہ کی حکومت میں چلا گیا۔ یہ راجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت رکھتا تھا۔ اس نے عبداللہ اشتر کی بے حد تعظیم و تکریم کی یہاں تک کہ اپنی بیٹی کی شادی بھی عبداللہ اشتر کے ساتھ کر دی۔ خلیفہ منصور کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے عمر بن حفص کو معزول کر کے ہشام بن عمر کو سندھ کی گورنری کا پروانہ دے کر روانہ کر دیا۔ ہشام نے سندھ پہنچنے کے بعد پہلے تو عبداللہ اشتر کو تلاش کر کے قتل کیا اور اس کی ہندوستانی بیوی اور کمسن لڑکے کو خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد عبداللہ اشتر کے خسر یعنی سرحدی راجہ کے خلاف فوج کشی کر کے اسے بھی ہلاک کر دیا اور اس کی ریاست کو سندھ کے ساتھ شامل کر لیا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد خلیفہ منصور ہشام سے بدظن ہو گیا اور اسے 157ھ مطابق 773ء میں معزول کر کے معید بن خلیل کو سندھ کی گورنری کا عہدہ عطا کر دیا۔ ابھی معید کی گورنری کو ایک سال بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ 158ھ مطابق 774ء میں خلیفہ منصور عباسی کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ خلیفہ مہدی نے مسند خلافت سنبھال لی۔ اسی سال معید بن خلیل گورنر سندھ بھی فوت ہو گیا۔ جس کے مرنے کے بعد خلیفہ مہدی نے روح بن حاتم کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ روح بن حاتم کے بعد خلیفہ ہادی کے عہد خلافت میں سندھ کے گورنر کی ذمہ داری ابوتراب حاجی کو سپرد کی گئی۔ 179ھ مطابق 787ء میں خلیفہ ہادی کا انتقال ہو گیا اور ہادی کی جگہ مسند خلافت عباسی خاندان کے مشہور فرمانروا ہارون الرشید نے سنبھال لی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے 171ھ مطابق 788ء میں ابوتراب حاجی کی موت کے بعد ابوالعاص کو سندھ کی گورنری کی سند عطا کر دی۔ تین سال کے بعد 174ھ مطابق 791ء میں یہ اہم عہدہ اسحٰق بن سلیمان کو سپرد کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ایک طرف خلافت عباسیہ معراج کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور دوسری طرف سندھ کے گورنر کو ہندوستان کے راجاؤں میں سب سے زیادہ اقتدار اور طاقت حاصل تھی۔ اسحٰق بن سلیمان نے مسلسل دس سال تک سندھ کی گورنری کے فرائض انجام دیئے۔ اسحٰق کے بعد 184ھ مطابق 801ء میں داؤد بن یزید کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ داؤد ایک نہایت ہی علم دوست اور باتدبیر حاکم تھا اس نے اپنے عہد حکومت میں صوبہ سندھ کو خوب ترقی دی اور اسے علم و فضل کا بہت بڑا مرکز بنا دیا۔ داؤد بن یزید نے تقریباً اکیس سال تک سندھ میں گورنری کی اور غالباً یہ مدت سندھ کے گورنروں میں سب سے زیادہ طویل تھی۔ داؤد بن یزید کی گورنری ہی کے زمانہ میں خلیفہ ہارون رشید کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد امین الرشید قتل ہوا اور مامون رشید نے مسند خلافت پر قبضہ جمایا۔ گویا داؤد نے تین خلفائے عباسیہ کا دور دیکھا ہے۔ داؤد اکیس سال گورنری کرنے کے بعد جب 205ھ مطابق 822ء میں فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے بشیر بن داؤد کو سندھ کی حکومت سپرد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردی گئی۔ لیکن بشیر بن داؤد نے دس ہزار درہم سالانہ رقم مرکز خلافت کو دینی بند کردی جس پر اسے معزول کر کے 211ھ مطابق 848ء میں حاجب بن صالح کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر بشیر بن داؤد نے اس نئے گورنر کو چارج دینے کی بجائے اس کا دو سال تک مقابلہ کیا۔ آخر غسان بن عباد نے 213ھ مطابق 830ء میں بشیر بن داؤد پر قابو پانے کے بعد اسے خلیفہ مامون الرشید کی خدمت میں حاضر کیا۔ خلیفہ نے جب دیکھا کہ بشیر بن داؤد نے تمام روپیہ رعایا کی فلاح و بہبود پر صرف کیا ہے تو اس کا قصور معاف کر دیا۔ غسان سندھ سے واپس ہوتے ہوئے سندھ کی گورنری کا قلمدان موسیٰ بن یحییٰ کو سپرد کر آیا تھا جس کو بعد میں مرکز سے گورنری کی سند روانہ کردی گئی۔

218ھ مطابق 834ء میں مامون الرشید کے انتقال کے بعد معتصم بن ہارون مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے بھی موسیٰ بن یحییٰ کو بدستور سندھ کی حکومت پر برقرار رکھا چنانچہ 221ھ مطابق 837ء میں موسیٰ بن یحییٰ نے مرتے وقت اپنے بیٹے عمران بن موسیٰ کو وہاں کی حکومت سپرد کردی اور خلیفہ نے بھی اس تقرر کو تسلیم کرتے ہوئے عمران کو گورنری کی سند عنایت کردی۔ عمران کے زمانہ میں بلوچستان کے علاقہ میں جاٹوں نے بغاوت بپا کردی تھی جسے عمران نے بڑی ہوشیاری سے دبا دیا۔ دو سال کے بعد عمران فوت ہو گیا اور اس کی جگہ فضل بن یامان کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

چند روز کے بعد جب وہ بھی مر گیا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے محمد بن فضل کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا۔

محمد بن فضل جس کو جدید فتوحات کا شوق تھا جب سمندری بیڑا لے کر مہاراشٹر اور مالابار کی فتح کے لئے گیا ہوا تھا تو اس کے بھائی ہامان بن فضل نے سندھ پر قبضہ کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا مگر ماتحت راجاؤں نے متحد ہو کر اس کے خلاف یورش کر دی، جس میں ہامان مارا گیا۔ محمد بن فضل خلافت اسلامیہ کی جانب سے سندھ کا آخری گورنر ہوا ہے اس کے بعد خلافت اسلامیہ کو اپنے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ سندھ کے ماتحت حکمرانوں کی جانب توجہ کر سکتی۔ چنانچہ 227ھ مطابق 843ء میں خلیفہ معتصم کے انتقال کے بعد سے خلافت عباسیہ میں بری طرح ابتری پھیل گئی اور سندھ میں جابجا بہت سی خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اور ان خودمختار حکمرانوں نے زرخراج ادا کرنا بھی بند کر دیا مگر ہر ایک کی کوشش یہ ضرور تھی کہ دربار خلافت سے اس کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں باقی رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی ہندو یا مسلم حکمراں اس کے لئے آمادہ نہ تھا کہ وہ گورنر کا ماتحت بن کر رہے۔ یعنی 227ھ مطابق 843ء میں سندھ میں مسلم گورنروں کا سلسلہ 135 سال کے بعد ختم ہو گیا۔ یوں تو 258ھ مطابق 873ء تک سندھ کے حکمراں دربار خلافت سے زبانی وفاداری کا اقرار کرتے رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں دربار خلافت کا اثر 227ھ مطابق 843ء میں ختم ہو گیا۔ اور اس ملک میں جابجا ہندو اور مسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں جن میں سے ملتان اور منصورہ کی دو بڑی اسلامی ریاستوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان دونوں اسلامی ریاستوں نے سندھ کے خودمختار ہندو راجاؤں سے بھی نہایت خوشگوار دوستانہ تعلقات قائم کر لئے تھے۔ اور یہ سب کے سب اپنی خودمختاری کے معاملہ میں بالکل متحد تھے۔

خلفائے عباسیہ کے ہندو راجاؤں سے تعلقات :

خلفائے بنی امیہ نے سندھ میں تقریباً 42 سال حکومت کی اور ان کے بعد خلفائے عباسیہ تقریباً 93 سال سندھ میں حکمرانی کرتے رہے۔ خلفائے بنوامیہ اور بنی عباس کے اس طویل دور حکومت میں ایک بھی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جس میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کا رنگ جھلکتا ہو۔ تقریباً تمام اسلامی گورنروں نے انتہائی رواداری کے ساتھ حکومت کی ان کے دور حکومت میں ہندوؤں اور بدھوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہی۔ یہاں تک کہ خلافت اسلامیہ سرکاری روپیہ اور اپنے اہتمام سے مندروں کی تعمیر کا انتظام کرتی رہی۔ خلفائے بنوامیہ اور بنوعباس کے دور حکومت میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہندو راجاؤں کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہوگیا۔ لیکن ان ہندو راجاؤں نے بھی اقتدار حاصل ہونے کے بعد اپنی ریاستوں کے مسلمانوں سے مذہبی تعصب کی بناء پر کبھی بھی کوئی ناروا سلوک نہیں کیا۔ غرضیکہ اس طویل زمانہ میں ملک سندھ کے ہندوؤں، مسلمانوں اور بدھوں کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار رہے ہیں۔ اس زمانہ کے ہندو اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ ہندو علماء بغداد تک پہنچ چکے تھے اور مسلم علماء ہندو راجاؤں کے درباروں کی رونق بنے ہوئے تھے۔ خلیفہ بغداد ہارون الرشید جس کے تعلقات قنوج کے راجہ سے دوستانہ تھے اس کو خلیفہ نے ملک الہند کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب خلیفہ ہارون الرشید زیادہ بیمار ہوا تو اس نے سندھ کے گورنر کی معرفت قنوج کے راجہ کے طبیب خاص مانک چند کو بلوا بھیجا جو زمانہ دراز تک بغداد میں رہ کر خلیفہ کا علاج کرتا رہا۔ ان واقعات سے یہ چیز صاف طور پر عیاں ہے کہ اس زمانہ میں عوام کے علاوہ ہندو اور مسلم حکمرانوں کے تعلقات بھی کس قدر خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ آپس کی اس رواداری کو دیکھتے ہوئے متعصب مورخین کا یہ کہنا کہ مسلمانوں نے سندھ میں اسلامی حکومت قائم کر کے لاکھوں ہندوؤں اور بدھوں کو بالجبر مسلمان کیا اور مندروں کو توڑا۔ خود ہی غور فرمالیجئے کہ کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اسلام کو سب سے زیادہ فروغ اس لئے حاصل ہوا کہ ایک طرف تو خلفائے اسلام اور ان کے گورنروں نے ماتحت ہندو حکمرانوں اور ہندو عوام کے ساتھ انتہائی رواداری کا ثبوت دیا دوسری طرف سندھ کے باشندے اسلام کی خوبیاں دیکھ کر بخوشی اسلام میں داخل ہوتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ بقول متعصب ہندو مورخین کے اگر مسلمانوں نے بزور شمشیر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کیا ہوتا تو کیا 135 سال کے طویل عرصہ تک ہندوؤں اور مسلمانوں اور بدھوں کے تعلقات ایسے ہی خوشگوار اور دوستانہ رہ سکتے تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے نہ اس ملک کے مندروں کو ڈھایا اور نہ اس ملک کے رہنے والوں کو خوف یا لالچ کے ذریعہ مسلمان بنانا چاہا۔ اب رہیں وہ لڑائیاں جو اس ملک کے ہندو اور مسلم حکمرانوں میں ہوئیں۔ وہ ایسے اسباب کی وجہ سے ہوئیں جن کی بناء پر ہندو، ہندوؤں اور مسلمان مسلمانوں سے لڑ سکتے تھے۔ اور لڑتے رہتے تھے۔ غرضیکہ ان لڑائیوں کا سبب مذہبی تعصب یا اختلاف ہرگز نہیں تھا بلکہ یہ لڑائیاں محض ملک گیری کے جذبہ کے ماتحت لڑی گئیں۔

سندھ خلافت اسلامیہ سے علیحدہ ہونے کے بعد :

یہ بتایا جا چکا ہے کہ 227ھ مطابق 843ء کے بعد ملک سندھ متعدد خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور دربار خلافت کا اثر و اقتدار ان ریاستوں پر سے ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی سندھ کے خود مختار امراء 258ھ مطابق 873ء تک دربار خلافت کے ساتھ اپنی زبانی وفاداری کا محض اس لئے اقرار کرتے رہے چونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اندرونی جھگڑوں سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ پھر سندھ پر حملہ کر دے۔ اور ان کو اس خود مختاری کا مزا چکھنا پڑے۔ لیکن 248ھ مطابق 873ء کے بعد جب سندھ کے خود مختار ہندو اور مسلم حکمرانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اب خلافت اسلامیہ ان کا کچھ نہیں بنا سکتی تو پھر انہوں نے زبانی وفاداری کو بھی ترک کر دیا۔

سندھ کی خود مختار ریاستوں میں ملتان اور منصورہ کی اسلامی ریاستوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان دو اسلامی ریاستوں کے علاوہ اور بھی کئی ہندو اور مسلم خود مختار ریاستیں سندھ میں قائم تھیں۔ ان ریاستوں کے حکمران یا تو محمد بن قاسم کے سرداروں کی اولاد میں سے تھے۔ یا ان ہندوؤں کی اولاد میں سے تھے جن کو محمد بن قاسم اور سندھ کے دوسرے مسلم گورنروں نے اہم عہدے عطا کئے تھے۔ ملتان کی ریاست ایک بہت بڑی ریاست تھی جس میں بڑے شہروں کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ گاؤں تھے، اور ریاست منصورہ اس سے بھی بڑی تھی اس میں کئی بڑے بڑے شہر اور تقریباً تین لاکھ گاؤں تھے۔

سندھ سے مسلم حکومت کا خاتمہ :

ملتان اور منصورہ کی خود مختار ریاستوں پر ڈیڑھ سو برس تک مسلمان حکمران رہے لیکن فتنہ پرداز قرامطہ کی ایک جماعت نے مکران کے راستہ داخل ہو کر اور بلوچوں کو اپنے ساتھ ملا کر ریاست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منصورہ پر یورش شروع کر دی۔ اور اس کے ساتھ ہی ملتان کی مسلم ریاست کے حکمران نے بھی مخالفین سے سازش کر کے منصورہ پر حملہ کر دیا۔ امیر ملتان کا اس سازش میں شریک ہونا تھا کہ سندھ کی دوسری تمام ہندو ریاستیں بھی منصورہ کے خلاف آمادۂ پیکار ہو گئیں اور اس طرح سندھ کی یہ سب سے بڑی مسلم ریاست مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت برباد ہو گئی۔ منصورہ کا برباد ہونا تھا کہ سندھ میں اسلامی رعب اور طاقت کا زوال شروع ہو گیا اور منصورہ کا بیشتر حصہ ہندو ریاستوں کا جزو بن گیا۔

مسلم ریاست منصورہ کی تباہی کے بعد جب سندھ کی دوسری بڑی ریاست ملتان کے خلاف بھی سازشیں شروع ہوئیں تو ملتان کے مسلم حکمران کو پتہ چلا کہ اس نے منصورہ کی ریاست کی تباہی میں حصہ لے کر کسی طرح خود اپنی موت کو دعوت دی ہے چنانچہ پنجاب کے راجہ جے پال اور سندھ کی ہندو ریاست بھاتنہ کے راجہ کی سازش سے 385ھ مطابق 995ء میں سرحدی قبائل کے سردار حمید خاں لودی کو آگے بڑھا کر اس کے ذریعہ ملتان پر حملہ کرا دیا گیا۔ سردار حمید خاں لودی کو فوجی اور مالی امداد ان ہی راجاؤں نے دی تھی۔ اس حملہ میں سندھ کی یہ دوسری مسلم ریاست بھی ختم ہو گئی اور اب ملتان پر راجہ جے پال کے پٹھو حمید خاں لودھی کا قبضہ ہو گیا۔ حمید خاں لودی بظاہر تو مسلمان تھا لیکن حقیقت میں اس کا بے دینوں کی جماعت قرامطہ سے تعلق تھا اور اسی لئے راجہ جے پال کو اس کے ساتھ ہمدردی تھی۔ قرامطہ ایک نام نہاد مذہب تھا جس کا مقصد اسلام کو دنیا سے مٹانا تھا۔ اس مذہب کے پیرو اپنے آپ کو ظاہر تو مسلمان ہی کرتے تھے۔ لیکن نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل نہ تھے اور ان کے ہاں حرام و حلال کی کوئی تمیز نہ تھی۔ درحقیقت یہ لامذہبوں اور عیاشوں کی ایک جماعت تھی جو اپنے آپ کو اسلام کی ایک شاخ بتاتی تھی حالانکہ اسلام سے اس جماعت کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ جماعت ایران میں پیدا ہوئی اور مشرق کے اکثر حصوں میں پھیل کر سندھ میں بھی اس کے اثرات پہنچ گئے۔ چنانچہ اسی جماعت قرامطہ کی سازشوں سے سندھ کی سب سے بڑی دونوں مسلم ریاستیں برباد ہو گئیں اور اس طرح سندھ سے 385ھ مطابق 995ء میں اس مسلم حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس کی بنیاد 93ھ مطابق 712ء میں محمد بن قاسم نے رکھی تھی۔

سندھ پر عربوں کی آمد کے اثرات :

92ھ مطابق 712ء میں جبکہ عربوں نے فاتحانہ حیثیت سے سندھ کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس زمانہ میں چند نومسلموں کو چھوڑ کر سندھ کے تقریباً تمام باشندے بت پرست تھے۔ ذات باری تعالیٰ کا تصور بالکل مفقود تھا۔ ملک میں بت پرستی کے ساتھ ساتھ توہم پرستی بری طرح پھیلی ہوئی تھی۔ جادوگروں اور شگون بتانے والوں کی بڑی گرم بازاری تھی۔ مجرموں کے لئے سزاؤں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیار بھی اخلاقی اعتبار سے نہایت پست تھا۔ یعنی مجرموں کو زندہ آگ میں جلا دینا کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ مسلمان جب سندھ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں کے اصل باشندوں کے نہ تو مذہب میں کوئی مداخلت کی اور نہ معاشرتی معاملات پر کسی قسم کی پابندی عائد کی۔ اور نہ تبدیلی مذہب کے لئے ان کو مجبور کیا لیکن عربوں نے سندھ میں آنے کے بعد عدل و انصاف اور رواداری کا جو اچھا نمونہ پیش کیا اس سے ملک کے باشندوں کا متاثر ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ عربوں کی آمد کے بعد سے رفتہ رفتہ سندھ کے باشندوں کے اخلاق، تمدن اور معاشرت میں تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں اور سندھیوں اور عربوں میں اس قدر یگانگت، محبت اور اتحاد پیدا ہو گیا کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا سچا دوست اور ساتھی سمجھنے لگے۔ اکثر و بیشتر سندھیوں نے بت پرستی ترک کرنے کے بعد مذہب اسلام بخوشی قبول کر لیا اور آپس میں رشتہ اور بیاہ کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ عربوں نے یہاں کی سندھی زبان سیکھی اور سندھیوں نے عربی زبان حاصل کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھی زبان میں عربی الفاظ کثرت سے داخل ہو گئے۔ سندھیوں کے لباس میں بھی نمایاں تبدیلی ہو گئی اور یہاں ایسا لباس پہنا جانے لگا جس کو کہ عرب اور ہند کے مشترکہ تمدن کا مجموعہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ غرضیکہ عربوں کی آمد کا سندھیوں کی زبان، تمدن، معاشرت، لباس اور خورد و نوش پر بے حد اثر پڑا اور یہ اثرات آج تک سندھی تہذیب میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

سلطان محمود غزنوی کی حکومت

374ھ مطابق 984ء تا 582ھ مطابق 1185ء

اس سے قبل ہم یہ بتا چکے ہیں کہ 93ھ یا 712ء میں کن اسباب کی بنا پر عربوں نے سندھ پر حملہ کر کے یہاں ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ نیز ہم اس چیز پر بھی روشنی ڈال چکے ہیں کہ سندھ کی یہ حکومت کس طرح ابتدا میں خلفائے اسلام کے ماتحت رہی۔ لیکن آخر میں جب خلافت اسلامیہ کی گرفت کمزور پڑگئی تو سندھ کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف خود مختار چھوٹی چھوٹی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں میں تبدیل ہوگئی۔ سندھ میں مسلم حکومت کے زوال کے بعد خلفائے اسلام نے پھر کبھی سندھ یا ہندوستان کی جانب توجہ نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلافت اسلامیہ کا مرکز کمزور ہو چکا تھا اور وہ اسلامی حکومتیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں خلافت اسلامیہ کے ماتحت حکمرانی کر رہی تھیں۔ تقریباً سب کی سب خود مختار ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں خلافت اسلامیہ کی کمزور مرکزی حکومت کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ پھر ایک بار ہزاروں میل دور دراز مقام پر یورش کرنے کی ہمت کر سکتی جبکہ وہ خود اپنے ہی گھر میں سراسیمہ اور پریشان تھی۔

عربوں کے بعد جن لوگوں نے سب سے پہلے ہندوستان کی جانب رخ کیا وہ ترک نسل کے افغانی تھے اور ان افغانی حملہ آوروں میں سب سے پہلا حملہ آور ناصر الدین سبکتگین یعنی محمود غزنوی کا باپ تھا۔ ناصر الدین سبکتگین کے بعد اس کے بیٹے محمود غزنوی نے ہندوستان پر بھی متعدد حملے کئے ہیں لیکن ان حملوں میں ہم صرف ان چند خاص خاص اور تاریخی حملوں کا ذکر کریں گے جن کا کہ ہندوستان کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ ناصر الدین سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود غزنوی قرامطہ کی اس لامذہب اور انقلابی جماعت کے شدید دشمن تھے جس نے کہ مصر اور عرب سے لے کر ہندوستان تک ایک ہلچل برپا کر رکھی تھی۔ یہ وہی قرامطہ تھے جنہوں نے کہ سندھ میں مسلم حکومت کا چراغ گل کیا۔ مرکز میں خلافت اسلامیہ کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ اور اسلامی حکومتوں میں بے اندازہ خونریزیاں کرائیں۔ اسی لئے محمود غزنوی کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ جماعت سندھ کے بعد افغانستان کی جانب بڑھی تو پھر افغانستان کی بھی خیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔غرضیکہ سبکتگین اور محمود غزنوی دونوں اس لامذہب اور انقلابی جماعت کے شدید دشمن تھے۔ چنانچہ محمود غزنوی کو ہندوستان اور دوسرے علاقوں میں ان قرامطہ کی سرکوبی کے لئے اکثر حملے کرنے پڑے ہیں۔ناصر الدین سبکتگین اور محمود غزنوی کے حملوں کی تفصیلات بیان کرنے سے قبل ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ افغانستان اور وہاں کی قدیم حکمراں طاقتوں پر بھی ہلکی سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو محمود غزنوی اور امیر سبکتگین کے پیشرو حکمرانوں کے حالات سے بھی کسی نہ کسی حد تک واقفیت ہو جائے۔

افغانستان خلافت اسلامیہ کا ایک صوبہ :

افغانستان میں جو ہزار ہا سال سے بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔اس پر سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حملہ کیا گیا اور اس حملہ میں فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔لیکن پھر بھی افغانستان میں عربوں کی باقاعدہ حکومت قائم نہ ہو سکی۔خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کے دور حکومت میں مشرقی ممالک کے وائسرائے حجاج بن یوسف نے بھی کئی بار اپنے نائبین کے ذریعہ افغانستان پر کامل فتح حاصل کرنا چاہی مگر وہ بھی ناکام رہا۔اسی طرح خلفائے بنو عباس کے دور حکومت میں افغانستان کو خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں لانے کی کوششیں کی گئیں مگر کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔اس تمام زمانہ میں افغانستان کی حالت یہ رہی کہ اول تو فاتحین اسلام کو اس کے فتح کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں اور اگر فتح نصیب ہو بھی جاتی تھی تو وہاں کی بغاوتیں اس ساری فتح کو خاک میں ملا دیتی تھیں۔نویں صدی عیسوی میں یعقوب بن لیث نے کابل کو فتح کر کے تمام افغانستان اور روسی ترکستان کو زیر کیا۔اس کے بعد افغانستان اور روسی ترکستان کے بیشتر باشندوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن کچھ مدت کے بعد جب خلفائے اسلام کی مرکزی حکومت کمزور ہو گئی تو سندھ کی طرح افغانستان اور روسی ترکستان میں بھی متعدد خود مختار مسلم حکومتیں قائم ہو گئیں جنہوں نے مرکز سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔

سامانی سردار الپتگین کی خود مختاری :

ان ہی خود مختار حکومتوں میں ممتاز ترین حکومت سامانی خاندان کی تھی جس کا دار السلطنت بخارا تھا جس پر اس خاندان کا پانچواں بادشاہ عبدالملک بن نوح حکومت کر رہا تھا۔اس بادشاہ کا ایک ترکی غلام الپتگین تھا جو ترقی کرتے کرتے خراسان کا گورنر بن گیا تھا۔لیکن عبدالملک بن نوح کی موت کے بعد جب اس کا بھائی منصور بن نوح تخت پر بیٹھا تو الپتگین اس خوف سے غزنی بھاگ گیا کیونکہ اس نے منصور کی تخت نشینی کی مخالفت کی تھی۔غزنی پہنچنے کے بعد الپتگین نے غزنی کے حاکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر کو مار بھگایا اور اپنی خودمختاری کا اعلان کرنے کے بعد غزنی اور کابل میں اپنی ایک نئی حکومت قائم کردی۔ غرضیکہ یہ علاقہ سامانی حکومت سے نکل گیا اور منصور بن نوح الپتگین کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ 353ھ میں جب الپتگین مرگیا تو اس کا بیٹا اسحٰق تخت پر بیٹھا جو تخت نشینی کے فوراً بعد ہی فوت ہوگیا۔ اسحٰق کی موت کے بعد پے در پے الپتگین کے دو غلام تخت پر بیٹھے اور دس بارہ سال تک حکومت کرتے رہے۔ ان دونوں غلاموں کے بعد الپتگین کا تیسرا غلام سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا اور بڑی شہرت حاصل کی۔

امیر ناصرالدین سبکتگین کا عہد حکومت:

امیر ناصرالدین کون تھا؟ اور کہاں سے آیا تھا؟ اس کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ ایک ترکی امیر کا لڑکا تھا جسے بردہ فروش اٹھالائے تھے۔ بعض اس کو ایرانی امیروں کی نسل سے بتاتے ہیں لیکن اس چیز پر سب مورخوں کا اتفاق ہے کہ اسے بردہ فروشوں نے بخارا میں لاکر الپتگین کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ سبکتگین نے الپتگین کے مزاج میں بہت جلد دخل حاصل کرلیا اور برابر ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ الپتگین نے اس کو امیر الامرا کا خطاب عنایت کیا اور اپنی لڑکی کی بھی اس کے ساتھ شادی کردی۔ اس موقع پر یہ نہیں فراموش کرنا چاہئے کہ اس زمانہ میں مسلم غلاموں کا درجہ اولاد کے بعد ہوتا تھا اور اکثر اوقات غلاموں کو اولاد کی برابر حیثیت حاصل ہوجاتی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عبدالملک بن نوح کے غلام الپتگین کو بلند ترین درجہ حاصل ہوا۔ الپتگین کے مرنے کے بعد جہاں اس کا بیٹا اسحٰق تخت پر بیٹھا وہاں دو غلاموں کو بھی تخت نشینی کی عزت بخشی گئی۔ اور ان دونوں غلاموں کے بعد سبکتگین 367ھ مطابق 997ء میں تخت پر بیٹھا جو الپتگین کا منہ چڑھا غلام بھی تھا اور داماد بھی۔ سبکتگین نے غزنی کے تخت پر طاقت کے بل پر قبضہ نہیں جمایا تھا بلکہ غزنی کی حکومت اس کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ یعنی غزنی کے امرا اور حکام نے اس کو ذمہ داری کا اہل قرار دیتے ہوئے یہ عہدہ پیش کیا تھا جسے اس نے بخوشی قبول کرلیا تھا امیر سبکتگین ایک حوصلہ مند سردار تھا۔ اس لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ غزنی کی چھوٹی سی حکومت پر قناعت کرسکے۔ چنانچہ اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اپنے گرد افغانی سپاہیوں کی ایک بڑی طاقت فراہم کرلی اور اس کے بعد سبکتگین نے بست، قصدار، لمغان اور سیستان کو بھی حکومت غزنی میں شامل کرلیا۔ ابھی اس کو اپنی حکومت کو مضبوط بنانے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ سامانی حکومت کے بادشاہ نوح بن منصور کی حکومت پر خود اس کے عاملوں نے علم بغاوت بلند کرکے حملہ کردیا۔ اب نوح بن منصور کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ تمام پرانی مخالفتوں کو نظر انداز کرکے سبکتگین سے جس کی طاقت بے حد بڑھی ہوئی تھی امداد طلب کرے۔ غرضیکہ اس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبکتگین کو ہرات اور نیشا پور کے باغی عاملوں کے مقابلہ میں امداد دینے کے لئے لکھا۔ سبکتگین ایک بڑی فوج لے کر بخارا کی طرف بڑھا اور باغی عاملوں کو مار بھگایا۔ اس معرکہ میں امیر سبکتگین کا بیٹا محمود غزنوی بھی اس کے ساتھ تھا۔ فتح کے بعد نوح بن منصور نے سبکتگین کو "ناصر الدین" اور اس کے بیٹے محمود کو "سیف الدولہ" کا خطاب دیا اور غزنی کی سند حکومت کے علاوہ خراسان کا وہ تمام ملک بھی ناصر الدین سبکتگین کے سپرد کر دیا جس پر کہ نیشا پور کے باغی عامل نے قبضہ جما لیا تھا۔
سبکتگین اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد چاہتا تھا کہ اپنی نئی حکومت کی بنیادی مضبوط کرے کہ یکایک اسے اطلاع ملی کہ ترکستان کے حکمراں ایلک خاں نے نوح بن منصور کے خلاف بخارا پر چڑھائی کر دی ہے۔ سبکتگین ایک جرار فوج لے کر بخارا دوڑا۔ اس کے پہنچتے ہی دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی۔ لیکن ابھی یہ بخارا ہی میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ بعض باغیوں اور دیلمیوں کے لشکر نے محمود کو نیشا پور میں تنہا پا کر چڑھائی کر دی ہے۔ اس اطلاع کے پانے کے ساتھ ہی وہ بیٹے کی امداد کے لئے تیزی کے ساتھ پلٹا۔ اور طوس کے میدان میں دونوں باپ بیٹوں نے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ان کی طاقت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

(۲) راجہ جے پال کا غزنی پر پہلا حملہ :

جس زمانہ میں کہ امیر سبکتگین کو افغانستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں فتوحات حاصل ہو رہی تھیں اسی زمانہ میں پنجاب میں راجہ جے پال کی حکومت خوب ترقی کر رہی تھی۔ یہ مشرق کی طاقتور ترین حکومت شمار کی جاتی تھی۔ راجہ جے پال کی حکومت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مشرق میں سرہند تک اور شمال و مغرب میں لمغان تک یعنی پشاور اور غزنی کے درمیانی علاقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمال میں کشمیر بھی اس حکومت میں شامل تھا۔ اور جنوب میں یہ حکومت ملتان تک چلی گئی تھی۔ اس حکومت کا دارالسلطنت بھٹنڈہ تھا اور اس کو نہ صرف ہندوستان کی بلکہ مشرق کی مضبوط ترین حکومت سمجھا جاتا تھا۔

راجہ جے پال اور امیر سبکتگین کی حکومتوں کی سرحدیں کیونکہ ملتی تھیں اس لئے ان دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف خوف اور اندیشوں کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ راجہ جے پال امیر سبکتگین کی فتوحات اور بڑھتی ہوئی طاقت کا بڑی غور اور تشویش کے ساتھ مطالعہ کر رہا تھا اور اس کو یہ فکر تھی کہ سبکتگین اور اس کی طاقت کا وہ سیلاب جو افغانستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بڑھتا چلا جا رہا ہے کہیں ہندوستان کی جانب رخ نہ کر لے۔ لہٰذا جے پال نے اس اندیشہ کے پیش نظر یہ طے کیا کہ قبل اس کے کہ سبکتگین ہندوستان آئے کیوں نہ اس کے گھر میں گھس کر پہلے ہی سے اس کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ اور ایسی حالت میں جبکہ سبکتگین اور راجہ کے سرحدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقوں پر راجہ اور امیر سبکتگین کے سپاہیوں میں چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہو رہی تھیں تو راجہ کو سبکتگین کے خلاف معرکہ آرائی کرنے کا ایک جواز بھی ہاتھ آ گیا تھا۔ چنانچہ راجہ جے پال جو ہر وقت سبکتگین کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ سبکتگین بخارا کی جنگ میں الجھا ہوا ہے اور سبکتگین کے بیٹے محمود کو نیشاپور میں باغیوں اور دیلمیوں نے گھیر رکھا ہے تو اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک بہت بڑے لشکر جرار کے ساتھ 374ھ مطابق 984ء میں غزنی پر چڑھائی کردی۔ اس لشکر جرار میں بے اندازہ پیدل، سوار اور ہاتھی تھے۔ اور یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس کے ذریعہ بڑی سے بڑی حکومت کو تہہ وبالا کیا جا سکتا تھا۔

امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود ابھی طوس کے میدان میں باغیوں اور دیلمیوں سے لڑ رہے تھے کہ راجہ جے پال کا لشکر لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمرود ہوتا ہوا سلطنت غزنی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ سبکتگین کو جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن اس کے گھر میں گھس چکا ہے تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ فوراً طوس کے میدان میں اپنے دشمنوں کو شکست دینے کے بعد اپنے اہل وعیال اور دارالسلطنت کو بچانے کے لئے غزنی بھاگا۔ چنانچہ لمغان کے میدان میں راجہ جے پال اور امیر سبکتگین کے لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ امیر سبکتگین اگرچہ ایک آزمودہ کار جرنیل تھا لیکن اس کا مقابل بھی اپنے زمانہ کا لائق ترین سپہ سالار تھا۔ اس کے علاوہ امیر سبکتگین کی فوج راجہ کی فوج کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم تھی۔ اس لئے امیر کو اس جنگ میں شدید مقابلہ کرنا پڑا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آندھی، طوفان اور برفباری سے اگر راجہ کے سپاہی اور ہاتھی گھوڑے اکڑ کر مر نہ گئے ہوتے تو شاید سبکتگین کا راجہ پر فتحیاب ہونا آسان نہ تھا۔ امیر سبکتگین کے سپاہی چونکہ شدید برفباری کے عادی تھے اس لئے ان پر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن راجہ کی ساری کی ساری فوج اس برفباری کی وجہ سے یا تو ناکارہ ہو گئی یا ختم ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کو عالم مجبوری میں سبکتگین سے جان بخشی کی درخواست کرنی پڑی۔ چنانچہ راجہ نے امیر سبکتگین کے پاس پیغام بھجوایا کہ وہ اس چیز کو محسوس کرتا ہے کہ اس نے غزنی پر حملہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ جس کے لئے وہ معافی کا خواستگار ہے۔ نیز راجہ نے وعدہ کیا کہ اگر اسے اس مرتبہ معاف کر دیا گیا تو وہ ہمیشہ وفادار رہے گا۔ اس کے علاوہ راجہ نے وعدہ کیا کہ اگر اس کا قصور معاف کر دیا جائے تو وہ بے اندازہ زر وجواہر، دس لاکھ درہم نقد، پچاس ہاتھی، کئی شہر اور سرحدی قلعے بطور تاوان جنگ پیش کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ راجہ نے یہ بھی یقین دلایا کہ یہ سب چیزیں پنجاب پہنچتے ہی ان معتمدوں کے حوالے کر دی جائیں گی جن کو وہ اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے تیار ہے۔ اور جب تک یہ شرائط پایہ تکمیل کو نہ پہنچیں گی راجہ کے آدمی بطور یرغمال امیر کے پاس رہیں گے۔

جب امیر سبکتگین کے سامنے راجہ جے پال کی یہ شرائط پیش کی گئیں تو امیر راجہ کو معافی دینے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے تیار ہو گیا لیکن محمود اور فوجی افسروں کی یہ رائے تھی کہ ایک خطرناک دشمن کے قابو میں آجانے کے بعد اسے چھوڑنا ہرگز دانشمندی نہیں۔ لیکن امیر سبکتگین راجہ کی لجاجت اور خوشامد سے متاثر ہو گیا اور اس نے راجہ کو معافی دیتے ہوئے اپنے معتمد راجہ کے ساتھ کر دیئے تا کہ راجہ دارالسلطنت پہنچتے ہی فوراً تاوان جنگ اور زر و جواہر معتموں کے حوالے کر دے۔ نیز راجہ کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ سرحدی قلعے اور شہر بھی ان ہی معتموں کی نگرانی میں دے دے۔ غرضیکہ راجہ جے پال بری طرح شکست کھا کر اور اس طرح رہائی حاصل کرنے کے بعد دارالسلطنت میں واپس آ گیا۔

راجہ جے پال کی بدعہدی:

راجہ جے پال نے بظاہر تو امیر سبکتگین سے وفاداری کا عہد کر لیا تھا لیکن درحقیقت یہ اس کا ایک فوجی چکمہ تھا تا کہ رہائی حاصل ہو جائے۔ اور رہائی کے بعد وہ امیر سبکتگین سے اپنی شکست کا بدلہ لے سکے۔ چنانچہ لاہور پہنچتے ہی اس نے امیر سبکتگین کے معتمدوں کو قید خانہ میں ڈال دیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حالانکہ خود جے پال کے درباری امراء اور سمجھدار مصاحب راجہ جے پال کی اس بدعہدی کے شدید مخالف تھے اور انہوں نے راجہ پر بے حد زور دیا کہ راجہ اس طرح بدعہدی کر کے ایک بڑے خطرہ کو دعوت نہ دے لیکن راجہ جو انتقام کے جذبے سے اندھا ہو رہا تھا اس نے کسی کی بات نہ سنی اور ہندوستان کے کونے کونے میں تمام راجاؤں کے نام خطوط روانہ کر دیئے جن میں لکھا گیا تھا کہ سبکتگین پنجاب پر حملہ کرنے کے بعد تمام ہندو حکومتوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس لئے تمام راجاؤں کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملے سے بچنے کے لئے جمع ہو جائیں۔ ورنہ سب سے پہلے پنجاب کی حکومت ختم ہو گی اس کے بعد ایک ایک کر کے ساری ہندو حکومتیں فنا ہو جائیں گی۔ راجہ نے یہ خطوط کچھ ایسے انداز میں لکھوائے تھے کہ دلی، اجمیر، قنوج، کالنجر اور گجرات کے راجہ اس ''دھارمک جنگ'' میں کود پڑے تا کہ سب متحد ہو کر ایک ایسے دشمن کو کچل ڈالیں جو ان کے دھن اور دھرم کو بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔ غرضیکہ تمام راجاؤں نے اس جنگ کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ اور اپنے بہترین لشکر راجہ جے پال کے حوالے کر دیئے۔ جب امیر سبکتگین کو راجہ کی اس بدعہدی کا علم ہوا تو شروع شروع میں تو اسے یقین نہ آیا لیکن جب امیر کے جاسوسوں نے اسے اصل حالات سے مطلع کیا تو امیر سبکتگین نے بھی راجہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، مگر راجہ کی فوجیں پہلے ہی روانہ ہو چکی تھیں۔

راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں دوسری جنگ: (۲)

امیر سبکتگین کو جب یہ اطلاع ملی کہ راجہ جے پال کا لشکر دریائے سندھ پار کرنے کے بعد غزنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جانب بڑھا چلا آرہا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کو لے کر غزنی سے باہر نکلا۔ ایک طرف راجہ اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا دوسری جانب امیر کی کوشش یہ تھی کہ وہ راجہ کو بدعہدی کا خوب مزہ چکھائے۔ دونوں لشکروں کا پہلے کی طرح لمغان کے میدان میں 376ھ مطابق 986ء میں مقابلہ ہوا۔ راجہ کا لشکر بے پناہ تھا جس میں تین لاکھ پیادے اور سوار تھے اور بہت سے جنگی ہاتھی بھی تھے۔ اس کے برخلاف سبکتگین کی فوج ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ سبکتگین راجہ کے لشکر کی کثرت دیکھ کر شروع شروع میں تو گھبرایا۔ لیکن اس کے بعد اس نے اچانک راجہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ ابتدا میں تو راجہ کی فوج مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی لیکن بعد میں راجہ کی فوج میں کمزوری پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے راجہ جے پال کو شکست کھانے کے بعد میدان سے بھاگنا پڑا۔

سبکتگین نے دریائے سندھ کے کنارے تک راجہ جے پال اور اس کی فوج کا تعاقب کیا۔ جب راجہ لشکر لے کر فرار ہوگیا تو سبکتگین نے پشاور کو اپنی فوجی چھاؤنی قرار دینے کے بعد یہاں دس ہزار فوج متعین کر دی۔ تاکہ یہ فوج سرحدی علاقہ کی حفاظت کرتی رہی۔ اس جنگ میں راجہ جے پال اس قدر سامان چھوڑ کر بھاگا کہ سبکتگین کے نہ صرف تمام مصارف جنگ پورے ہوگئے بلکہ اس کے سابقہ نقصانات کی بھی بڑی حد تک تلافی ہوگئی۔ راجہ جے پال کی یہ دوسری شکست صرف راجہ جے پال کی شکست نہیں تھی بلکہ تمام ہندوستانی راجاؤں کی شکست تھی جسے بہت بری طرح محسوس کیا گیا۔ اور اب متفقہ طور پر غزنی کی حکومت کو ملک کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھا جانے لگا۔ اور اس خطرہ کے خلاف نہایت ہی وسیع پیمانہ پر درپردہ تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس سے قبل تو یہ معاملہ صرف راجاؤں اور سپاہیوں تک محدود تھا لیکن اب یہ عوام کا خود اپنا قومی اور وطنی مسئلہ بن گیا۔ اور عوام غزنی کی حکومت کو نیچا دکھانے کے لئے بڑے سے بڑے ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہوگئے۔

عام خیال یہ تھا کہ سبکتگین خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں پر ضرور جوابی حملہ کرے گا۔ لیکن سبکتگین کی ذاتی الجھنیں اس قدر تھیں کہ وہ بمشکل تمام غزنی سے نکل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ جے پال سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی سبکتگین کو سامانی حکومت کے جھگڑوں کو سلجھانے کے لئے جانا پڑ گیا۔ اور ابھی یہ غزنی میں واپس بھی نہیں پہنچا تھا کہ بلخ کے قریب 387ھ مطابق 997ء میں بعمر 56 سال فوت ہوگیا۔ اس کے جنازہ کو غزنی لایا گیا جہاں وہ مدفون ہوا۔

امیر ناصر الدین سبکتگین نے تیس سال کے قریب حکومت کی۔ وہ ایک طرف بینظیر سپہ سالار تھا تو دوسری جانب اعلیٰ درجہ کا منتظم بھی تھا۔ اس کی فیاضی اور انصاف کی دور دور شہرت تھی۔ چنانچہ اس کی موت پر غزنی کی ساری حکومت میں انتہائی رنج اور غم کا اظہار کیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی :

امیر سبکتگین کا جب انتقال ہوا تو محمود غزنوی دور دراز فاصلہ پر نیشاپور میں تھا لیکن سبکتگین کا چھوٹا بیٹا امیر اسمٰعیل اس کے پاس تھا لہٰذا وہی جانشین قرار دیا گیا۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ امیر سبکتگین نے اپنے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل کے حق میں جو کہ الپتگین کی بیٹی سے پیدا ہوا تھا وصیت کی تھی کہ میرے بعد اسی کو تخت پر بٹھایا جائے چنانچہ سبکتگین کے مرنے کے بعد وہی تخت پر بیٹھا۔ لیکن بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ امیر اسمٰعیل کے حق میں کوئی وصیت نہیں تھی بلکہ وہ میدان خالی پا کر خود ہی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ جب محمود کو چھوٹے بھائی کی اس جسارت کا علم ہوا تو اس نے ایک خط کے ذریعہ بھائی کو متنبہ کیا کہ تم کم عمری کے باعث فرائض جہاں بانی سے ناواقف ہو۔ اگر تم کو جہانبانی کا تجربہ ہوتا تو سب سے پہلے میں تمہاری حمایت کرتا لیکن چونکہ تم ناتجربہ کار ہو اس لئے تم کو چاہئے کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ اگر باپ نے تم کو جانشین بھی کر دیا تھا تو اس میں مصلحت یہ تھی کہ تخت خالی نہ رہے اور کوئی غیر قبضہ نہ جمالے۔ لہٰذا عقل وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ سلطنت میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارے لئے اتنا کر سکتا ہوں کہ بلخ اور خراساں تمہارے حوالے کر دوں۔ محمود غزنوی کو توقع تھی کہ امیر اسمٰعیل اس مصالحانہ تجویز پر آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن امیر اسمٰعیل نے حکومت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر دونوں بھائیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں امیر اسمٰعیل کو شکست ہوئی اور محمود غزنوی 388ھ مطابق 998ء میں تخت نشین ہو گیا۔ لیکن تخت نشین ہونے کے بعد بھی اس نے اپنے مخالف بھائی کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت کا سلوک کیا مگر چند روز کے بعد جب سلطان محمود غزنوی کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل اس کے قتل کی سازش کر رہا ہے تو سلطان نے ایک قلعہ میں بھائی کو نظر بند کر کے اس کے آرام وآسائش کا جملہ سامان فراہم کر دیا۔

محمود غزنوی تخت سنبھالتے ہی اپنے ملک کے اندرونی جھگڑوں میں الجھ گیا۔ سب سے پہلے محمود کو خراسان کے امیر الامراء بکتوزن کے خلاف جنگ آزمائی کرنی پڑی۔ چونکہ اس غدار امیر نے خراسان پر قابض ہو کر نہ صرف محمود غزنوی کا حق دبالیا تھا بلکہ اپنے آقائے ولی نعمت منصور سامانی کو قتل کر کے اور ایک نوعمر لڑکے عبدالملک سامانی کو بخارا کے تخت پر بٹھا کر خود مدار المہام بن بیٹھا تھا۔ محمود غزنوی کے حملہ کی تاب نہ لا کر بکتوزن تو شکست کھانے کے بعد فرار ہو گیا لیکن ترکستان کے بادشاہ ایلک خان نے اچانک بخارا پر حملہ کر کے سامانی خاندان کے آخری نوعمر بادشاہ عبدالملک سامانی کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح سامانی خاندان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ بکتوزن کے فرار ہونے کے بعد محمود غزنوی نے خراسان پر قابض ہو کر ہرات اور بلخ وغیرہ کا انتظام کیا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد محمود سیستان کے بادشاہ خلف بن احمد کی سرکوبی کے لئے سیستان آیا۔ رعایا اس بادشاہ سے نالاں تھی۔ خلف بن احمد نے بغیر لڑے خود کو محمود غزنوی کے حوالے کر دیا۔ اور اس طرح سیستان پر بھی محمود غزنوی کا قبضہ ہو گیا۔ محمود غزنوی نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ ایلک خاں والی ترکستان سے دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ ایلک خاں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے بعد سلطان محمود نے خلیفہ بغداد قادر باللہ عباسی کی خدمت میں درخواست بھیج کر اطاعت کا اقرار کیا اور خلیفہ سے سند حکومت کی استدعا کی۔ خلیفہ نے اس استدعا کو بخوشی منظور کرتے ہوئے نہ صرف سند اور خلعت عطا کی بلکہ محمود غزنوی کو امین الدولہ یمین الملت کا خطاب بھی عطا کر دیا۔ غرضیکہ ان تمام ملکی جھگڑوں میں سلطان محمود غزنوی کے تقریباً تین سال صرف ہو گئے اور اس دوران میں اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ اپنے پرانے اور آبائی دشمن راجہ جے پال کی طرف توجہ کر سکتا۔ محمود غزنوی افغانستان و خراسان کے علاوہ ترکستان، آذربائیجان، عراق، شام، حجاز اور ایشیائے کوچ پر اپنی حکومت و سطوت قائم کرنا چاہتا تھا اور خلیفہ کی امداد کا متمنی تھا۔ وہ شاید ہندوستان کی جانب ابھی توجہ بھی نہ کرتا لیکن حکومت غزنی کے خلاف راجہ جے پال کی تیاریوں کی اطلاع نے اسے چوکنا کر دیا اور اب اس کی وہ نظریں جو دوسرے ممالک کی جانب بار بار اٹھ رہی تھیں ہندوستان کی جانب یکا یک پلٹ گئیں اور اس نے بھی راجہ جے پال کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

(۹) راجہ جے پال کا غزنی پر تیسرا حملہ :

پنجاب کا راجہ جے پال جو محمود غزنوی کے باپ امیر سبکتگین کے مقابلہ پر دو مرتبہ شکست کی ذلت اٹھا چکا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو غزنی کی حکومت کو نیچا دکھانے کے بعد اپنی کھوئی ہوئی عزت دوبارہ حاصل کر لے۔ سبکتگین جیسے تجربہ کار جرنیل کے مرنے کے بعد راجہ جے پال کو یہ امید ہو گئی تھی کہ وہ نوعمر محمود غزنوی کو نیچا دکھا کر ضرور ابنائے وطن میں عزت حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ وہ 391ھ مطابق 1001ء میں بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی لے کر محمود غزنوی کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا اور اس نے سندھ کا دریا پار کر لیا۔ ادھر محمود غزنوی بھی پشاور کے گورنر کی اطلاع دینے پر غزنی سے پشاور کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ پشاور کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہو گئے اور دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ محمود غزنوی کے لشکر کی تعداد اگرچہ دس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن پھر بھی راجہ جے پال کی فوج اس کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ کی فوج پانچ ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر اور راجہ جے پال کو مع پندرہ سرداروں کے گرفتار کرا کے لاہور بھاگ گئی۔ محمود غزنوی اس فتح کے بعد راجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جے پال اور پندرہ ہندو سرداروں کو ساتھ لے کر غزنی چلا گیا۔ غزنی پہنچنے کے بعد راجہ جے پال نے نہایت ہی مؤثر الفاظ میں محمود غزنوی کو یقین دلایا کہ اگر اس مرتبہ اس کی غلطی کو اور نظر انداز کر دیا جائے تو وہ تمام عمر بلا عذر خراج بھیجتا رہے گا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھتے ہوئے محمود کی جانب سے حکومت کرے گا۔ چنانچہ محمود غزنوی نے پھر ایک مرتبہ راجہ پر اعتبار کرتے ہوئے اسے غزنی سے لاہور رخصت کر دیا۔ راجہ جے پال نے لاہور آنے کے بعد تاج و تخت تو اپنے بیٹے آنند پال کے سپرد کیا اور خود شکستوں کی پے در پے ندامت سے اس قدر متاثر ہوا کہ جلتی آگ میں کود کر اپنا خاتمہ کر لیا اور مرتے وقت بیٹے کو وصیت کی کہ وہ محمود کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے اور برابر سالانہ خراج بھیجتا رہے۔ راجہ جے پال کے اس طرح آگ میں کود کر جان دینے کے بارے میں مورخوں کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق جو راجہ تین مرتبہ اپنے کسی مخالف سے شکست کھا چکتا تھا تو اس کے لئے یہ ضروری ہو جاتا تھا کہ وہ خودکشی کر کے جان دے دے۔ بعض مورخوں کا یہ کہنا ہے کہ راجہ جے پال نے اپنی اس خودکشی کے ذریعہ سارے ملک میں حکومت غزنی کے خلاف انتہائی حقارت اور نفرت کی آگ بھڑکا دی تھی۔ اور یہی راجہ کا اصل مقصد تھا جو کسی طرح بھی راجہ کے اس طرح جان دیئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ راجہ کی اس موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے قومی شہید کا درجہ دے دیا گیا اور اس کی اس قربانی کے ذریعہ عوام کو حکومت غزنی کے خلاف بھڑکانے میں بڑی مدد ملی۔ اس کے علاوہ راجہ کے جانشین آنند پال سے پبلک کو قدرتی طور پر غیر معمولی ہمدردی پیدا ہو گئی۔ غرضیکہ راجہ جے پال نے اپنا بلیدان دے کر وہ کام کیا جو شاید وہ زندہ رہ کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

محمود کی حکومت کے خلاف قرامطہ کی سازشیں :

راجہ جے پال کی شکست اور آنند پال کے باجگزار بن جانے کے بعد محمود غزنوی ہندوستان کی جانب سے بڑی حد تک مطمئن ہو گیا اور اس نے تمام تر توجہ اپنی حکومت کے اندرونی معاملات کی درستی کے لئے وقف کر دی۔ سب سے پہلے وہ سیستان کی طرف گیا کیونکہ اس نو مفتوحہ ملک میں جماعت قرامطہ کے بعض شرارت پسندوں نے بغاوت کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔ محمود نے جاتے ہی قرامطہ کے قتل کے بعد بغاوت کو دبا دیا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد وہ تین سال تک غزنی میں مقیم رہ کر غزنی کی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرتا رہا لیکن اسی دوران میں محمود غزنوی کو انقلابی اور لامذہب قرامطہ کی ان سازشوں کی اطلاع ملتی رہی جو اس کی حکومت کے خلاف درپردہ ہندوستان کے شمال و مغربی علاقوں میں برابر جاری تھیں۔

قرامطہ اس زمانہ کی نہایت ہی خطرناک انقلابی جماعت تھی جو محض اس لئے ایران میں پیدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی تھی کہ وہ عربوں کے اقتدار کو اسلام کو ہمیشہ کے لئے دنیا سے ختم کر دے۔اس جماعت کا بانی عبداللہ بن میمون تھا۔ جو بظاہر تو یہ کہتا تھا کہ جماعت قرامطہ اسلام ہی کی ایک شاخ ہے لیکن حقیقت میں اس جماعت سے اسلام کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔بس اتنا تعلق تھا کہ جماعت قرامطہ کے مبلغین مسلمان بن کر لوگوں کو فریب دیتے پھرتے تھے۔دراصل یہ اس زمانہ کے کمیونسٹوں کی ایک لامذہب جماعت تھی۔جس کا عقیدہ یہ تھا کہ نیک اعمالی یا بداعمالی کی نہ کوئی جزا ہے نہ سزا ہے بس انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم ہو جاتی ہے۔نماز، روزہ، حج، زکوۃ، کلمہ یہ کسی چیز کے بھی قائل نہ تھے۔حرام اور حلال میں ان کے ہاں کوئی تمیز نہ تھی۔عشرت پسندی، خونریزی اور مادی فوائد کا حصول ان کا واحد مقصد تھا۔خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی تقدیس کے قائل تھے۔ان کی جماعت میں چونکہ جنسی بے عنوانی، شراب نوشی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کی آزادی تھی اس لئے رفتہ رفتہ لاکھوں نفس پرست اس جماعت میں شامل ہو گئے۔چنانچہ ان کا زور اس قدر بڑھا کہ خلیفہ بغداد بھی اس جماعت سے ڈرنے لگا۔اس جماعت نے 290ھ میں شام پر خوفناک حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا اور 311ھ میں بصرہ اور کوفہ کو لوٹا اور ابو طاہر کو اپنا پیشوا بنا کر 319ھ میں شہر مکہ کو لوٹ لینے کے بعد وہاں بری طرح قتل عام برپا کیا۔اس موقع پر یہ خانہ کعبہ سے سنگ اسود اٹھا کر لے گئے تھے جسے بیس برس تک بحرین میں اپنے قبضہ میں رکھا ان کی اجازت کے بغیر زمانہ دراز تک مسلمان حج تک نہیں کر سکتے تھے۔چنانچہ عباسیہ کا بیسواں خلیفہ الراضی ان کو سالانہ ایک بہت بڑی رقم محض اس لئے دیتا تھا کہ وہ حاجیوں کو حج کی ادائیگی سے نہ روکیں۔ان کے ہاتھوں خلفائے اسلام کی بڑی بڑی بے عزتیاں ہوئی تھیں۔ہلاکو اور منگو خاں نے جب اس فرقہ کے آدمیوں کا قتل عام کیا تو ان میں سے ایک بڑی تعداد بھاگ کر سندھ اور بلوچستان میں چلی آئی تھی۔سندھ اور بلوچستان میں آباد ہونے کے بعد بھی انہوں نے اپنی انقلابی تحریک کو بدستور جاری رکھا چنانچہ انہوں نے پنجاب کے راجہ جے پال اور سندھ کی ریاست بھاتنہ کے راجہ کے ساتھ سازش کر کے سندھ کی سب سے بڑی دو مسلم ریاستوں یعنی منصورہ اور ملتان کو ختم کر ڈالا تھا۔اور اس کے بعد سے یہ برابر سازشوں میں مصروف تھے۔چنانچہ اس مرتبہ انہوں نے اپنی سازشوں کا مرکز محمود غزنوی کو بنایا تھا جس سے کہ ہندو راجہ پہلے ہی خائف اور نالاں تھے۔قرامطہ کو امید تھی کہ وہ اگر سازش میں کامیاب ہو گئے تو غزنی اور ترکستان تک اپنی فتوحات کا پرچم لہرا سکیں گے۔لیکن محمود غزنوی بھی ان سے غافل نہ تھا۔اس کو برابر ان کی نقل و حرکت کی اطلاعات غزنی میں پہنچ رہی تھیں۔اور اس کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ قبل اس کے کہ یہ خطرناک جماعت غزنی یا اس کے مفصلات کی جانب رخ کرے اسے قطعی کچل دیا جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس جماعت کو ابتدا ہی میں نہ کچل دیا گیا تو وہ غزنی کے لئے اسی طرح مصیبت ثابت ہو سکتی ہے جس طرح کہ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت اسلامیہ کے لئے بغداد میں ایک وبال بنی رہی ہے۔

قرامطہ کے مرکز ریاست بھاتنہ پر محمود کا حملہ :

محمود غزنوی کو اچانک اطلاع ملی کہ سندھ میں قرامطہ کی سرگرمیاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ محمود کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعت قرامطہ نے بحرین سے جوان کا مرکزی مقام تھا ایک مہم جہازوں کے ذریعہ بندرگاہ دیبل اور ٹھٹھہ بھیجی ہے اور قرامطہ نے سندھ میں وارد ہو کر سندھ کے راجاؤں سے محمود کے خلاف ہر قسم کی امداد پہنچانے کے معاہدے بھی کر لئے ہیں۔ اور ان معاہدوں کے کرانے میں سب سے زیادہ سندھ کی ہندو ریاست بھاتنہ کے راجہ بجے رائے اور والی ملتان داؤد بن نصر کا ہاتھ ہے۔ یاد رہے کہ داؤد بن نصر اسی حمید خاں لودھی قرامطی کا پوتا تھا جس نے کہ راجہ جے پال اور راجہ بھاتنہ کے اشارہ پر مسلم ریاست ملتان کو تباہ کر کے خود اس پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس کے علاوہ محمود کو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ قرامطہ کو امداد دینے کی سازش میں راجہ جے پال کے بیٹے انند پال کا بھی ہاتھ ہے، لیکن انند پال نے قرامطہ کو اپنی ریاست میں گھسنے نہیں دیا۔ اس کے برخلاف ریاست بھاتنہ اور ملتان میں وہ مقامات ہیں جو قرامطہ کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

جب محمود غزنوی کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ریاست بھاتنہ کے راجہ بجے رائے کو پیغام بھیجا کہ ایسی حالت میں کہ تم اپنے آپ کو ہمارا تابع حکم ظاہر کرتے رہے ہو تمہارے لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ تم ہمارے دشمنوں یعنی قرامطہ کو اپنی ریاست میں پناہ دو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان جنگ چھڑ جانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ بجے رائے نے محمود غزنوی کے اس پیغام کا نہایت سختی کے ساتھ جواب دیتے ہوئے قرامطہ کو ریاست سے نکالنے سے صاف انکار کر دیا جس پر محمود غزنوی نے فوراً بجے رائے کی ریاست پر 395ھ مطابق 1005ء میں حملہ کر دیا۔ بجے رائے نے بڑی مضبوطی کے ساتھ محمود کا مقابلہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی اور میدان سے فرار ہو گیا لیکن محمود کے سپاہیوں نے اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ لیکن راجہ نے گرفتار ہونے کے ساتھ ہی اپنے سینہ میں خنجر پیوست کر کے خودکشی کر لی۔ بجے رائے کی فوج میں جتنے بھی قرامطہ تھے وہ یا تو مارے گئے یا بھاگ کر ملتان کی ریاست میں چلے گئے۔ محمود کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ لگے ہاتھوں ملتان کو بھی قرامطہ سے صاف کر دیتا لیکن اسے اندیشہ تھا کہ جب اس کی فوجیں ملتان کی جانب بڑھیں گی تو قرامطہ کسی دوسری طرف نکل جائیں گے لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ ملتان پر اچانک حملہ کر کے اور قرامطہ کو چاروں طرف سے گھیر کر بالکل کچل دیا جائے۔ چنانچہ محمود ریاست بھاتنہ کو فتح کرنے کے بعد اس کا انتظام راجہ جے پال کے نو مسلم نواسے سکھ پال کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالے کر کے غزنی لوٹ گیا۔

محمود غزنوی کا ملتان پر حملہ :

والی ملتان داؤد بن نصر کا دادا حمید خاں لودھی ایک نہایت ہی ہوشیار اور چالاک شخص تھا۔ وہ اگرچہ ابتداء ہی سے قرامطہ کی جماعت کا ایک سرگرم رکن تھا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ محمود کا باپ سبکتگین قرامطہ کا جانی دشمن ہے تو اس نے اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھا کہ قرامطہ کے سب سے بڑے دشمن سبکتگین سے دوستی پیدا کرے۔ چنانچہ وہ ساری عمر سبکتگین کو اپنی وفاداری اور دوستی کا یقین دلاتا رہا لیکن در پردہ اس کی ریاست میں قرامطہ کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔ لیکن حمید خاں لودھی کا پوتا داؤد بن نصر اپنے دادا کی طرح قرامطی عقائد کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ جماعت قرامطہ کے حق میں اس کی سرگرمیاں منظر عام پر آ گئیں اور ان تمام سازشوں کا بھی انکشاف ہو گیا جو وہ سندھ کے ہندو راجاؤں کے ساتھ مل کر محمود غزنوی کی حکومت کے خلاف کرتا رہا ہے چنانچہ والی ملتان داؤد بن نصر کی ان ہی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ محمود نے ریاست بھاتنہ کی فتح کے فوراً ہی بعد ریاست ملتان پر اچانک حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ غرضیکہ اس فیصلہ کے مطابق 396ھ مطابق 1006ء میں محمود نے یہ طے کیا کہ وہ درہ خیبر کے راستہ سے انند پال کی حکومت میں سے گزرتا ہوا اچانک ملتان پر جھپٹا مارے تا کہ داؤد بن نصر اور اس کے ہمنوا قرامطہ کو فرار کا موقع ہی نہ مل سکے۔ انند پال چونکہ محمود کا باجگزار تھا اس لئے اسے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ پنجاب کا یہ راجہ اس کے ارادہ میں مزاحم ہو گا۔ لیکن دریائے سندھ کے کنارے جب اپنی فوج لے کر محمود پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ انند پال اس کو ملتان پر حملہ کا راستہ دینے کی بجائے آمادہ جنگ ہے۔ اور اس نے باجگزری اور ماتحتی کے تمام عہد ناموں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ انند پال کی اس تبدیلی کا باعث یہ تھا کہ اول تو وہ فطرتاً محمود کو نفرت سے دیکھتا تھا اور مجبوراً باجگزاری کی شرائط پوری کر رہا تھا۔ دوسرے محمود کے خلاف ہندو عوام میں جو نفرت و حقارت پھیلی ہوئی تھی اس کو دیکھتے ہوئے اس نے کسی طرح بھی یہ مناسب نہ سمجھا کہ وہ محمود کو پنجاب کے راستہ سے گزرنے کی اجازت دے کر ہندو عوام کو اپنا دشمن بنائے۔ اس کے علاوہ داؤد بن نصر والئ ملتان کے دادا حمید خاں لودھی اور اس کے باپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ خود انند پال بھی داؤد بن نصر کے قرامطہ ہونے کی وجہ سے اس کا دوست بنا ہوا تھا اس لئے انند پال کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنے دوست کی ریاست پر حملہ کے لئے محمود کو اپنی حکومت میں سے راستہ دیتا لہٰذا انند پال نے ایک طرف والئ ملتان کو محمود کے ارادوں سے مطلع کر دیا اور دوسری جانب محمود کی خواہش کو ٹھکراتے ہوئے آمادہ پیکار ہو گیا اور اس طرح وہ لڑائی جو ملتان کی سرزمین پر لڑی جانے والی تھی پنجاب کی سرزمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر شروع ہوگئی۔ انند پال اور اس کی فوج زیادہ دیر تک اس مضبوط دشمن کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی۔ انند پال کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ فرار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بھاگنے کے بعد لاہور آ کر دم لیا۔ محمود بھی اس کے تعاقب میں دریائے چناب تک جا پہنچا۔ اب انند پال کشمیر بھاگ گیا۔ انند پال کے کشمیر چلے جانے کے بعد پنجاب کا تخت خالی تھا۔ محمود کے لئے اس وقت بے نظیر موقعہ تھا کہ وہ ملتان کے بنجر علاقہ میں سر پھوڑنے کے بجائے پنجاب کی دولت سے مالا مال ہو جاتا لیکن اس کا منشا اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اس وقت قرامطہ کی سرکوبی کے لئے آیا تھا۔ لہٰذا انند پال کے فرار ہوتے ہی اس نے فوجوں کا رخ بلا کسی توقف کے ملتان کی جانب موڑ دیا اور آندھی اور طوفان کی طرح ملتان کو جا گھیرا۔ عین اس وقت جبکہ محمود کی فوجیں ملتان کو محاصرہ میں لے رہی تھیں داؤد اپنا خزانہ اور قیمتی سامان اونٹوں پر لاد کر دکن کی جانب فرار ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ لیکن داؤد کو جب معلوم ہوا کہ اب راہ فرار بھی مسدود ہو چکی ہے تو اس نے پہلے مقابلہ کیا اس کے بعد محمود کی گرفت سے بچنے کے لئے عاجزانہ التجائیں شروع کر دیں۔ اور محمود کے پاس پیغام بھیجا کہ "میں مذہب قرامطہ سے توبہ کرتا ہوں اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں اور یہ اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ قرامطہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رکھوں گا اور بیس ہزار درہم سالانہ خراج دارالسلطنت غزنی کو روانہ کرتا رہوں گا۔" محمود جو داؤد سے صلح کرنے کے لئے نہیں بلکہ قرمطہ کے کچلنے کے لئے آیا تھا۔ کبھی بھی ان شرائط پر آمادہ نہ ہوتا اگر وہ ایک نئی الجھن میں مبتلا نہ ہو جاتا۔ اس کو اچانک اطلاع ملی کہ غزنی سے اس کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ایلک خاں والی ترکستان نے اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی جدوجہد شروع کر دی ہے اور اس کی فوجیں خراسان اور بلخ پر قبضہ کر چکی ہیں۔ اب محمود کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ داؤد کی شرائط مان لے۔ لہٰذا اس نے داؤد کی شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست بھاتنہ کے جدید نو مسلم حکمران سکھ پال کو داؤد بن نصر کا نگراں مقرر کر دیا۔ اور داؤد سے سکھ پال کی اطاعت کا اقرار لے کر یعنی سکھ پال کو اپنا جانشین بنا کر فوراً غزنی کی جانب روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر چند ہی روز میں ایلک خاں کے اس سارے فتنہ کو دبا دیا جو اس کی غیر موجودگی میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس جنگ میں محمود نے پہلی مرتبہ وہ ہاتھی استعمال کئے تھے جو اسے راجہ بھاتنہ کی جنگ میں بطور مال غنیمت کے ہاتھ آئے تھے۔ محمود اس جنگ میں تقریباً ایک سال مصروف رہنے کے بعد دارالسلطنت واپس چلا گیا۔

محمود غزنوی کا ریاست بھاتنہ پر دوسرا حملہ :

ایلک خاں کے فتنہ سے فارغ ہونے کے بعد محمود جب غزنی آیا تو اسے اطلاع ملی کہ نو مسلم سکھ پال جس کو محمود نے ریاست بھاتنہ کا حاکم اور ریاست کا نگراں بنا رکھا تھا اپنے ماموں انند پال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ترغیب سے مرتد ہو کر باغی ہو گیا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ داؤد بن نصر کی ریاست ملتان کو قرامطہ سے پاک کرے خود قرامطہ کا معاون اور مددگار بن گیا ہے اور قرامطہ ریاست بھاتنہ میں جمع ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس اطلاع کے پاتے ہی محمود بجلی کی سی سرعت سے غزنی سے ریاست بھاتنہ پر جا کر مسلط ہو گیا۔ محمود کے اچانک وارد ہونے کی وجہ سے سکھ پال سراسیمہ ہو گیا اور بلا مقابلہ کے اپنے آپ کو محمود کے سامنے پیش کر دیا۔ محمود سکھ پال کے قرامطی سرداروں کو تہہ تیغ کرنے کے بعد سکھ پال کو گرفتار کر کے غزنی لے آیا اور اسے نظر بند کر دیا۔

محمود غزنوی اور ہندوستانی راجاؤں کی سب سے بڑی جنگ :

پنجاب کے راجہ انند پال نے محمود کا باجگزار ہونے کے باوجود ملتان کے حملہ کے وقت محمود کے ساتھ جو معاندانہ رویہ اختیار کیا تھا اس کی بنا پر انند پال کو یہ یقین کامل تھا کہ محمود عنقریب اس پر حملہ کر کے سخت ترین سزا دے گا۔ محمود کے اس خوفناک حملہ کے مقابلہ کی تن تنہا تو انند پال میں تاب نہ تھی۔ اس لئے اس نے نہایت عیاری اور چالاکی کے ساتھ ہندوستان کی تمام حکومتوں میں اپنے قاصد بھیج کر اور دھرم کی حفاظت کے نام پر اپیل کر کے سب کو محمود کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ ایک طرف تو راجہ انند پال ہندوستان کے تمام راجاؤں کا ایک مشترکہ محاذ تیار کرنے میں مصروف تھا دوسری جانب ہندوستانی پنڈت تقریروں کے ذریعہ عوام کو بطور رضا کار بھرتی ہونے کے لئے ابھار رہے تھے۔ چنانچہ راجہ انند پال اور پنڈتوں کی مشترکہ کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ گجرات، بھٹنڈہ، دہرہ دون، سونی پت برن، مہابن و متھرا، اسونی ضلع فتحپور، بندیلکھنڈ، سرسوا گڑھ، قنوج، کالنجرا، اجین، گوالیار، اجمیر، دہلی، تھانیسر، نگرکوٹ، کشمیر، مالوہ، میرٹھ اور تقریباً تمام ریاستوں کے راجہ یا تو محمود غزنوی کے خلاف لڑنے کے لئے لاہور پہنچ گئے یا انہوں نے اپنی فوجیں اور خزانے بھجوا دیئے اور اس طرح لاہور میں بے اندازہ فوج اور دولت جمع ہو گئی۔ لاکھوں فوجی سپاہیوں کے علاوہ پنڈتوں کی کوششوں سے بے اندازہ رضا کار بھی اس جنگ میں شامل ہونے کے لئے لاہور پہنچ چکے تھے۔ اور ان رضا کاروں کی امداد کے لئے ہندو عورتوں نے اپنے سونے اور چاندی کے زیورات تک فروخت کر ڈالے تھے جن غریب عورتوں کے پاس زیورات نہیں تھے انہوں نے سوت کات کر جو پونجی پیدا کی تھی وہ اس دھارمک جنگ کے لئے دے دی تھی۔ غرضیکہ راجہ انند پال اور پنڈتوں کی مشترکہ کوششوں سے محمود غزنوی کے خلاف ایک ایسا مضبوط اور مشترکہ محاذ قائم ہو گیا تھا جس میں کہ راجہ انند پال کو سو فیصدی کامیابی کی امید تھی۔

انند پال اس بے پناہ لشکر کو لئے ہوئے جس میں کہ متعدد راجہ خود اپنی فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔ لاہور سے پشاور جا پہنچا اور خیمہ زن ہو گیا۔ پشاور میں انند پال کے خیمہ زن ہونے کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہندو فوج اور ہندو رضا کار چاروں طرف سے محمود پر فتح کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اڈے چلے آرہے تھے۔ ادھر محمود غزنوی بھی غزنی سے اپنا لشکر لے کر پشاور پہنچ گیا تھا لیکن اس نے راجہ انند پال اور اس کے ساتھی راجاؤں کا عظیم الشان لشکر دیکھا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ محمود غزنوی کی نگاہ جہاں تک کام کرتی تھی ہندوستانی فوجوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ محمود جو جنگ میں ہمیشہ پہل کرنے کا عادی تھا وہ اس بے پناہ لشکر کو دیکھ کر کچھ ایسا سراسیمہ ہوا کہ اسے چالیس روز تک ہندوستانی راجاؤں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ محمود یہ دیکھ کر اور بھی پریشان ہوا کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے ہندوستانی سپاہ میں اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ ہر روز ہزاروں سپاہی اور رضا کار ہندوستانی فوج میں شامل ہونے کے لئے چلے آرہے تھے۔ آخر محمود نے ٹڈی دل ہندوستانی فوج سے بچاؤ کے لئے پہلے تو اپنی فوج کے سامنے خندق کھدوائی اور اس کے بعد ہمت کر کے ہندوستان کے بے پناہ لشکر پر حملہ کر دیا۔ محمود کا حملہ کرنا تھا کہ تیس ہزار ہندوستانی گھکڑ خندقیں پار کر کے محمود کے لشکر میں گھس آئے اور انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں چار ہزار مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ گھکڑوں کی یہ جرأت دیکھ کر محمود کو بے حد پریشانی پیدا ہوئی لیکن اس نے ہمت سے کام لے کر پہلے تو گھکڑوں کا قتل عام کیا اور اس کے بعد پوری طاقت کے ساتھ ہندوستانی راجاؤں کے لشکر پر پل پڑا۔ صبح سے شام تک خوفناک جنگ جاری رہی۔ جب جنگ شروع ہوئی تھی اس وقت راجہ نند پال کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا۔ لیکن شام ہوتے ہوتے جب ہندوستانی لشکر نے یہ دیکھا کہ مسلمان پیچھے ہٹنا ہی نہیں جانتے اور کم تعداد میں ہونے کے باوجود بڑھتے چلے آرہے ہیں تو ان کی ہمتیں ٹوٹنے لگیں۔ اسی دوران میں راجہ انند پال کے ہاتھی کو مسلمان حملہ آوروں نے گھیر لیا جس کی بنا پر راجہ انند پال کو اپنے ہاتھی کو واپس لوٹانا پڑا۔ انند پال کے ہاتھی کا رخ پھیرنا تھا کہ ہندوستانی فوج نے سمجھ لیا کہ راجہ کو شکست ہوگئی۔ بس پھر کیا تھا فوج نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا اور چند گھنٹوں کے اندر ہی میدان جو ہندوستانی سپاہیوں سے پٹا پڑا تھا بالکل خالی تھا۔ اس جنگ کا نتیجہ اگرچہ محمود غزنوی کے حق میں تھا لیکن اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اتنی بڑی تیاری کے ساتھ شاید صدیوں کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر جنگ لڑی گئی تھی۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہندو لشکر میں اگر کثرت تعداد کے ساتھ نظم و نسق بھی ہوتا تو محمود کا اس بے پناہ لشکر پر فتحیاب ہونا ناممکن تھا۔ ہندو لشکر کی بدنظمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میدان جنگ سے صرف راجہ انند پال کے پیٹھ پھیرنے سے اس سارے لشکر کے پیر اکھڑ گئے۔

محمود غزنوی کا نگرکوٹ پر حملہ :

راجہ انند پال فرار ہونے کے بعد لاہور کی بجائے نگرکوٹ پہنچا کیونکہ وہ پہاڑی مقام ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے محفوظ تھا۔محمود بھی انند پال کے تعاقب میں پتہ لگاتا ہوا نگر کوٹ پہنچ گیا۔لیکن انند پال موقع پاکر کھسک گیا اور پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا کسی دور دراز مقام پر پہنچ گیا۔محمود نے قلعہ نگر کوٹ کا محاصرہ کرلیا۔لیکن قلعہ کی فوج نے برائے نام مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔قلعہ پر محمود کا قبضہ ہوگیا۔اگر راجہ انند پال فرار ہونے کے بعد نگر کوٹ نہ آیا ہوتا تو شاید محمود ادھر رخ بھی نہ کرتا لیکن محمود کی خوش قسمتی اسے اس قلعہ میں لے آئی۔قلعہ پر قبضہ جمانے کے بعد بھی محمود کو اس بات کا علم نہ تھا کہ یہاں قارون کے خزانہ سے بھی بڑا خزانہ مندر میں موجود ہے۔لیکن خود پجاریوں نے جان بچانے کے لالچ میں اس خزانہ کا پتہ محمود کو بتادیا۔چنانچہ جب یہ خزانہ کھولا گیا تو محمود حیران رہ گیا کیونکہ آنکھوں سے دیکھنا تو درکنار اس نے ساری عمر کبھی اتنی بڑی دولت کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔محمود نے اس خزانہ کو اونٹوں پر لادنے اور اسے غزنی پہنچانے کا حکم دے دیا۔محمود غزنوی ابھی نگر کوٹ ہی میں مقیم تھا کہ اسے راجہ انند پال کا پیغام ملا کہ ''جس طرح آپ نے اس سے قبل بار بار میری اور میرے باپ کی خطاؤں کو معاف کیا ہے اگر ایک مرتبہ میری معذرت کو اور قبول کرلیا جائے تو میں تادم زیست باجگوار اور اطاعت شعار رہوں گا۔'' اسی قسم کی درخواست نگر کوٹ کے راجہ کی جانب سے بھی کی گئی۔محمود غزنوی نے انند پال اور راجہ نگر کوٹ دونوں کی درخواستیں منظور کرلیں اور انند پال کو پھر ایک مرتبہ غزنی کے ماتحت پنجاب پر حکمرانی کی اجازت مل گئی۔

محمود غزنوی کی ہندو فوج :

محمود غزنوی کے خلاف ہندو رہنما اور پنڈت جس طرح عوام کو ابھارتے رہے تھے اس سے محمود غزنوی ناواقف نہ تھا چنانچہ محمود غزنوی نے یہ سوچا کہ ایک بڑی تعداد میں ہندو فوج رکھی جائے تاکہ اس ہندو فوج کے ذریعہ ان ہندو فتنہ پردازوں کو قابو میں رکھا جاسکے جو مذہب کے نام پر ہندو عوام کو اس کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں۔اس مقصد کے ماتحت محمود غزنوی نے ہندوؤں کے فوج میں بھرتی کیے جانے کا عام اعلان کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار ہندو نوجوان محمود غزنوی کی فوج میں بھرتی ہوگئے۔چنانچہ یہ ہندو فوج محمود غزنوی کے جانشینوں کے پاس آخر وقت تک رہی۔محمود غزنوی نے اس دس ہزار فوج کا سپہ سالار بھی ایک ہندو ہی کو مقرر کردیا۔اس کام سے فارغ ہوکر اور نگر کوٹ کا خزانہ لے کر محمود غزنی کے لئے روانہ ہوگیا۔بیان کیا جاتا ہے کہ جب خزانہ کے جواہرات اور سونا چاندی کو ممالک غیر کے سفیروں نے غزنی میں آکر دیکھا تو وہ حیران رہ گئے کیونکہ اتنی دولت روم اور ایران کے سلاطین بھی جمع نہیں کرسکے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمود کا غور اور ملتان پر حملہ :

محمود نے قرامطہ کو جس قدر دبانے کی کوشش کی وہ اتنے ہی اس کے دشمن بنتے چلے گئے چنانچہ محمود جس زمانہ میں کہ راجہ انند پال اور دوسرے ہندوستانی راجاؤں سے لڑائی میں الجھا ہوا تھا قرامطہ نے غور و ہرات کے حاکم محمد بن سوری کو قرمطی بنانے کے بعد محمود کے خلاف ابھار دیا۔ چنانچہ محمود جس وقت نگر کوٹ سے غزنی پہنچا تو قرامطہ اپنا کام کر چکے تھے اور غور و ہرات میں سخت شورش برپا تھی لہٰذا محمود کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ محمد بن سوری کے خلاف میدان میں آ جائے۔ محمد بن سوری پہلے ہی سے اس معرکہ کے لئے تیار تھا۔ غرضیکہ محمود اور محمد بن سوری کے لشکروں میں 400ھ میں بڑا زبردست مقابلہ ہوا جس میں کہ محمد بن سوری شکست کھانے کے بعد گرفتار ہوا اور اس نے خودکشی کر لی۔

غور کے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد محمود کو فوراً ملتان کی طرف دوڑنا پڑا جہاں داؤد بن نصر محمود سے باغی ہونے کے بعد محمود کے خلاف دست درازیوں میں مصروف تھا۔ اور اس مرتبہ داؤد بن نصر کی پشت پناہی صرف ہندو راجہ ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اسے مصر کے فرمانروا حاکم بن عزیز عبیدی کی بھی پوری حمایت حاصل تھی۔ حاکم بن عزیز عبیدی خود تو قرامطی نہ تھا لیکن قرامطہ کا اس لئے معاون بنا ہوا تھا کیونکہ قرامطہ نے خلیفہ بغداد کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور عباسی خلیفہ کی اس نازک پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حاکم بن عزیز عبیدی نے مصر میں خود اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ حاکم بن عزیز عبیدی کو سب سے زیادہ محمود غزنوی کا خوف تھا جو عباسی خلیفہ کا خادم اور طرفدار تھا۔ لہٰذا حاکم بن عزیز عبیدی نے قرامطہ کے ذریعہ محمود غزنوی کے پرانے دشمن داؤد بن نصر کو جو خود بھی قرامطی تھا آلہ کار بنایا۔ چنانچہ داؤد بن نصر کی امداد کے لئے مصر سے کچھ جہاز فوج اور ہتھیار لے کر دیبل کی بندرگاہ پر جا پہنچے۔ جہاں سے یہ جنگی سامان اور فوج ملتان پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ داؤد بن نصر نے حاکم بن عزیز کی خلافت پر بھی بیعت کرنے کے بعد محمود کے خلاف کھلم کھلا کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ محمود بجلی کی طرح داؤد بن نصر پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے چن چن کر ملتان میں قرامطہ کو تہ تیغ کیا اور بعض کو ہاتھی کے پیروں تلے کچلوا ڈالا اور داؤد بن نصر کو قید کر کے غزنی لے گیا۔

محمود کا نارائن اور تھانیسر پر حملہ :

محمود کے نارائن پر حملہ کرنے کے بارے میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ اس مہم کا ذکر نہ تو طبقات اکبری میں ہے اور نہ تاریخ فرشتہ ہی میں ہے۔ مگر حبیب السیر اور روضۃ الصفا میں اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہم کے بارے میں اشارہ موجود ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ نارائن کون سا مقام تھا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ محمود نے کوئی نہ کوئی اس قسم کی مہم تھانیسر کی مہم سے قبل ضرور کی تھی جس میں اس کو وہاں کے مندروں سے کافی دولت ملی اور لاتعداد ہاتھی اور سامان جنگ بھی کافی مقدار میں محمود کے ہاتھ آیا۔کہا جاتا ہے کہ 401ھ مطابق 1011ء میں محمود نے یہ مہم سر کی تھی۔ اسی طرح محمود کی ایک دوسری مہم کا بھی تذکرہ بعض تاریخوں موجود ہے۔یہ مہم ''ناردین'' کی مہم کے نام سے مشہور ہے۔ممکن ہے ''نارائن اور''ناردین'' کی مہم ایک ہی ہو جس کو بعض تاریخوں میں ''نارائن'' اور بعد میں ''ناردین'' لکھا گیا ہو۔ناردین کی مہم کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اس مہم میں محمود کو بے شمار ہاتھی اور بے اندازہ دولت ہاتھ آئی تھی۔

تھانیسر کی مہم کے بارے میں تقریباً تمام مورخوں کا اتفاق ہے۔تھانیسر اس زمانہ میں برہمنوں اور مذہبی پیشواؤں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔جہاں ہندو عوام کو دھرم کے نام پر محمود کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں زمانہ دراز سے جاری تھیں۔لہٰذا محمود نے یہ فیصلہ کیا کہ برہمنوں اور مذہبی پیشواؤں کے اس سب سے بڑے گڑھ پر حملہ کر کے ان شورشوں کے سرچشمہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے جن کا محمود کو بار بار ہندو راجاؤں کے باغی ہو جانے کی وجہ سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ مہاراجہ تھانیسر جو کئی بار راجہ جے پال اور انند پال کے ساتھ مل کر محمود کو بے حد پریشان کر چکا تھا محمود فطرتاً اس سے انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔غرضیکہ 402ھ مطابق 1014ء میں محمود کی فوجیں انند پال کے علاقہ پنجاب سے ہوتی ہوئی تھانیسر کی جانب بڑھیں۔انند پال نے اس مرتبہ پہلے کی طرح کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ محمود کو ہر ممکن امداد دی۔تھانیسر کے راجہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمود کی فوجیں اس کی ریاست کی جانب بڑھ رہی ہیں تو اس نے اپنی مدد کے لئے میرٹھ، مہاین، برن اور قنوج کے راجاؤں کو بلایا۔لیکن قبل اس کے کہ یہ راجہ اس کی امداد کو پہنچتے محمود کی فوجیں تھانیسر میں داخل ہوگئیں اور تھانیسر کا راجہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔تھانیسر کی فتح کے بعد محمود نے تھانیسر کے اس مشہور بت خانہ کی جانب توجہ کی جو مدت دراز سے محمود کے خلاف پنڈتوں اور مذہبی پیشوؤں کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔محمود نے بت خانہ میں داخل ہونے کے بعد بتوں کو توڑا۔مندر کو لوٹا۔اس مندر سے محمود کو بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا جس میں کہ ایک نایاب یاقوت بھی تھا جس کا وزن ساٹھ تولہ بتایا جاتا ہے۔اس کے بعد محمود مندر کے سب سے بڑے بت ''سوم جگ'' کو لے کر غزنی چلا گیا۔محمود کے ابتدائی حملوں کی تفصیلات کے پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محمود نے ابتدا میں نہ تو مندروں کی جانب رخ کیا اور نہ بتوں کو توڑا۔لیکن پنڈتوں اور مذہبی پیشواؤں کی مخالفانہ سرگرمیوں نے محمود کو بعد میں اسی طرح پنڈتوں کا بھی دشمن بنا دیا تھا جس طرح کہ وہ قرامطہ کا دشمن تھا۔اس کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ نگر کوٹ کے مندر سے حاصل شدہ بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انداز ہ دولت نے بھی محمود اور اس کے فوجیوں کی توجہ خاص طور پر ان مندروں کی جانب مبذول کردی ہو جن میں کہ کروڑوں روپیہ کے خزانہ اس زمانہ میں پائے جاتے تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ محمود مندروں اور ان کی دولت کی جانب زیادہ تر اس وقت متوجہ ہوا جب اس کے ساتھ مسلم فوج کے علاوہ ہندو فوج کی بھی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ ان ہندو فوجیوں یعنی گھر کے بھیدیوں ہی نے محمود کی مندر کے خزانوں کی جانب رہنمائی کی ہو اس لئے کہ خود فوجیوں کا بھی اس میں فائدہ تھا کیونکہ مال غنیمت کا ایک خاص حصہ فوجیوں میں ضرور تقسیم کیا جاتا تھا۔

محمود کا پنجاب اور کشمیر پر حملہ :

محمود غزنی ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ پنجاب کا راجہ انند پال مر گیا۔ انند پال مرتے دم تک سلطان محمود غزنوی کا فرمانبردار رہا۔ لیکن انند پال کے بیٹے جے پال ثانی نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور خراج گزاری سے بھی منکر ہو گیا۔ سلطان محمود نے جو یہ سنا تو وہ اس کی تادیب کے لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پنجاب کی جانب بڑھا۔ راجہ جے پال ثانی نے مقام نندونہ ضلع جہلم میں 404ھ مطابق 1014ء میں محمود کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ جب محمود نے قلعہ نندونہ کا محاصرہ کر لیا تو جے پال فرار ہو کر کشمیر چلا گیا۔ محمود اس کے تعاقب میں کشمیر تک گیا مگر وہ کشمیر کے اندرونی علاقہ میں داخل ہو گیا اور کشمیر کے راجہ نے اس کو پناہ دے دی۔ اس پر محمود نے کشمیر پر حملہ کر کے کئی قلعے فتح کر لئے۔ کشمیری فوجوں نے بھی محمود کا مردانہ وار مقابلہ کیا آخر کار محمود کشمیر کی مہم کو ناکام چھوڑ کر اور کافی نقصان اٹھانے کے بعد نندونہ واپس آ گیا۔ اور نندونہ میں اپنا عامل مقرر کرنے کے بعد غزنی واپس چلا گیا۔ محمود کے غزنی واپس چلے جانے کے بعد جے پال ثانی نے لاہور واپس آ کر پھر پنجاب میں حکومت شروع کر دی اور محمود کی خدمت میں سالانہ خراج کے ساتھ درخواست بھیجی کہ "میری نوعمری اور ناتجربہ کاری کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرا قصور معاف کر دیا جائے آئندہ میں برابر خراج بھیجتا رہوں گا۔" محمود نے جے پال ثانی کی اس درخواست کو منظور کرنے کے بعد پنجاب کی سند حکومت اس کے پاس بھیج دی۔ سلطان محمود 406ھ تک غزنی اور خراسان کے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا رہا۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد وہ مہاراجہ کشمیر کی تادیب کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر لوہ کوٹ کے قلعہ پر حملہ آور ہوا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا کہ یکا یک محمود کو اطلاع ملی کہ حاکم خوارزم کو قتل کر دیا گیا ہے اور خوارزم میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ مجبوراً محمود کو 407ھ میں قلعہ لوہ کوٹ سے محاصرہ اٹھا کر غزنی اور غزنی سے خوارزم جانا پڑا۔ جہاں اس نے باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ جب محمود کو اپنے گھریلو جھگڑوں سے کسی قدر فراغت حاصل ہو گئی تو وہ 409ھ میں ایک جرار لشکر لے کر اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملے کر کے اپنے ان تمام مخالفوں کو کچل ڈالے جو اس کے لئے آئے دن نئی نئی پریشانیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ کشمیر پہنچا کیونکہ لوہ کوٹ کی مہم کو نامکمل چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے راجہ کشمیر کی نخوت بے حد بڑھ گئی تھی۔ لیکن محمود کے کشمیر میں داخل ہوتے ہی راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور محمود کا مطیع اور خراج گزار بن گیا۔

قنوج اور متھرا پر محمود کی فوج کشی :

کشمیر کے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد محمود قنوج اور ان دوسری ہندو حکومتوں پر اچانک حملہ کرنا چاہتا تھا جنہوں نے راجہ انند پال کے ساتھ مل کر غزنی حکومت کے فنا کرنے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے نئے دوست مہاراجہ کشمیر کو بھی ساتھ لے لیا۔ تاکہ مہاراجہ کشمیر کے سپاہی اس اہم جنگ میں اس کی فوج کی رہنمائی کر سکیں۔ اس کے علاوہ ہندو سپاہیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس معرکہ میں محمود کے ہمراہ تھی۔ مہاراجہ کشمیر اور اس کے سپاہی محمود کی فوج کو پیچیدہ اور دشوار گزار راستوں سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ نکال کر لے گئے۔ یہاں تک کہ سلطان محمود کو رام گنگا کے دہانے پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ رام گنگا کے دہانے پر سلطانی لشکر کا پہنچنا تھا کہ قنوج میں محمود کے حملہ کی اطلاع پہنچ گئی۔ مگر محمود بجلی کی سی سرعت کے ساتھ کوہ ہمالیہ سے میدان میں اتر کر مع اپنے بے پناہ لشکر کے قنوج کے سامنے جا پہنچا۔ قنوج کے راجہ کنور رائے نے محمود کے لشکر کی کثرت اور شوکت دیکھی تو وہ حواس باختہ ہو گیا اور اس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ محمود سے معافی کے لئے التجا کرے۔ سلطان محمود غزنوی کی یہ خصلت بن گئی تھی کہ وہ کبھی بھی معافی مانگنے والوں کی درخواست رد نہیں کرتا تھا۔ اس لئے راجہ کو یقین تھا کہ اس کی درخواست کو بھی محمود ضرور شرف قبولیت بخشے گا۔ چنانچہ راجہ اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اپنے ہاتھ رومال سے بندھوا کر مع اپنے بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کے محمود کے سامنے مجرم بن کر آ کھڑا ہوا۔ محمود کو راجہ کی یہ انکساری بے حد پسند آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر خود راجہ کے ہاتھ کھولے، گلے سے لگایا اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور ہر طرح کی تسلی تشفی دے کر رخصت کیا۔ محمود کئی دن تک راجہ کا مہمان رہا۔ راجہ نے قیمتی تحائف محمود کی خدمت میں پیش کئے اور مرتے دم تک محمود کا وفادار رہا۔ سلطنت غزنی کے علاوہ قنوج کے راجاؤں کے تعلقات خلفائے اسلام سے بھی نہایت ہی خوشگوار تھے۔ چنانچہ راجہ قنوج ہی نے خلیفہ ہارون الرشید کے علاج کے لئے اپنا ہندو طبیب بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ ہی قنوج میں مسلمان برابر آتے رہتے تھے اور بغداد قنوج کے ہندوؤں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ غرضیکہ قنوج کی رعایا میں بھی محمود اور راجہ کنور رائے کی صلح کو بے حد پسند کیا گیا۔

سلطان محمود نے قنوج کے قیام کے دوران میں ہندو مدبرین کے ذریعہ ان شرارت پسند امرا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور راجاؤں کی ایک فہرست تیار کی جو محمود کے سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ محمود نے اب اپنے مخالفین کے خلاف یورش کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔ بقول فرشتہ محمود نے سب سے پہلے میرٹھ کی جانب رخ کیا۔ اس کے بعد مہابن اور متھرا پہنچا۔ لیکن طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ محمود قنوج سے بلند شہر (برن) گیا اور وہاں سے مہابن ہوتا ہوا متھرا پہنچا۔ بلند شہر کے راجہ ہردت نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر تیس ہاتھی اور بہت سارو پیہ دے کر اطاعت قبول کرلی۔ لیکن مہابن کے راجہ نے مقابلہ کیا اور شکست کھانے پر خودکشی کرلی۔ اس کے بعد محمود نے متھرا پر حملہ کیا۔ اور متھرا کی فتح کے بعد یہاں کے سب سے بڑے مندر کو توڑا لیکن باقی مندروں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں سے اس نے ہندوؤں کے ان شرارت پسند لٹیروں کو بھی گرفتار کیا جو محمود کے خلاف ہندوؤں کو اکساتے رہتے تھے۔ متھرا سے فارغ ہونے کے بعد محمود نے اسونی ضلع فتحپور کا محاصرہ کرلیا۔ راجہ نے نذرانہ پیش کر کے معافی طلب کی۔ محمود نے اسے معافی دے دی۔ اس کے بعد محمود مالوہ، دہلی، اجمیر اور ان تمام ریاستوں کے راجاؤں کی جانب متوجہ ہوا جو راجہ انند پال کے ساتھ مل کر غزنی کی حکومت مٹانے کے درپے تھے۔ ان میں سے چند راجاؤں کے علاوہ باقی تمام راجہ روپیہ، نذرانہ اور تحائف دینے کے بعد محمود کے باجگزار اور اطاعت شعار بن گئے اور اس طرح محمود نے اپنے اس تاریخی حملہ کے ذریعہ سارے شمالی ہندوستان کو اپنا باجگزار اور مطیع بنالیا۔ اس بڑے حملے میں محمود نے حتی المقدور مندروں کے توڑنے اور ان کی دولت لوٹنے سے اجتناب کیا۔ شاید اس طرح وہ ہندوؤں کے دلوں میں جگہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ مشہور ہندو مورخ سجان رائے کا کہنا ہے کہ جب محمود اپنی اس عظیم الشان فتح کے بعد غزنی لوٹا ہے تو اس کے پاس کل پانچ لاکھ بیس ہزار درہم یعنی آج کل کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ تھا۔ گویا اتنے بڑے معرکہ میں محمود کو صرف یہ حقیر سی رقم ہاتھ آئی تھی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ محمود کے اس حملہ کا مقصد کسی طرح بھی حصول دولت نہیں تھا۔

کالنجر پر محمود کا حملہ :

محمود کے ہندوستان جاتے ہی ہندوستانی راجاؤں نے حسب دستور پھر محمود کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ اس مرتبہ ان سازشوں کا سب سے بڑا محرک کالنجر کا راجہ نندا تھا جس نے قنوج، متھرا، بلند شہر، میرٹھ اور تمام ان مقامات کے راجاؤں کو جنہوں نے محمود کی اطاعت قبول کرلی تھی ملامت آمیز اور غیرت دلانے والے خطوط لکھے اور ان کو ابھارا کہ وہ سب متحد ہو کر محمود کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کریں۔ کالنجر کے راجہ کے اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہوا کہ قنوج کے راجہ کنور رائے کے علاوہ بقیہ تمام راجہ اس بات کے لئے آمادہ ہوگئے کہ وہ کالنجر کے راجہ کی قیادت میں محمود کی طاقت کو توڑنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے۔ یہاں تک کہ پنجاب کا راجہ جے پال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانی بھی اس سازش میں شریک ہوگیا لیکن قنوج کا راجہ کسی طرح بھی ان کے ساتھ شریک نہ ہوا جس سے ناراض ہوکر کالنجر کے راجہ نندا نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ قنوج کے راجہ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ محمود کی حمایت کے جرم میں تمام راجہ اس کے دشمن بن گئے ہیں اور کالنجر کے راجہ نے اس کے ملک پر چڑھائی کر دی ہے محمود غزنوی کو اپنی امداد کے لئے لکھا۔ سلطان محمود قنوج کے راجہ کی مصیبت کا حال سنتے ہی فوراً غزنی سے مختصر سی فوج لے کر قنوج کی طرف روانہ ہوگیا۔ محمود چاہتا تھا کہ پنجاب کے راستہ سے گزر کر جلد سے جلد قنوج پہنچ جائے لیکن جے پال ثانی جو پہلے ہی کالنجر کے راجہ سے سازش کر چکا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ محمود کی فوج نہایت ہی مختصر ہے تو محمود کے مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ لیکن جے پال ثانی چند گھنٹے بھی اس جنگ میں نہ ٹھہر سکا اور موقع پاتے ہی میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ محمود جے پال ثانی کو شکست دیتے ہی پوری تیزی کے ساتھ قنوج کی جانب بڑھا لیکن جب وہ قنوج میں داخل ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ قنوج کا راجہ محمود کی حمایت کے جرم میں اس کے پہنچنے سے قبل ہی کالنجر کے راجہ سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جا چکا ہے۔ اور کالنجر کا راجہ کالنجر واپس چلا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی محمود ایک منٹ کا توقف کئے بغیر کالنجر کی جانب دوڑا۔ تاکہ راجہ نندا کو سزا دے سکے۔ یہ راجہ جو پہلے ہی سے اس خطرہ کے لئے تیار تھا اپنے چھتیس ہزار سوار، پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لے کر محمود کے مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ سلطان محمود جو مختصر سی فوج لے کر آیا تھا جب اس نے راجہ کے عظیم الشان لشکر کو دیکھا تو اسے بڑی تشویش پیدا ہوئی لیکن اس نے طے کر لیا کے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو وہ راجہ نندا کو ضرور سزا دے گا۔ ادھر راجہ نندا کی یہ حالت ہوئی کہ وہ محمود کی شکل دیکھ کر ہی کانپ گیا اور اس پر محمود کی ہیبت کچھ ایسی غالب آئی کہ وہ اپنا تمام سامان میدان جنگ میں چھوڑ کر صبح ہونے سے قبل ہی فرار ہوگیا۔ محمود نے راجہ کا تعاقب کیا لیکن راجہ کسی نامعلوم مقام پر چلا گیا۔ کالنجر کے اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد محمود چاہتا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے پنجاب کے راجہ جے پال ثانی کی خبر لے جس نے کہ اسے راستہ میں الجھا کر قنوج کے راجہ کی جان کھوا دی۔ لیکن چونکہ محمود کے پاس فوج بہت تھوڑی تھی اس لئے وہ سیدھا غزنی پہنچا تاکہ لشکر کا معقول انتظام کرنے کے بعد پنجاب پر حملہ آور ہو۔ لیکن غزنی آنے کے بعد وہ سوات اور بنیر کے جھگڑوں میں کچھ ایسا مبتلا ہوا کہ اسے ڈیڑھ دو سال تک ہندوستان کی جانب رخ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔

محمود غزنوی کا پنجاب پر دوسرا حملہ :

محمود غزنوی کو جونہی گھر کے جھگڑوں سے فرصت ملی۔ 413ھ میں ایک لشکر عظیم لے کر پنجاب کی جانب بڑھا۔ جے پال ثانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمود ٹڈی دل لشکر کے ساتھ اسے سزا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے کے لئے آرہا ہے تو وہ اجمیر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے لاہور اور دہلی کو فتح کیا اور لاہور میں آکر قیام کیا۔ اور راجہ جے پال اور اس کے بزرگوں کی بدعہدیوں کو دیکھتے ہوئے یہ طے کیا کہ پنجاب اور دہلی کو حکومت غزنی سے ملحق کرلیا جائے چنانچہ پنجاب کے تمام اضلاع میں عمال مقرر کردیئے گئے اور محمود کا سکہ جاری کردیا گیا۔ محمود نے پنجاب کا سب سے پہلا گورنر اپنے محبوب غلام ایاز کو مقرر کیا جو کشمیری النسل تھا۔ اور محمود کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا۔ ایاز کی قبر اب بھی کنک منڈی لاہور میں موجود ہے۔ الغرض سلطان محمود ایاز کو پنجاب کا پہلا اسلامی گورنر مقرر کرنے کے بعد غزنی واپس چلا گیا۔

کالنجر کا راجہ نندا جو محمود کے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا تھا محمود 413ھ میں ایک بڑا لشکر لے کر اس کی سرکوبی کو آیا۔ راجہ گوالیار نے راستہ میں محمود کو روکنا چاہا مگر فوراً ہی زر و جواہر اور بہت سے ہاتھی پیش کر کے اطاعت قبول کرلی۔ جب محمود کالنجر پہنچا تو اس نے جاتے ہی قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ راجہ نندا نے محاصرہ سے تنگ آکر محمود سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی طلب کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ ساری عمر وفادار رہے گا اور تین سو ہاتھی بھی بطور نذرانہ پیش کردیئے۔ محمود نے اس کا قصور معاف کرکے اسے حکمرانی کا پروانہ دے دیا۔ چنانچہ یہ راجہ تازیست محمود کا مطیع فرمانبردار اور مداح رہا اور محمود بھی اس پر بے حد اعتماد کرتا تھا۔

سومنات کے مندر پر محمود کا حملہ :

سومنات کا مندر جو کاٹھیاواڑ گجرات میں تھا اس پر محمود کا حملہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ حملہ محمود نے کیوں کیا؟ اور اس دور دراز مقام پر فوج کشی کی محمود کو کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس کے بارے میں مورخوں کے مختلف بیانات ہیں۔ بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ چونکہ متھرا، مہابن اور تھانیسر کے برہمن اور مذہبی پیشواؤں نے تھانیسر کے مندر کی طرح سومنات کے مندر کو محمود کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا اور قرامطہ بھی اس مقام پر ان برہمنوں اور مذہبی پیشواؤں سے مل کر محمود کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے محمود نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے مخالفین کے اس نئے مرکز کو بھی تباہ اور برباد کرڈالے۔ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ محمود کو یا تو اپنے ہندو سپاہیوں کے ذریعہ یا کسی دوسرے ذریعہ سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ سومنات کے مندر میں بے اندازہ دولت ہے۔ اس لئے دولت کی طمع نے اس کو اس دور دراز یورش کے لئے مجبور کیا۔ ان مورخوں کا یہ بیان ہے کہ اس یورش میں جن سپاہیوں نے حصہ لیا تھا وہ بغیر تنخواہ کے سپاہی تھے جو محض مال غنیمت کے لالچ میں اس معرکہ میں حصہ لینے کے لئے شریک ہوگئے تھے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ محمود نے والیٔ گجرات کے خلاف یہ حملہ کیا تھا لیکن اس کی خوش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسمتی سے سومنات کی دولت اس کے ہاتھ آ گئی۔ غرضیکہ اس حملہ کے اصل سبب کے بارے میں مورخوں میں شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ محمود بڑے اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑا لشکر لے کر ملتان کے کٹھن راستے کو طے کرتا ہوا 415ھ مطابق 1025ء میں دو ڈھائی مہینے کی مسافت کے بعد گجرات پہنچا۔ گجرات کا راجہ اچانک حملہ سے سراسیمہ ہو کر اور شہر چھوڑ کر کسی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد محمود نے سیدھا سومنات کی طرف رخ کیا اور سومنات کی فصیلوں کے قریب عین مندر سے متصل اپنے خیمے ڈال دیئے۔

سومنات کا مندر کس قدر عظیم الشان تھا اس کا اندازہ مورخوں کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ اس عمارت کے در و دیوار میں بے شمار جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چھپن ستون مرصع جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔ دو سو من سونے کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔ اس میں سیکڑوں گھنٹے آویزاں تھے۔ اس مندر کے مصارف کے لئے دو ہزار گاؤں وقف تھے۔ دو ہزار پنڈے محافظت کے لئے ہر وقت متعین رہتے تھے۔ پانچ سو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں اس مندر کی خدمت کے لئے دیوداسیاں بنی ہوئی تھیں اور اس مندر میں اس قدر زر و جواہر تھا جو شاید کسی بڑی سے بڑی حکومت کے خزانہ میں بھی نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ اس تاریخی مندر کی حفاظت کے لئے دس ہزار راجپوتوں کی فوج بھی ہر وقت سینہ سپر رہتی تھی۔

سلطان محمود نے جونہی اس مندر پر حملہ کیا ایک طرف دس ہزار راجپوت میدان میں آ گئے اور دوسری جانب ہزار ہا عام باشندے اپنے عبادت خانے کو بچانے کے لئے مسلح ہو کر دوڑ پڑے اور رفتہ رفتہ محمود کے مقابلہ کے لئے اتنا بڑا لشکر جمع ہو گیا کہ محمود جیسا بہادر شخص بھی پریشان ہو گیا۔ اس مندر کے تین طرف پانی تھا اور ایک طرف خشکی کا راستہ تھا۔ لہٰذا محمود اس خشکی کے راستہ سے مندر کی جانب بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے آگے راجپوتوں کی فوج کے علاوہ مسلح شہریوں کا بھی بہت بڑا ہجوم تھا۔ ابھی محمود کو اپنے ان دشمنوں سے جو مندر میں لڑ رہے تھے نجات نہیں ملی تھی کہ قرب و جوار کے راجاؤں کی چالیس ہزار فوج نے پیچھے سے محمود کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب محمود کا لشکر چاروں طرف سے گھر گیا۔ آگے بھی فوج تھی اور پیچھے بھی اور دونوں طرف سمندر لہریں مار رہا تھا۔ محمود نے سمجھ لیا کہ اس معرکہ کا سر ہونا ناممکن ہے۔ اب محمود کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ پلٹ کر اس بڑی فوج پر پل پڑے جو پشت کی جانب سے محمود کے لشکر کو کاٹتی چلی جا رہی تھی۔ محمود کا پلٹ کر حملہ کرنا تھا کہ پشت کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کے بعد مندر کی فوج نے بھی ہمت ہار دی اور مندر میں لڑنے والے سپاہی سمندر میں کودنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں محمود کا سومنات پر قبضہ ہو گیا۔ محمود نے مندر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مندر کے بت سومنات کو توڑا۔ اس کے بعد مندر کی تمام دولت پر قبضہ جمایا۔ نیز نیرووالہ اور گجرات کے دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامات کے ان راجاؤں کی سرزنش کی جنہوں نے کہ سومنات کے معرکہ میں محمود کا مقابلہ کیا تھا اور اس کے بعد داب شلیم کو جو گجرات کے راجہ کا بھائی تھا گجرات کا حاکم مقرر کر کے غزنی واپس چلا گیا۔ غزنی جاتے ہوئے اسے راستہ میں ایسی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا جو اس سے قبل محمود نے شاید اپنے کسی معرکہ میں بھی نہ اٹھائی ہوں گی۔ سومنات کے حملہ کے بعد محمود نے ہندوستان پر آخری حملہ جاٹوں کی سرکوبی کے لئے کیا تھا۔ جاٹوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر جب وہ غزنی پہنچا تو بیمار تھا۔ چنانچہ 421ھ مطابق 1030ء میں محمود کا اسی بیماری میں 63 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ محمود نے اپنے دور حکومت میں بے شمار مہمات میں حصہ لیا۔ جن میں سے سترہ حملے صرف ہندوستان پر کیے ان سترہ حملوں میں سے تقریباً تمام ان حملوں کی تفصیل ہم نے بیان کر دی ہے جن کا کہ ہندوستان کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

محمود غزنوی کے حملوں پر ایک نظر :

محمود غزنوی نے اپنے دور حکومت میں ہندوستان پر جتنے بھی حملے کیے ان سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ اس کا مقصد و منشا یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ محمد بن قاسم کی طرح ہندوستان کو فتح کرے بلکہ وہ ان خطرات کو دور کرنا چاہتا تھا جو اس کی حکومت کے لئے پنجاب سے پیدا ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اگر راجہ جے پال نے محمود اور اس کے باپ سبکتگین کے دور حکومت میں غزنی پر حملے کر کے پیش قدمی نہ کی ہوتی تو شاید سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود ہندوستان کی جانب رخ بھی نہ کرتا کیونکہ محمود کو ہندوستان کے مقابلہ میں مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کی فتح کا زیادہ شوق تھا لیکن جے پال، انند پال اور جے پال ثانی نے بار بار سبکتگین اور محمود کو خوانخواہ چھیڑ کر اور بدعہدیاں کر کے ہندوستان پر جوابی حملے کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ ان حملوں میں نگر کوٹ سے محمود کو اور اس کی فوج کو جو بے اندازہ دولت ملی تھی۔ اس نے محمود کو مالا مال کر دیا۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد محمود نے بعض حملے حصول دولت کے لئے بھی کیے ہوں۔ لیکن اس دولت کی چاٹ لگانے والے بھی وہی ہندو راجہ تھے جنہوں نے کہ سبکتگین اور محمود کو ہندوستان کا راستہ دکھایا لیکن پھر بھی محمود نے کبھی بھی ہندوستان پر مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ صرف آخر میں کاٹھیاواڑ کی عمدہ آب و ہوا نے محمود کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ وہ کاٹھیاواڑ میں بیٹھ کر ہندوستان پر حکومت کرے مگر اس کے امرا غزنی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس کے بعد وہ ایسا غزنی گیا کہ پھر کبھی ہندوستان لوٹ کر نہ آسکا۔

محمود کی ہندو دشمنی کے افسانے :

ہندوستان کے متعصب مورخوں نے محمود کو ہندو قوم اور ہندو دھرم کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔لیکن محمود کے کردار کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بس وہ نئی نئی فتوحات کا شائق تھا۔اسے کسی قوم یا مذہب سے کوئی عناد نہ تھا۔اگر فی الحقیقت محمود ہندو راجاؤں یا ہندو عوام کا دشمن ہوتا تو کیا وہ ہندو راجاؤں کی بار بار شورش پسندیوں کے باوجود ہر مرتبہ ان کو اسی طرح معافیاں دیتا رہتا جس طرح کہ وہ دیتا رہا ہے۔حالانکہ محمود کے پاس ان کو تہہ تیغ کرنے کا جواز خود ان ہی راجاؤں نے اپنی عہد شکنیوں اور بغاوتوں سے فراہم کر دیا تھا اور اگر محمود کو محض اس لئے ہندوؤں کا دشمن کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے خلاف بار بار یورش کی تو اس سے زیادہ یورشیں محمود نے غزنی، ترکستان، بلخ، بخارا، سیستان، خراسان، غور خوارزم اور دوسرے اسلامی علاقوں میں خود مسلمانوں کے خلاف کی ہیں۔یہاں تک کہ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلی یورش خود اپنے چھوٹے بھائی امیر اسمٰعیل کے خلاف کی جسے اس نے تخت سے اتار کر خود تخت پر قبضہ جمایا اور ساری عمر قلعہ میں نظر بند رکھا۔حقیقت یہ ہے کہ محمود غزنوی ایک باحوصلہ جرنیل تھا جس کو اپنی حکمرانی کے مقابلہ میں نہ کسی ہندو راجہ کی پروا تھی اور نہ مسلمان بادشاہ کی جو بھی اس کے مقابلہ پر آیا اس سے وہ لڑا اور اسے نیچا دکھایا۔ہمارا خیال ہے کہ جے پال، انند پال، جے پال ثانی اور ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی بجائے اگر ہندوستان میں مسلمان بادشاہ بھی حکمران ہوتے اور وہ ان راجاؤں کی طرح محمود کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور بدعہدیاں کرتے تو محمود ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتا چنانچہ قرامطہ جو مسلمان بنتے تھے محمود نے ان کے ساتھ جو سخت سلوک کیا ہے۔وہ سب پر عیاں ہے۔محمود غزنوی اگر فی الحقیقت ہندوؤں کا دشمن ہوتا تو وہ کبھی بھی اپنے لشکر میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو سپاہی نہ بھرتی کرتا اور ہندوستان میں ہندو عمال نہ مقرر کرتا۔یہ امر واقعہ ہے کہ محمود غزنوی محض فتوحات کا شائق تھا اور اس پر فرقہ پرستی کا الزام لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

محمود پر مندروں اور بتوں کے توڑنے کا الزام :

محمود پر ایک سنگین الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے مندروں اور بتوں کا دشمن تھا۔لیکن ان الزام لگانے والوں سے یہ پوچھا جاسکتا کہ نگرکوٹ کی مہم سے پہلے محمود ہندوستان کے خلاف پانچ حملہ کر چکا تھا اور اس سے قبل دو لڑائیاں اس کے باپ کے زمانہ میں پنجاب کے راجہ سے ہو چکی تھیں، ان پانچ سات حملوں میں نہ اس نے کسی مندر کو لوٹا اور نہ کسی بت کو توڑا۔پھر یکا یک نگرکوٹ کی فتح کے بعد یہ "بت شکنی" کا مرض محمود میں کیوں پیدا ہو گیا اور یہ مرض پیدا بھی اس وقت ہوا جب محمود کی فوج میں مسلمان سپاہیوں کے علاوہ ہندو سپاہیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہو چکی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ محمود کے ہاتھوں نگرکوٹ، متھرا اور سومنات کے مندروں اور

www.KitaboSunnat.com

بتوں کے توڑنے کے جو واقعات رونما ہوئے ان کا تعلق بھی کسی فرقہ پرستی کے جذبہ سے نہیں تھا بلکہ پنڈتوں کی بے عقلی، فتنہ پردازی اور اغراض پسندوں کی جاسوسی نے محمود غزنوی کو مندروں کی جانب خاص طور پر متوجہ کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب نگر کوٹ کے ندر سے محمود کو بے پناہ دولت ہاتھ لگی تو اسے مندروں کی دولت کی چاٹ پڑگئی ہو اور اسی لئے اس نے متھرا اور سومنات پر بھی ہاتھ صاف کیا ہو۔ یعنی محمود نے جو کچھ بھی کیا وہ عام فطری اور انسانی خواہش سے متاثر ہو کر کیا۔ اس کا محمود کے مذہبی جذبے یا فرقہ پرستی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ محمود کی جگہ اگر کوئی غیر مسلم بادشاہ ہوتا اور اس کو بھی مندروں کے خزانوں سے اسی طرح دولت ملی ہوتی تو وہ بھی فرشتہ بن کر اس دولت کو ہاتھ لگانے سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔ مندروں کی دولت سے بھی کہیں زیادہ محمود کو جس چیز نے مندروں کی جانب رخ کرنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ برہمنوں اور پنڈتوں نے بڑے بڑے مندروں کو محمود کے خلاف پروپیگنڈے کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی حکمراں بھی اس نوعیت کے مخالفانہ پروپیگنڈے کو برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ محمود کو بھی مخالفانہ پروپیگنڈے کی روک تھام کے لئے چند خاص مندروں کی جانب رخ کرنا پڑا۔ محمود کو اگر فی الحقیقت مندروں اور بتوں سے نفرت ہوتی تو وہ متھرا کے ہزاروں مندروں میں سے صرف ایک دو کی جانب رخ نہ کرتا بلکہ سب کو توڑ ڈالتا اور اسی طرح پنجاب میں جہاں اسے سب سے زیادہ حملے کرنے پڑے وہ ایک بھی مندر نہ چھوڑتا۔ حالانکہ اس نے پنجاب کے کسی ایک مندر کو بھی کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ پنجاب کے علاوہ دوسرے علاقوں کے مندروں کو بھی اس نے کبھی نہیں چھیڑا صرف گنے چنے ان مندروں پر محمود نے ہاتھ ڈالا جن میں کہ بے پناہ دولت پوشیدہ تھی یا جو اس کے خلاف پروپیگنڈے کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ محمود نہ بت شکن تھا، نہ ہندوؤں کا دشمن اور نہ متعصب ملا۔ وہ صرف ایک اولوالعزم بادشاہ تھا۔ بس اس سے زیادہ وہ کچھ نہ تھا۔ لیکن ہم کو افسوس ہے کہ یورپین اور ہندوستان کے متعصب مورخوں نے اس کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے تاکہ اس کے حالات پڑھنے سے ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں برابر نفرت بڑھتی رہے۔

محمود غزنوی کی حکومت کا زوال

محمود کے مرتے ہی محمود غزنوی کے بیٹوں امیر مسعود اور امیر محمد میں تخت وتاج کے لئے رسہ کشی شروع ہوگئی۔ امیر مسعود اور امیر محمد دونوں بالکل ہم عمر تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ امیر مسعود امیر محمد سے چند گھنٹے پہلے پیدا ہوا تھا۔ لیکن امیر مسعود امیر محمد کے مقابلہ میں حکمرانی کی زیادہ قابلیت رکھتا تھا کیونکہ وہ محمود کے ساتھ مختلف معرکوں میں بینظیر شجاعت اور فوجی قابلیت کا ثبوت دے چکا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔محمود غزنوی بھی ابتدا میں امیر مسعود سے بے حد خوش تھا اور اسے ولی عہد بھی مقرر کر دیا تھا لیکن امیر محمد کی سازشوں نے جلد ہی محمود غزنوی کو امیر مسعود سے بدظن کر دیا چنانچہ آخری عمر میں محمود غزنوی نے امیر مسعود کو ولی عہدی سے ہٹا کر امیر محمد کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا تھا۔

جب محمود غزنوی کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا امیر مسعود اصفہان میں تھا اور امیر محمد گرگان میں تھا۔ امیر محمد فوراً گرگان سے غزنی پہنچا اور باپ کی جگہ تخت نشین ہو گیا۔لیکن امرائے سلطنت زیادہ تر امیر مسعود کی جانب مائل تھے۔ چنانچہ پنجاب کا گورنر امیر ایاز جب محمود کے انتقال کی خبر سن کر لاہور سے غزنی آیا تو اس نے تقریباً تمام امرا اور غلاموں کو اس چیز کے لئے آمادہ کر لیا کہ امیر محمد کو معزول کر دیا جائے اور اس کی جگہ امیر مسعود کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔ بس پھر کیا تھا قاصد پر قاصد غزنی سے امیر مسعود کے پاس دوڑنے لگے۔ادھر امیر مسعود نے بھی امیر محمد کے خلاف فوج کشی کی پوری طرح تیاریاں کرلیں اور ایک بڑی فوج لے کر 13 جمادی الاول 422 ہجری (1031ء) کو بلخ سے غزنی کی جانب روانہ ہو گیا۔ دونوں بھائیوں کی فوجوں میں غزنی کے قریب جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں امیر مسعود کو فتح حاصل ہوئی۔ امیر محمد گرفتار ہو گیا۔ جسے امیر مسعود نے اندھا کر کے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا اور غزنی کے تخت پر خود بیٹھ گیا۔امیر محمد کی سلطنت صرف پانچ مہینے رہی۔اس کے بعد امیر محمد نے نو برس قید میں گزارے۔لیکن آخری ایک سال کے لئے اسے پھر حکومت حاصل ہو گئی تھی۔

سلطان مسعود کا دور حکومت :

سلطان مسعود نے غزنی کے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے ہندو فوج کے سپہ سالار سوندرائے کو محض اس جرم میں معزول کیا کیونکہ سوندرائے امیر محمد کا حامی تھا۔سوندرائے کی معزولی کے بعد یہ عہدہ جگ ناتھ کے سپرد کیا گیا۔اس کے بعد سلطان مسعود نے ہندوستان کے معاملات کی جانب توجہ کی۔ مسعود کو ہندوستان سے اطلاع ملی کہ قلعہ سرسوتی والوں نے کچھ مسلمان سوداگروں کو لوٹ کر ان کو اس قلعہ میں قید کر دیا ہے۔اس اطلاع کے ملتے ہی مسعود نے ایک بڑا لشکر لے کر 434ھ مطابق 1033ء میں قلعہ سرسوتی پر جو کشمیر کے کسی درہ میں تھا، حملہ کر دیا، قلعہ فتح ہو گیا اور ان مسلم سوداگروں کو جو اس قلعہ میں قید تھے رہائی مل گئی۔ یہ سلطان مسعود کا ہندوستان پر پہلا حملہ تھا۔اس حملہ کے بعد سلطان مسعود پنجاب کے انتظام کی جانب متوجہ ہوا۔ پنجاب کے جدید انتظام کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ سلطان مسعود نے پنجاب کے گورنر امیر ایاز کو جس کی کوششوں سے اسے غزنی کا تخت ملا تھا اپنی مصاحبت میں رکھ لیا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں جدید انتظام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سلطان مسعود نے احمد نیالتگین کو تو ہندوستان کی سپہ سالاری کے عہدہ پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مامور کیا اور قاضی شیراز کو عہدہ قضا دے کر تمام مالی اور اندرونی انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ احمد نیالتگین نے اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوتے ہی قنوج، کالنجر اور تمام ماتحت ہندو ریاستوں سے خراج وصول کیا اور بنارس وغیرہ کے فتح کرنے کے بعد حکومت غزنی کے مقبوضات کو بڑھاتا رہا لیکن قاضی شیراز جو احمد نیالتگین کا شدید مخالف اور ہندوستان میں غزنوی مقبوضات کا واحد گورنر تھا برابر جھوٹی شکایتیں کر کے سلطان مسعود کو احمد نیالتگین کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ یہاں تک کہ مسعود کو اس کا یقین دلا دیا کہ عنقریب احمد نیالتگین علم بغاوت کرنے والا ہے۔ سلطان مسعود نے قاضی شیراز کی باتوں کے فریب میں آ کر جگ ناتھ نامی سپہ سالار کو ہندو فوج کے ساتھ احمد نیالتگین کی گرفتاری اور سرکوبی کے لئے ہندوستان بھیج دیا۔ جس نے ہندوستان پہنچتے ہی تحقیق حال کئے بغیر احمد نیالتگین کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ احمد نیالتگین کو مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا۔ اس مقابلہ میں ناتھ مارا گیا۔ ناتھ کی موت نے مسعود کو احمد نیالتگین کی بغاوت کا یقین دلا دیا۔ چنانچہ مسعود نے دوبارہ تلک نامی ایک ہندو کو سپہ سالاری کا عہدہ دے کر نیالتگین کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ تلک ایک نائی کا لڑکا تھا جسے غزنی کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا تھا۔ تلک نے ہندوستان آنے کے بعد بڑی عیاری کے ساتھ احمد نیالتگین کو قتل کیا۔

سلطان مسعود کا ہندوستان پر حملہ :

ہندوستان سے غزنی واپس جانے کے بعد تلک نے سلطان مسعود کو ترغیب دی کہ وہ قلعہ ہانسی کو ضرور فتح کرے کیونکہ یہ قلعہ مسلمانوں کے خلاف شورش کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے۔ مسعود اس حملہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مگر امرائے سلطنت نے اس حملہ کی شدید مخالفت کی کیونکہ اس زمانہ میں سلجوقیوں نے بڑا طوفان برپا کر رکھا تھا اور یہ اندیشہ پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں خراساں، ماوراءالنہر اور خوارزم کے علاقے سلطنت غزنی کے قبضے سے نہ نکل جائیں۔ چنانچہ امرا نے سلطان مسعود سے التجا کی کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ غزنی میں آپ کا رہنا ضروری ہے آپ کا ہندوستان کی جانب رخ کرنا کسی طرح درست نہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ آپ کی غیر موجودگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سلجوقی تمام ملک پر چھا جائیں اور پھر ان کا نکالنا ناممکن ہو جائے۔ لیکن سلطان جو ہندوستان جانے کے لئے بے چین تھا اس نے کسی کی بات نہ مانی۔ غرضیکہ 429ھ مطابق 1038ء میں دریائے جہلم پار کر کے اور قلعہ ہانسی کے سامنے پہنچ کر فصیل قلعہ کے نیچے آرام کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اس کے بعد سونی پت پر لشکر کشی کر کے وہاں کے راجہ کو زیر کیا۔ پھر وہاں سے لاہور آیا جہاں اس نے اپنے بیٹے مجدود کو چھوڑ کر امیر ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا اور اس کے بعد غزنی واپس چلا گیا۔ غزنی پہنچنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ سلجوقی سارے ملک پر چھا چکے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان مسعود نے ملک کو سلجوقیوں سے نجات دلانے کے لئے کئی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں لیکن سلجوقی برابر حاوی ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ آخری شکست کے بعد مسعود کے غزنی سے پاؤں اکھڑ گئے۔

سلطان مسعود کی ہندوستان کو ہجرت :

سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی شورشوں اور بغاوتوں سے پریشان ہو کر سلطان مسعود نے غزنی سے ہندوستان ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ وہ لاہور کو دارالسلطنت قرار دینے کے بعد ہندوستان کی حکومت کو مضبوط بنائے گا اور ہندوستان سے لشکر جمع کرنے کے بعد غزنی آ کر سلجوقیوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے گا۔ غزنی کے امیروں اور سرداروں نے ہر چند کوشش کی کہ سلطان مسعود ہندوستان ہجرت نہ کرے بلکہ غزنی میں رہ کر ہی سلجوقیوں کا مقابلہ کرے لیکن سلطان مسعود نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ اس نے تمام مال اور خزانوں کو ہندوستان بھیجنے کے لئے اونٹوں پر بار کرنا شروع کر دیا۔ اور ہندو فوج کی نگرانی میں تین ہزار اونٹ، سونا، چاندی اور جواہرات سے لاد کر ہندوستان کی جانب روانہ کر دیئے۔ تمام اعزاء اقارب اور اہل و عیال بھی اس ہجرت میں مسعود کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے اندھے بھائی امیر محمد کو بھی قید خانہ سے نکلوا کر ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن سلطان مسعود کی بدقسمتی کہ جونہی یہ قافلہ دریائے جہلم کے کنارے پر پہنچا ہندو لشکر نے خزانہ کے لوٹنے کے لالچ میں بغاوت کر دی اور سارا خزانہ لوٹ لیا اور سلطان مسعود کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے اندھے بھائی امیر محمد کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور مسعود کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ جہاں وہ امیر محمد کے بیٹے احمد کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ مسعود کی اس ناکام ہجرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ تمام مال و دولت جو محمود غزنوی مختلف معرکوں میں ہندوستان سے غزنی لے گیا تھا نہ صرف یہ ساری دولت ہندوستان واپس آ گئی بلکہ اس کے سود میں وہ دولت بھی ہندوستان چلی آئی جو محمود نے ہندوستان کے علاوہ دوسرے معرکوں میں جمع کی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کسی ایک شخص کے پاس نہ رہی بلکہ ہندو سپاہیوں میں بٹ گئی۔

امیر مودود کا باپ کے انتقام کے لئے ہندوستان پر حملہ:

سلطان مسعود کی اس بے کسانہ موت نے مسعود کے بیٹے امیر مودود کو جو اس وقت بلخ میں تھا بے حد مشتعل کر دیا۔ امیر مودود بلخ سے غزنی پہنچا اور غزنی سے لشکر جمع کرنے کے بعد اپنے چچا امیر محمد اور اس کے بیٹے احمد سے انتقام لینے کے لئے ہندوستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ جہلم کے قریب امیر مودود اور امیر محمد جو اب سلطان محمد بن گیا تھا ان کے لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمد اور مسعود کا قاتل احمد دونوں مارے گئے۔ پھر مودود نے اپنے بھائی مجدود پر جو لاہور میں امیر ایاز کی زیر نگرانی فرمانروائی کر رہا تھا حملہ کرنا چاہا لیکن جب مجدود اور ایاز بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تو مودود غزنی واپس چلا گیا لیکن ایک سال کے بعد 433ھ میں مودود ایک بڑا لشکر لے کر دوبارہ لاہور پر حملہ آور ہوا۔ ابھی دونوں لشکروں میں مقابلہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ 9 ذی الحجہ 433ھ مطابق 1042ء کو مجدود نہایت ہی پراسرار طریقہ پر اپنے خیمہ کے اندر مردہ پایا گیا اور ایاز بھی اچانک مر گیا۔ جس ک بعد پنجاب کا سارا ملک بغیر لڑے ہوئے مودود کے قبضہ میں آ گیا۔ پنجاب سے فارغ ہونے کے بعد مودود غزنی لوٹ گیا جہاں سلجوقیوں نے شدید ہنگامے برپا کر رکھے تھے۔ جب ہندوستان کے راجاؤں نے یہ دیکھا کہ غزنی کی حکومت کمزور ہو چکی ہے تو ان سب نے ایک ایک کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ ادھر امیر مودود غزنی پہنچنے کے بعد اس طرح سلجوقیوں کے جھگڑوں میں الجھا کہ وہ مرتے دم تک ہندوستان واپس نہ آ سکا۔ چنانچہ 441ھ مطابق 1050ء میں مودود درد قولنج میں مبتلا ہونے کے بعد 39 سال کی عمر میں 9 سال حکومت کرنے کے بعد رحلت کر گیا۔

محمود غزنوی کے خاندان کا زوال :

اگر بغور دیکھا جائے تو محمود غزنوی کی سلطنت کا زوال محمود غزنوی کی موت کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا لیکن پھر بھی امیر مودود تک حکومت غزنی اور اس کے ہندوستانی مقبوضات کسی نہ کسی حد تک قائم رہے لیکن امیر مودود کے مرنے کے بعد تو غزنوی خاندان کا زوال اس تیزی کے ساتھ شروع ہوا کہ بہت کم عرصہ میں غزنوی حکومت کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ امیر مودود کے مرنے کے بعد تین مہینے علی بن مسعود نے حکومت کی۔ اس کے بعد چار سال عبدالرشید بن مسعود نے حکومت کی۔ اس کے بعد فرخ زاد بن مسعود چھ سال تک حکمراں رہا۔ اس کے بعد ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا جس نے کہ سلجوقیوں سے صلح کرنے کے بعد کئی بار ہندوستان پر حملے کئے۔ اس نے ہندوستان میں سرکشوں کو دبایا۔ بعض کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ سباوش گرد عرف چندی کا قلعہ فتح کیا۔ اجودھن یعنی پاک پٹن فتح کر کے وہاں کی بغاوتوں کو دبایا۔ 481ھ میں جب ابراہیم بن مسعود فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا جس نے سولہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ارسلان شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد ارسلان شاہ کا بھائی بہرام شاہ سلطان سنجر سلجوقی کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ ارسلان شاہ بھاگ کر ہندوستان آیا اور ایک بڑا لشکر لے کر بہرام شاہ کی مخالفت میں غزنی پر چڑھائی کر دی مگر بہرام شاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بہرام شاہ نے ہندوستان پر بھی کئی حملے کئے اور یہاں کے باغیوں کو پوری طاقت کے ساتھ دبایا۔ 537ھ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرام شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہوا جو علاء الدین حسین غوری کے مقابلہ سے فرار ہو کر لاہور چلا آیا تھا اور یہاں 555ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک لاہور میں تخت نشین ہوا جس کو سلطان شہاب الدین غوری پنجاب سے گرفتار کر کے 542ھ مطابق 1185ء میں غزنی لے گیا تھا۔ یہ غزنی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔

خاندان غزنی کے زوال کے وقت ہندوستان کی حالت :

محمود غزنوی کی وفات کے وقت پنجاب، ملتان اور سندھ کے اکثر علاقے سلطنت غزنی کے جزو بن چکے تھے۔ گجرات، مالوہ، اجمیر، دلی، مہابن، بلند شہر، قنوج، متھرا، میرٹھ، گوالیار، کالنجر اور دوسری بے شمار ریاستیں غزنی کو باقاعدہ خراج ادا کرتی تھیں۔ سلطان مسعود کے زمانہ میں سونی پت اور بنارس کے رہے سہے علاقے بھی باجگزار بنالئے گئے تھے۔ لیکن سلطان مسعود کی غزنی سے ہندوستان کو ہجرت اور غزنی کے خزانہ کی بربادی نے ہندوستانی ریاستوں میں پھر بغاوت کی لہر پیدا کردی جو امیر مودود کی وفات کے بعد کھلم کھلا منظر عام پر آ گئی۔ چنانچہ دلی کے راجہ انگ پال نے یہ دیکھتے ہوئے کہ غزنی کی مرکزی حکومت کمزور ہو چکی ہے غزنی کے تمام باجگزار راجاؤں کو دھرم کے نام پر حکومت غزنی کے خلاف بغاوت کے لئے ابھارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نگر کوٹ اور دلی کے علاقے حکومت غزنی سے نکل گئے۔ لیکن بعد میں دلی کے علاقہ پر پھر غزنوی اقتدار چند روز کے لئے قائم ہو گیا۔ مگر 463ھ میں ہندوؤں نے پھر زور پکڑ کر تھانیسر اور ہانسی وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ سلطان ابراہیم نے 465 ہجری میں دوبارہ ان علاقوں کو فتح کیا اور ہندو راجاؤں سے خراج بھی وصول کیا۔ پنجاب اور سندھ کے علاقے بدستور حکومت غزنی کا جزو بنے رہے۔ لیکن وہاں بھی چھوٹی موٹی بغاوتیں برابر رونما ہوتی رہیں۔ ادھر بنارس کے راجہ چندر دیو نے 481ھ میں قنوج پر حملہ کر کے قنوج کے سابقہ راجہ کنور رائے کے سارے خاندان کو تہہ تیغ کر دیا اور قنوج پر قبضہ جما لیا۔ غرضیکہ خاندان غزنی کے زوال کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اور ہر جگہ بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔ صرف پنجاب اور سندھ میں یہ وبا کسی حد تک کم تھی۔ اور ایسا ہونا قدرتی تھا کیونکہ جب غزنی کا مرکز ہی کمزور ہو چکا تھا تو اس نوعیت کی شورشوں اور بغاوتوں کا اٹھ کھڑا ہونا بالکل قدرتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

سلطان شہاب الدین غوری کی حکومت

571ھ مطابق 1175ء تا 602ھ مطابق 1206ء

اس سے قبل ہم یہ بتا چکے ہیں کہ محمد بن قاسم نے کن حالات میں 93ھ مطابق 713ء میں سندھ پر حملہ کیا تھا اور محمد بن قاسم کی قائم کردہ اسلامی حکومت کس طرح ایک زمانہ دراز تک علاقہ سندھ میں فرمانروائی کرتی رہی۔ محمد بن قاسم کا دور ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا پہلا دور تھا جو کئی صدی تک قائم رہا۔

محمد بن قاسم کی قائم کردہ حکومت کے بعد ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا دوسرا دور سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے شروع ہوتا ہے۔ ان حملوں کی تفصیلات پر غائر نظر ڈالنے کے بعد یہ چیز صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ محمود غزنوی کے حملے محمد بن قاسم کی جنگی سرگرمیوں سے بالکل مختلف تھے۔ محمد بن قاسم کا منشا تو یہ تھا کہ وہ سندھ اور ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی حکومت قائم کرے اس کے برخلاف محمود غزنوی کے حملوں کا منشا اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ محمود اپنی پڑوسی حکومت یعنی حکومت پنجاب کے خطرات سے بے نیاز ہو جانا چاہتا تھا۔ اور اس کی خواہش یہ تھی کہ وہ ہندوستان کے راجاؤں کو اپنا باجگذار بننے کے بعد ان کی جانب سے بے فکر ہو جائے لیکن آخری دور حکومت میں محمود اور اس کے جانشینوں نے بھی یہ ضروری سمجھا کہ پنجاب اور سندھ کے علاقوں کو باقاعدہ حکومت غزنی کے ساتھ ملحق کر لیا جائے۔ چنانچہ غزنی کے آخری بادشاہوں نے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا اور ان کے آخری تاجدار خسرو ملک کو شہاب الدین غوری لاہور ہی سے گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

غزنوی دور حکومت کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تیسرا دور شہاب الدین غوری سے شروع ہوتا ہے۔ شہاب الدین غوری اور محمد بن قاسم کے ارادوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جس طرح محمد بن قاسم سندھ میں اور ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت کے قیام کا خواہشمند تھا بالکل اسی طرح شہاب الدین غوری بھی یہ چاہتا تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک نہایت ہی مستحکم اسلامی حکومت قائم کر دے چنانچہ محمد غوری نے محمود غزنوی کی طرح محض ہندو راجاؤں کو باجگذار بنانے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ہندوستان میں اپنے اعمال مقرر کر کے غوری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کو برابر وسعت دیتا چلا گیا اس نے صرف صوبہ سندھ پنجاب اور شمالی ہند پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اس کی فتوحات کا وسیع دائرہ بنگال تک پھیل گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم ہندوستان میں شہاب الدین غوری کی فتوحات پر تبصرہ کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ شہاب الدین غوری کے آباؤ اجداد کون تھے اور ان کی جنگی سرگرمیاں کب سے شروع ہوئیں۔

شہاب الدین غوری کے آباؤ اجداد:

شہاب الدین غوری کا سلسلہ نسب غور کے رئیس شنسب بن حریق سے ملتا ہے۔ جو ابتدا میں بت پرست تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور حکومت میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ شنسب بن حریق سے جو نسل چلی وہ شنبی کہلائی۔ ان ہی میں لودی اور سوری پٹھان بھی شامل ہیں۔ چنانچہ محمد بن سوری حاکم غور جس نے قرامطہ کا آلہ کار بن کر محمود غزنوی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ وہ بھی اسی شنبی نسل سے تھا اور شہاب الدین غوری کے آباؤ اجداد میں سے تھا۔ محمد بن سوری کی شکست اور خودکشی کے بعد محمود غزنوی نے اس کے بیٹے امیر ابو علی کو غور کی حکومت پر اس لئے فائز کر دیا تھا کہ وہ قرامطہ کے معاملہ میں اپنے باپ کی ضد تھا یعنی اس کو بھی محمود غزنوی کی طرح قرامطہ سے نفرت تھی۔ امیر ابو علی کے بعد اس کا بھائی شیث غور کے تخت پر بیٹھا۔ پھر شیث کا بیٹا امیر عباس حاکم ہوا۔ اس کے بعد امیر محمد بن امیر عباس نے تخت سنبھالا۔ پھر امیر محمد کا بیٹا قطب الدین حسن غور کا حکمران ہوا۔ اس کے بعد قطب الدین کا بیٹا عز الدین حسن جب غور کے تخت پر بیٹھا تو یہ دیکھتے ہوئے کہ غزنی کی حکومت کمزور ہو گئی ہے۔ سلطان سنجر سلجوقی کی مدد سے حکومت غور کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ جس کو غزنی کے سلطان مسعود بن ابراہیم کو بادل ناخواستہ گوارا کرنا پڑا اور اس آزادی کے اعلان کے بعد ہی سے سلطنت غور کا عروج شروع ہوا۔ لیکن یہ سب کے سب اپنے مورث اعلیٰ محمد بن سوری کی طرح مذہب قرامطہ کے پیرو تھے۔ عز الدین حسن جس نے کہ حکومت غور کی خود مختاری کا اعلان کر کے اس حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں شہاب الدین غوری کا دادا تھا۔

امیر عز الدین جب مرا تو اس کے سات بیٹے تھے جو سب کے سب جوان تھے عز الدین کے مرنے کے بعد غور کی حکومت جو کافی وسیع ہو چکی تھی اس کے بڑے بیٹے سیف الدین سوری کو ملی لیکن اس نے اپنی حکومت اپنے دوسرے تمام بھائیوں میں تقسیم کر دی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ شہاب الدین غوری کا باپ بہاء الدین سام، قطب الدین محمد، علاؤ الدین حسین، شجاع الدین، شہاب الدین محمد، فخر الدین مسعود۔ غرض کہ سیف الدین سوری نے اپنے ان سب بھائیوں میں حکومت کے مساوی حصے تقسیم کر دیئے۔ اگر چہ ان سب بھائیوں میں بے حد محبت تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ایک بھائی قطب الدین محمد دوسرے بھائیوں سے خفا ہو کر غزنی کے سلطان بہرام شاہ مسعود کے پاس چلا گیا۔ مگر بہرام شاہ نے اس کو سازش کے شبہ میں قتل کرا دیا۔ قطب الدین کا قتل ہونا تھا کہ تمام غوری بھائیوں میں بہرام شاہ کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ امیر سیف الدین والی غور ایک بڑا لشکر لے کر غزنی پر حملہ آور ہوا۔ بہرام شاہ کو شکست ہوئی اور وہ غزنی چھوڑ کر ہندوستان بھاگ گیا اور اس طرح امیران غور کا غور کے علاوہ غزنی پر بھی قبضہ ہو گیا۔ بہرام شاہ ہندوستان سے فوج جمع کرنے کے بعد دوبارہ غزنی پہنچا۔ اور غزنی پر حملہ کر دیا۔ سیف الدین جب مقابلہ پر آیا تو سیف الدین کی فوج نے جو غزنی کے سپاہیوں پر مشتمل تھی اس سے غداری کر کے اسے گرفتار کروا دیا۔ بہرام شاہ نے سیف الدین کی خوب تذلیل کر کے اسے بڑی بے دردی سے قتل کرایا۔

قطب الدین کے قتل کے بعد دوسرے بھائی سیف الدین سوری کے قتل کی افسوسناک اطلاع سن کر شہاب الدین غوری کا باپ بہاء الدین سام بہرام شاہ کے مقابلہ کے لئے غزنی روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی راستہ ہی میں تھا کہ فوت ہو گیا تین بھائیوں کی پے در پے موت نے علاء الدین حسن کو بری طرح مشتعل کر دیا چنانچہ علاء الدین حسن ایک جرار لشکر لے کر غزنی پر پل پڑا۔ بہرام شاہ نے ہندی لشکر کے ذریعہ مقابلہ کیا مگر اسے شکست پر شکست ہوئی۔ اور بہرام غزنی کا میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ علاء الدین حسن جو غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے غزنی میں داخل ہو کر سات شبانہ روز قتل عام کرایا۔ شہر میں آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ غرض کہ غزنی کا کوئی گھر جلنے سے اور کوئی خاندان قتل ہونے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اسی لئے علاء الدین کو "جہاں سوز" کہتے ہیں۔ علاء الدین جہاں سوز ایک معرکہ میں سلطان سنجر کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا جس نے چند روز کے بعد علاء الدین کو رہا کر دیا تھا۔ علاء الدین جو پہلے ہی سے مذہب قرامطہ کا پیرو تھا جب حسن بن صباح کی جماعت ملاحدہ نے اسے دعوت دی تو وہ ملاحدہ کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ علاء الدین جہاں سوز کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین محمد تخت پر بیٹھا۔ سیف الدین ایک نہایت ہی سچا اور باخدا حکمراں تھا جس کو کہ قرامطہ اور ملاحدہ سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ وہ ملاحدہ کی سازش کے ماتحت اپنے ہی سپہ سالار ابو العباس شیش کے ہاتھوں دھوکہ سے اس وقت قتل ہوا جب کہ وہ ترکان غز کے خلاف معرکہ جنگ میں داد شجاعت دے رہا تھا۔ سیف الدین کے مقتول ہونے پر غوری کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور غوریوں کو ترکان غز کے مقابلہ میں شکست ہو گئی۔ سیف الدین محمد جس کو ابو العباس شیش نے قتل کیا تھا سلطان شہاب الدین غوری کا چچازاد بھائی تھا۔

سیف الدین محمد کے قتل کے بعد سپہ سالار ابو العباس شیش نے بہاء الدین سام کے بڑے بیٹے شمس الدین کو یعنی شہاب الدین غوری کے بڑے بھائی کو غیاث الدین کے لقب کے ساتھ تخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نشین کیا۔اس کے بعد منتشر لشکر کو فراہم کر کے ابوالعباس نے ترکان غز کو شکست دی لیکن غیاث الدین کی حیثیت ایک کٹھ پتلی بادشاہ سے زیادہ نہ تھی جس پر سپہ سالار ابوالعباس شیش بالکل حاوی تھا۔حقیقت میں اصل بادشاہ شیش ہی تھا۔شہاب الدین غوری جو اس زمانہ میں بامیان میں تھا۔جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا بڑا بھائی تخت نشین ہو چکا ہے۔اور سپہ سالار ابوالعباس شیش نے اسے کٹھ پتلی بنا رکھا ہے تو وہ فوراً بھائی کے پاس فیروزہ کوہ میں پہنچا۔اور دونوں بھائیوں نے مل کر سپہ سالار ابوالعباس شیش کے پنجہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے تدبیریں شروع کر دیں۔ادھر ابوالعباس شیش بھی غیاث الدین سے بدظن ہو چکا تھا چونکہ غیاث الدین بھی اپنے چچازاد بھائی اور پیشرو سیف الدین کی طرح قرامطہ اور حسن بن صباح ملاحدہ کا شدید دشمن تھا۔چنانچہ ابوالعباس شیش نے غیاث الدین کے خلاف غور کے لوگوں میں شورش پیدا کرا دی۔لیکن شہاب الدین غوری نے جرأت سے کام لے کر سپہ سالار ابوالعباس شیش کو سر دربار قتل کرا دیا اور اس طرح وہ سارے فتنے دب گئے جو حکومت غور کے خلاف ابوالعباس شیش اور اس کے حواریوں نے کھڑے کر رکھے تھے۔

ایک ملک میں دو بادشاہ:

کہتے ہیں کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے لیکن غور کے سلطان غیاث الدین نے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری کو اپنی حکومت میں برابر کا شریک کر کے اس قول کو غلط ثابت کر کے دکھا دیا۔غیاث الدین سے پہلے اس کے باپ اور چچاؤں میں بھی ایسا ہی اتحاد تھا کہ یہ سب بھائی ایک دوسرے پر جان قربان کرتے تھے اور انہوں نے اپنی حکومت کو ساتوں بھائیوں میں تقسیم کر لیا تھا۔جب غیاث الدین تخت پر بیٹھا تو اس نے بھی اپنے باپ بہاء الدین سام اور اپنے چچاؤں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری کو اپنی حکومت میں برابر کا شریک کر لیا۔غیاث الدین نے ابتدا ہی میں شہاب الدین غوری کو نگین آباد اور گرم سیر کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا۔لیکن بعد کو 517ء میں غزنی کو فتح کرنے کے بعد بڑے ترک واحتشام کے ساتھ شہاب الدین غوری کو معز الدین کے لقب کے ساتھ غزنی کے تخت پر بٹھایا۔اور اس کے بعد خود اپنے دار السلطنت فیروز کوہ میں واپس چلا گیا اور ان علاقوں کے انتظام میں مصروف ہوا جو اس نے اپنی حکومت کے لئے رکھ لئے تھے۔ان دونوں بھائیوں میں ساری عمر ایسا اتفاق اور یکجہتی رہی کہ اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔شہاب الدین اپنے علاقہ کا بااختیار بادشاہ بھی رہا اور بڑے بھائی کا اطاعت گذار ماتحت بھی۔اس نے ساری عمر اپنے بڑے بھائی کا پوری طرح احترام کیا۔ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی فوجی سرگرمیوں کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیحدہ علیحدہ میدان تجویز کر لئے تھے۔ بڑا بھائی غیاث الدین ملک کے اندرونی نظام کے درستی اور بغاوتوں کی جانب متوجہ ہوگیا۔ چنانچہ اس نے ترکان غز کو اپنا مطیع بنایا۔ امرائے سنجر کو شکست دے کر ہرات و بلخ وغیرہ کا علاقہ فتح کیا۔ اور خوارزم شاہی حکومت کو شکست دے کر اسے اپنے قدموں میں جھکالیا۔ اس کے علاوہ حسن بن صباح ملاحدہ کی خوب سرکوبی کی۔ اسی دورن میں چھوٹا بھائی شہاب الدین غوری ہندوستان میں فتوحات حاصل کرتا رہا۔ غرض کہ ان دونوں نے اپنی جنگی سرگرمیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ جو میدان تجویز کر لئے تھے۔ اس میں ان کو بے اندازہ کامیابی حاصل ہوئی۔ سلطان غیاث الدین 43 سال حکومت کر کے بعمر 63 سال میں فوت ہوگیا۔ بھائی کے مرنے کے بعد شہاب الدین غوری ساری حکومت کا واحد فرمانروا بن گیا۔ شہاب الدین غوری نے اپنے دور حکومت میں جو بے نظیر جنگی فتوحات حاصل کی ہیں ان کا اندازہ اس تاریخ کے مندرجہ ذیل واقعات سے ہوسکتا ہے۔

شہاب الدین غوری کے حملہ سے پہلے ہندوستان کی حالت:

سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر سب سے پہلا حملہ 571 ہجری مطابق 1175ء میں کیا تھا۔ لیکن اس حملہ سے قبل اور حکومت غزنی کے زوال کے بعد ایک سو سال کا عرصہ ہندوستان میں ایسا گذرا ہے جس پر تاریخی لحاظ سے تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی اتنا پتہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس درمیانی عرصہ میں ہندوستان کی حکومتوں میں اہم سیاسی انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ راجپوت راجہ جو پہلے طاقتور تھے بہت کمزور ہوگئے۔ اور وہ کمزور راجپوت راجہ جن کو غزنوی دور حکومت میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ انہوں نے غزنوی حکومت کے زوال کے بعد خاصی اہمیت حاصل کر لی یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ حکومت غزنی کے زوال کے بعد پنجاب اور سندھ کو چھوڑ کر باقی تمام شمالی ہند کے راجاؤں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ شہاب الدین غوری کے حملہ سے قبل ہندوستان میں کون کون سی اہم حکومتوں نے ابھرنے کے بعد خودمختارانہ حیثیت سے فرمانروائی شروع کر دی تھی۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ 483ھ میں بنارس کے راجہ چندیو راٹھور نے قنوج کے راجہ کنور رائے کی اولاد کو اس جرم میں قتل کر ڈالا تھا۔ کیونکہ کنور رائے کی اولاد حکومت غزنی کی اطاعت شعار تھی۔ چنانچہ کنور رائے کی اولاد کو قتل کرنے کے بعد راجہ چندر دیو نے قنوج میں راٹھور خاندان کی حکومت قائم کر دی تھی۔ اسی راٹھور خاندان کا راجہ جے چند شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت قنوج پر حکومت کر رہا تھا۔ اور یہ اپنے آپ کو ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ تصور کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ہندوستان کے تمام راجہ اپنے آپ کو اس کا باجگذار تصور کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی زمانہ میں قنوج کے راجہ جے چند کے علاوہ دہلی اور اجمیر کے راجہ "پرتھوی راج" کا بھی بڑا دور دورہ تھا اور اس کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ ہے۔ اور اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ ہندوستان کے دوسرے تمام راجہ اس کے اطاعت گذار بن کر رہیں۔ چونکہ قنوج اور دہلی دونوں حکومتوں کے راجاؤں میں سرداری کا جذبہ کارفرما تھا اس لئے ان دونوں میں ان بن رہتی تھی۔ اور یہ ان میں اس حد تک بڑھ گئی کہ جب قنوج کے راجہ جے چند نے اپنی راجکماری سنجوگتا کا سوئمبر کیا۔ تو پرتھوی راج کی تذلیل کی خاطر اس کا بت بنوا کر دربان کی جگہ کھڑا کر دیا۔ لیکن پرتھوی راج جس کو کہ سنجوگتا سے محبت تھی۔ سنجوگتا کو بھرے مجمع میں اٹھا کر اور گھوڑے پر سوار کر کے لے گیا اور اس طرح راجہ جے چند کو اپنی تذلیل کا جواب دے دیا۔ اس واقعہ کے بعد پرتھوی راج اور جے چند میں خوب ٹھن گئی اور اس خانہ جنگی سے یہ دونوں بڑی حکومتیں کمزور ہوتی چلی گئیں۔

دہلی اور قنوج کی ان دو بڑی حکومتوں کے علاوہ گجرات میں مبگھیلے راجپوتوں کی بھی ایک مضبوط حکومت تھی۔ اور بنگال و بہار اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی کئی راجپوت راجہ بڑی شان سے حکومت کر رہے تھے۔ لاہور اور پنجاب پر اب بھی کسی نہ کسی حد تک غزنوی خاندان کا برائے نام اقتدار باقی تھا۔ لیکن سندھ اور ملتان میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ یہ تھی سلطان شہاب الدین کے ہندوستان پر حملہ سے قبل اس ملک کی حالت۔

شہاب الدین غوری کا ملتان پر حملہ:

غزنی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری تقریباً دو سال تک تو غزنی کی حکومت کو مضبوط بنانے اور اس کو قرامطہ نیز حسن بن صباحی ملاحدہ سے پاک کرنے میں مصروف رہا۔ غزنی کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ سب سے پہلے پنجاب کی جانب رخ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ پنجاب جو زمانہ دراز سے غزنی کا ایک ماتحت صوبہ رہا ہے۔ اب اسے واپس ملنا چاہئے کیونکہ وہ غزنی کی مرکزی حکومت کا فرمانروا بن چکا تھا۔ اور اس کا پنجاب اور دوسرے غزنی کے ماتحت علاقوں پر جائز حق تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ پنجاب کی جانب رخ کرتا اسے ملتان سے اطلاع ملی کہ حسن بن صباحی ملاحدہ نے ملتان پر قبضہ جما لیا ہے۔ چونکہ ملتان بھی پنجاب کی طرح حکومت غزنی کا ایک ماتحت صوبہ تھا۔ اس لئے شہاب الدین غوری 571ھ مطابق 1177ء میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملتان پر حملہ آور ہوا۔ ملاحدہ نے سخت مقابلہ کے بعد شکست کھائی۔ بے شمار ملاحدہ شہاب الدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد شہاب الدین غوری نے اپنے سپہ سالار علی کرماخ کو تو ملتان کا عامل مقرر کیا۔ اور خود مقام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُچ پر جہاں ملاحدہ جمع تھے حملہ کر دیا۔ راجہ اچ قلعہ میں محصور ہو کر شہاب الدین غوری کا مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن اچ کی رانی نے شہاب الدین سے سازش کر کے راجہ کو ہلاک کر دیا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا غرض کہ اس طرح اچ پر شہاب الدین غوری کا قبضہ ہو گیا۔ شہاب الدین نے اچ کو بھی علی کرماخ کے ماتحت کر دیا اور راجہ اچ کی لڑکی سے نکاح کر کے اسے اور بیوہ رانی کو غزنی لے گیا۔ یہ دونوں ماں بیٹیاں غزنی پہنچنے کے بعد دو سال کے اندر اندر مر گئیں۔

شہاب الدین غوری کو گجرات میں شکست:

شہاب الدین غوری نے چونکہ حسن بن صباحی ملاحدہ کو غزنی، ملتان، اچ اور سنقران میں بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا تھا اس لئے ملاحدہ کے مرکز ''قلعہ الموت'' کا حاکم محمد بن حلی ذکرا جو حسن بن صباح کا جانشین تھا۔ شہاب الدین کا جانی دشمن بن گیا۔ اور اس نے نیر و والہ (گجرات) کے راجہ بھیم دیو سے شہاب الدین کے خلاف ایک جنگی معاہدہ بھی کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ بھیم دیو نے ایک بڑا لشکر فراہم کر کے ملتان اور اچ کو شہاب الدین کے عامل کرماخ سے نکالنے کی تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔ جب شہاب الدین غوری کو اس سازش کا علم ہوا تو وہ 574 ہجری مطابق 1178 عیسوی میں سیدھا ملتان پہنچا اور وہاں کے حالات کو درست کرنے کے بعد نیر و والہ (گجرات) کی جانب رخ کیا تا کہ وہاں کے راجہ کی قلعہ الموت والوں سے سازش کرنے پر سرکوبی کرے۔ لیکن سلطان کر اس سفر میں ریگستان کی وجہ سے اور پانی نہ ملنے کی بنا پر سخت تکالیف اور تباہی کا سامنا ہوا۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین جب نیر و والہ (گجرات) کے قریب پہنچا تو اس کی فوج کا بیشتر حصہ راستہ کی صعوبتوں اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی سلطان نے راجہ پر حملہ کر دیا۔ راجہ اور ملاحدہ کی فوج نے جو کثیر تعداد میں تھی اس جنگ میں شہاب الدین کو شکست دے دی۔ اس شکست کے بعد شہاب الدین غوری کو سخت ناکامی کے بعد واپس لوٹنا پڑا۔ واپسی میں سلطان کو سخت مصیبتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا۔ الغرض سلطان اپنے ہزاروں سپاہی ضائع کر کے اور سخت ترین تکالیف برداشت کرنے کے بعد بڑی مشکل سے غزنی پہنچا۔ اور اب اسے احساس ہوا کہ سندھ اور گجرات پر حملہ کرنے کے لئے پنجاب کے علاقہ پر سب سے پہلے قبضہ جمانا کس قدر ضروری ہے۔

شہاب الدین غوری کا پشاور اور لاہور پر حملہ:

سلطان شہاب الدین غوری 575ھ مطابق 1178ء میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ پشاور پر حملہ آور ہوا۔ پشاور کی فتح کے بعد اس نے پنجاب کے مغربی اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ اوران اضلاع کے انتظام اوراستحکام سے فارغ ہونے کے بعد 576ھ مطابق 1179ء میں لاہور پر حملہ آور ہوا خسرو ملک حاکم لاہور جس میں کہ شہاب الدین غوری کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ قلعہ میں محصور ہو گیا اور اس نے سلطان سے عاجزانہ درخواست کی کہ اسے بدستور لاہور کا حاکم رہنے دیا جائے۔ خسرو ملک نے بطور یرغمال اپنے بیٹے کو بھی سلطان کے پاس بھیج دیا اور ایک ہاتھی بھی نذر کیا اور اطاعت کا وعدہ کیا۔ سلطان نے خسرو ملک کی درخواست قبول کر لی اور وہ لاہوز سے محاصرہ اٹھانے کے بعد غزنی واپس چلا گیا۔

سلطان شہاب الدین کا کراچی پر حملہ:

اب جب کہ شہاب الدین پنجاب کو مطیع بنا چکا تھا اور پنجاب کے مغربی اضلاع میں اپنے عمال مقرر کر چکا تھا۔ تو اس نے سوچا کہ پنجاب کے راستہ سندھ کی اہم ترین بندرگاہ دیبل (کراچی) پر قبضہ جمائے چونکہ دیبل ہی وہ مقام تھا جس کے ذریعہ ملاحدہ الموت، نیر ووالہ (گجرات) کے راجہ بھیم دیو کو ہر قسم کی امداد پہنچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ شہاب الدین غزنی میں توقف کئے بغیر پھر پنجاب واپس آیا۔ اور پنجاب سے سندھ ہوتا ہوا دیبل (کراچی) پر حملہ آور ہوا۔

شہاب الدین نے دیبل (کراچی) اور دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا سارا علاقہ فتح کرنے کے بعد دیبل (کراچی) میں ایک عامل مقرر کر دیا اور اس طرح سلطان نے گجرات اور سندھ کے درمیان ایک مضبوط دیوار قائم کر دی تا کہ گجراتی راجہ اور قلعہ الموت کے ملاحدہ کے درمیان فوجی بند کا راستہ بند ہو جائے اور اس امداد کے بند ہونے کے بعد وہ سازشیں خود بخود ختم ہو جاتیں جو گجراتی راجہ اور ملاحدہ نے جاری کر رکھی تھیں اس انتظام کے بعد شہاب الدین غوری غزنی واپس چلا گیا۔

پنجاب کی فتح اور خاندان غزنی کے آخری حکمران کی گرفتاری:

سلطان شہاب الدین غوری پنجاب کو مطیع بنانے کے بعد اور دیبل (کراچی) کو فتح کر کے ہندوستان کی جانب سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس کے جاسوسوں نے اسے غزنی میں مطلع کیا کہ خسرو ملک نے پنجاب کو غوری اقتدار سے نکالنے کے لئے ہندو راجاؤں سے ساز باز شروع کر دی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ہندوؤں کی مشہور جنگجو قوم گکھڑوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی شہاب الدین غوری 580ھ مطابق 1183ء میں ایک بڑی فوج لے کر پنجاب آیا۔ خسرو ملک لاہور کے قلعہ میں محصور ہو کر مقابلہ کرتا رہا۔ جب لاہور کا قلعہ فتح نہ ہوا تو سلطان نے سیالکوٹ میں ایک قلعہ تعمیر کر کے سردار حسین خرسیل کو پنجاب میں محصور ہونے پر مجبور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردیا۔ سردار حسین نے محصور ہونے کے باوجود بڑی بہادری سے مقابلہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک خسرو اس قلعہ کو تسخیر کئے بغیر لاہور واپس چلا گیا۔ جب ان واقعات کی اطلاع سلطان شہاب الدین غوری کو ملی تو اس نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ دوبارہ 583ھ مطابق 1185ء میں لاہور پر حملہ کردیا۔ خسرو ملک حسب سابق پھر قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ جب سلطان کو یہ یقین ہو گیا کہ اس طرح خسرو ملک پر قابو پانا مشکل ہے تو اس نے جنگی چال چلی اور اپنی فوجیں ہٹالیں اور یہ ظاہر کیا کہ وہ خراسان جارہا ہے۔ فوجوں کے ہٹنے کے بعد خسرو ملک قلعہ سے باہر آیا تو سلطان نے اس پر اچانک حملہ کر کے گرفتار کرلیا۔ خسرو ملک کے گرفتار ہوتے ہی لاہور اور سارے پنجاب پر شہاب الدین غوری کا قبضہ ہو گیا۔ شہاب الدی غوری نے ملتان کے گورنر علی کرماخ کو لاہور بلایا۔ اور پنجاب وملتان دونوں صوبوں کی گورنری اس کے سپرد کر کے غزنی چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ حکومت غزنی کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو بھی گرفتار کر کے لے گیا۔ اور اس طرح ہندوستان سے محمود غزنوی کی اولاد کی حکومت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔ لاہور سے غزنی جانے کے بعد خسرو ملک پانچ سال زندہ رہا۔ پانچ سال کے بعد اسے اور اس کے سارے خاندان کو قلعہ برجتان میں جہاں وہ مقید تھا قتل کردیا گیا۔

پرتھوی راج کے مقابلہ میں شہاب الدین کو شکست:

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ دہلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کا ہندوستان میں بڑا دور دورہ تھا۔ ہندوستان پر سلطان شہاب الدین کے حملوں سے قبل اس راجہ نے حکومت غزنوی کے آخری حکمراں خسرو ملک سے مشرقی پنجاب اور دہلی کا علاقہ چھین لیا تھا۔ اور خسرو ملک پرتھوی راج کی اس جسارت کے خلاف کچھ بھی نہ کرسکا۔ لیکن اب جب کہ حکومت غزنی کے سارے حقوق غوری حکومت کو حاصل ہو چکے تھے۔ اور سلطان شہاب الدین نے سندھ، ملتان اور پنجاب کے علاقوں پر پوری طرح قبضہ جمالیا تھا تو یہ ضروری سمجھا گیا کہ مشرقی پنجاب اور دہلی کے ان علاقوں کی واپسی کے لئے پرتھوی راج سے مطالبہ کیا جائے جو غزنی سلطنت کا ایک حصہ تھا، اور جن کا بجا طور پر جائز حقدار غزنوی حکومت کا جانشین شہاب الدین غوری تھا چنانچہ سلطان شہاب الدین نے رائے پتھورا (پرتھوی راج) سے ان علاقوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا کہ سلطنت غزنی کے مقبوضہ علاقے فوراً واپس کرو۔ اور جس طرح سلطان محمود غزنوی کی قیادت کو تسلیم کرتے تھے اسی طرح اب ہماری قیادت کو تسلیم کرو۔ پرتھوی راج نے سلطان کے اس خط کا نہایت سختی سے جواب دیا۔ اور اس نے راجہ جے پال اور انند پال کی تقلید کرتے ہوئے شہاب الدین غوری کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کرنے کے لئے بے شمار راجاؤں کو دعوت دے دی بس پھر کیا تھا حسب سابق بیشمار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوجیں اور خزانے پرتھوی راج کے پاس پہنچنے لگے۔ادھر شہاب الدین نے حالات کا جائزہ لئے بغیر ایک چھوٹے سے لشکر کے ذریعہ بھٹنڈہ پر جو کہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا حملہ کر کے فتح کرلیا اور قاضی ضیاء الدین تولکی کو بارہ سو آدمیوں کی فوج اس قلعہ کی حفاظت کے لئے دے کر سلطان خود لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔

ابھی سلطان راستہ ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ پرتھوی راج اور اس کا بھائی کھانڈے رائے متعدد راجاؤں کے ہمراہ دو لاکھ سپاہی اور بے شمار ہاتھی لئے سلطان کے مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔اب سلطان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اسے پوری تیاری کے بغیر پرتھوی راج سے چھیڑ چھاڑ نہیں شروع کرنی چاہیے تھی۔سلطان کے ساتھ اس وقت مشکل سے تین چار ہزار سپاہی تھے۔جو کسی طرح بھی پرتھوی راج کے بے پناہ لشکر سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔لیکن پھر بھی سلطان کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ دشمن کے مقابلہ سے منہ موڑ کر کمزوری کا ثبوت دے۔

سلطان شہاب الدین کی اس مختصر سی فوج کا پرتھوی راج کے عظیم الشان لشکر سے رائن یعنی کورکھشتر کے تاریخی میدان میں 587ھ مقابلہ 1191ء میں مقابلہ ہوا۔ایک طرف غوریوں کی مختصر فوج تھی اور دوسری طرف تمام بڑے بڑے راجاؤں کا بے پناہ لشکر سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔شروع میں تو غوریوں کا لشکر بہادری سے لڑتا رہا لیکن جب راجپوتوں کی یورش نے ان کی فوج کا دایاں اور بایاں بازو توڑ دیا تو غوری لشکر میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی لیکن شہاب الدین غوری عین لشکر کے وسط میں چاروں طرف سے گھر جانے کے باوجود بڑی شجاعت سے ہر چہار طرف کے حملوں کو روکتا رہا۔کھانڈے رائے سلطان کو کچلنے کے لئے اپنا ہاتھی بڑھا کر لایا تو سلطان نے ایسا نیزہ مارا کہ کھانڈے رائے کے دانت جھڑ گئے۔اس کے جواب میں کھانڈے رائے نے سلطان پر جو حملہ کیا۔وہ نہایت ہی مہلک اور شدید ثابت ہوا۔کھانڈے رائے کی تلوار سلطان کے شانہ کو کاٹتی ہوئی اس قدر گہری اتر گئی کہ سلطان کی جان خطرہ میں پڑ گئی۔سلطان گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ ایک خلجی غلام لپک کر سلطان کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور سلطان کو تھام لیا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ بچا کر نکال لیا۔اب کیا تھا رہی سہی غوری فوج بھی میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔راجپوتوں نے چالیس میل تک مسلمانوں کا تعاقب کیا۔سلطان کو بے ہوشی کی حالت میں لاہور لایا گیا غوری فوج کے بچے کھچے سپاہی بھی لاہور پہنچ گئے۔سلطان نے شدید زخمی ہونے کے باوجود صرف چند روز لاہور میں قیام کیا اس کے بعد سلطان غزنی چلا گیا۔سلطان کے غزنی چلے جانے کے بعد بھٹنڈہ کے قلعہ کا عامل قاضی ضیاء الدین تولکی محصور ہونے کے باوجود تقریباً ایک سال تک پرتھوی راج کا مقابلہ کرتا رہا۔آخر کار دونوں میں صلح ہو گئی اور ضیاء الدین تولکی قلعہ خالی کر کے لاہور چلا گیا۔تولکی کے جانے کے بعد پرتھوی راج نے پھر اس قلعہ پر قبضہ جمالیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کا مٹھی بھر آدمیوں کے ذریعہ پرتھوی راج کے بے پناہ لشکر پر فتح پانا ناممکن ہے۔ لیکن اس کو اس کا تصور بھی نہ تھا کہ اس کے فوج کے سردار اور سپاہی اسے دشمنوں کے نرغہ میں لڑتا ہوا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ سلطان کو سپاہیوں اور سرداروں کی اس روش سے بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ غزنی پہنچنے کے بعد سلطان نے ان بزدلوں کو سخت ترین سزائیں دیں جنہوں نے محض اپنی جان بچانے کے لئے فرار ہونے کی ذلت گوارا کی تھی۔ ان بزدلوں کے منہ پر توبڑے چڑھادئے گئے اور ان میں دانہ بھر دیا گیا اور ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ گھوڑوں کی طرح دانہ کھائیں جنہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا ان کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ان بزدلوں کی غزنی کے گلی کوچوں میں گشت کرانے کے بعد اچھی طرح تذلیل کی گئی۔ جن لوگوں کو سلطان نے یہ عبرتناک سزائیں دی تھیں وہ عموماً غور، خلج اور خراسان کے باشندے تھے۔ افغان ان میں کوئی بھی نہ تھا۔ یعنی افغانوں نے آخری وقت تک مقابلہ کیا تھا۔

شہاب الدین کا ڈیڑھ سو راجاؤں سے مقابلہ:

سلطان شہاب الدین غوری نے غزنی آنے کے فوراً ہی بعد پرتھوی راج سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ادھر پرتھوی راج بھی غافل نہ تھا وہ جانتا تھا کہ شہاب الدین غوری انتقام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان کے تقریباً تمام راجاؤں کو دھرم کے نام پر جوش دلا دلا کر شہاب الدین غوری کے خلاف اچھی طرح سے ابھارا پنڈتوں اور برہمنوں نے اپنی موثر تقریروں کے ذریعہ ہندو عوام کو اس ''دھرم یگ'' میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب 588ھ مطابق 1192ء میں شہاب الدین غوری کا لشکر لاہور ہوتا ہوا ترائن یعنی کورکھشتر کے میدان کے سامنے پرتھوی راج کے مقابلہ کے لئے خیمہ زن ہوا تو سلطان ہندو لشکر کی کثرت کو دیکھنے کے بعد حیران رہ گیا۔ پرتھوی راج کے لشکر میں تین ہزار جنگی ہاتھی۔ تین لاکھ سوار اور بے شمار پیادہ فوج تھی یعنی کسی طرح بھی اس لشکر کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد چھ سات لاکھ سے کم نہ تھی۔ اس بے اندازہ فوج کے علاوہ تقریباً ڈیڑھ سو راجہ بنفس نفیس اپنی اپنی ریاستوں کی فوجوں کے ہمراہ موجود تھے۔ غرض کہ اکیلے شہاب الدین غوری کے لئے کورکشتر کے میدان میں ہندوؤں کا اتنا بڑا لشکر جمع تھا۔ جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا گیا۔ یوں تو انند پال نے بھی محمود غزنوی کے مقابلہ کے لئے اسی طرح ایک بے پناہ لشکر جمع کیا تھا۔ جس میں قومی رضا کار تک شامل تھے لیکن پرتھوی راج کا یہ لشکر انند پال کے لشکر سے بھی بازی لے گیا۔ اس کے برخلاف شہاب الدین غوری جو بڑے سے بڑا لشکر فراہم کر کے لا سکتا تھا اس کی مجموعی حیثیت پرتھوی راج اور اس کے ساتھی راجاؤں کے لشکر کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ یعنی شہاب الدین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غوری کے لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ جس میں اسی ہزار پیادے اور چالیس ہزار سوار تھے۔ ہندو لشکر صرف تعداد ہی کے لحاظ سے بڑھا ہوا نہیں تھا بلکہ ان میں مسلمانوں کو شکست دینے کا قومی اور مذہبی جوش بھی کافی موجود تھا۔ چنانچہ بقول فرشتہ ڈیڑھ سو ہندو راجاؤں نے پرتھوی راج کے سامنے اپنی پیشانی پر قشقہ شجاعت لگانے کے بعد یہ عہد کیا اور قسمیں کھائیں کہ ہم جب تک مسلمانوں کو شکست دیکر فنا نہ کر دیں گے کسی کو منہ نہ دکھائیں گے۔ فرشتہ کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ راجپوتوں میں مسلمانوں کو شکست دینے کے سلسلہ میں کس قدر جوش تھا۔

جنگ شروع ہونے سے قبل شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو ایک پیغام بھیجا تھا جس کے ذریعہ پرتھوی راج کو اطاعت قبول کرنے اور جنگ سے بچنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اسی قسم کا ایک خط سلطان لاہور سے بھی پرتھوی راج کو اس سے قبل روانہ کر چکا تھا۔ جس کا نہایت ہی تلخ جواب سلطان کو مل چکا تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی پرتھوی راج نے نہایت ہی سخت الفاظ میں سلطان کو کورا جواب دے دیا اور پرتھوی راج کو ایسا ہی جواب دینا بھی چاہیے تھا کیونکہ ہندو لشکر کی کثرت ہندوستان کے سیکڑوں راجاؤں کا شہاب الدین غوری کے خلاف اجتماع نیز ہندو عوام کا جوش صاف طور پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ پرتھوی راج کو سو فیصد فتح حاصل ہو گی۔ اس تلخ جواب کے ملنے کے بعد سلطان شہاب الدین کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ فریق ثانی کی فوجوں کی کثرت کی پروا کئے بغیر ان پر حملہ کر دے چنانچہ سلطان نے اپنی فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بارہ ہزار انتخابی سواروں کا دستہ تو اپنی کمان میں رکھا۔ اور بقیہ تمام فوج چار حصوں میں تقسیم کر کے چار مختلف سپہ سالاروں کی کمان میں دے دی اور یہ انتظام رکھا کہ ہر فوج تین گھنٹے سے زیادہ نہ لڑے ہر تین گھنٹے بعد تازہ دم فوج تھکی ہوئی فوج کی جگہ لیتی چلی جائے۔ اور اسی طرح باری باری سے چاروں سپہ سالار اپنی فوجوں کو لڑاتے رہیں اور جب تھکی ہوئی فوج میدان سے پلٹے تو اس طرح پلٹے کہ دشمن کو یہ شبہ ہو کہ یہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ رہی ہے تاکہ جوں ہی ہندوؤں کی فوج مسلمانوں کی تھکی ہوئی فوج کے تعاقب میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر نکل آئے۔ اسلامی فوج کے تازہ دم دستے اس کا آگے بڑھ کر صفایا کر دیں۔ اس نظام کے قائم کرنے کے بعد شہاب الدین غوری نے طلوع آفتاب سے قبل ہی اپنی فوج کو ہندوؤں کے لشکر پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اور خود بارہ ہزار سوار لے کر ایک بلند مقام سے لڑائی کا تماشہ دیکھنے لگا۔

سلطان کے حکم کے مطابق پہلے فوج کا ایک حصہ حملہ آور ہوا۔ اور وہ مقرر کردہ پروگرام کے ماتحت پسپا ہو گیا۔ پھر فوج کے دوسرے حصہ نے آگے بڑھ کر جگہ لے لی۔ جب فوج کا دوسرا حصہ پسپا ہو گیا۔ تو فوج کے تیسرے حصہ نے مورچہ سنبھال لیا۔ اور جب تیسرا حصہ بھی پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو اس کی جگہ فوج کے چوتھے حصے نے لے لی۔ اس طریقہ کار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تو فوج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تھکان قطعی نہیں پیدا ہوئی۔ دوسرے ہر مرتبہ جب فوج کا ایک حصہ پسپا ہوتا تھا تو ہندو فوج اس کو میدان سے بھاگا ہوا سمجھ کر پیچھا کرتی تھی۔ اور اس طرح ہندو لشکر کے ٹھوس اور مضبوط پہاڑ میں رخنہ پڑ جاتا تھا۔ چنانچہ جب ہندو سپاہی پسپا شدہ فوج کے تعاقب میں آتے تھے تو پسپا ہونے والی مسلم فوج اور مورچہ سنبھالنے والی مسلم فوج دونوں مل کر اس کا صفایا کر دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ بار بار مسلمانوں کے پسپا ہونے کے بعد پھر ان کے مستحکم ہو جانے سے ہندو فوج پر ذہنی اثر بھی بہت برا پڑ رہا تھا۔ یعنی بار بار ان کی فتح کی امیدیں مایوسیوں میں بدل جاتی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو لشکر میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہو گئی۔

سلطان شہاب الدین جو بڑا ہی نبض شناس جنرل تھا۔ اس نے جب ہندو فوج میں سراسیمگی کے آثار دیکھے تو عصر کے قریب اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب خود اس کے حملہ آور ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اچانک اپنے بارہ ہزار سوار لے کر لشکر کے اس قلب پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔ جہاں پرتھوی راج اور ڈیڑھ سو ہندو راجہ کھڑے ہوئے سپاہیوں کی ہمت بڑھا رہے تھے۔ سلطان کے حملہ کرتے ہی سلطان کا باقی تمام لشکر بھی ہندو فوج پر ٹوٹ پڑا پھر کیا تھا چشم زدن میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ راجپوتوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی بہت سے راجہ مارے گئے پرتھوی راج اور اس کے بھائی کھانڈے رائے سپہ سالار نے یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ راہ فرار اختیار کی جائے چنانچہ ذرا سی دیر میں سارا میدان لاشوں سے پٹا ہوا تھا جو بچ گئے وہ فرار ہو چکے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہاب الدین کا حملہ ایک طوفان تھا جس نے کہ راجپوت لشکر کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر رکھ دیا راجپوتوں کی اس شکست کے بعد غوری سپاہیوں نے ان کا تعاقب شروع کیا اس تعاقب میں پرتھوی راج کو قلعہ سرستی کے پاس زندہ گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ پرتھوی راج کا بھائی کھانڈارائے بھاگتے ہوئے زخمی ہوا اور مارا گیا اور اس طرح ہندوستان کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا معرکہ شہاب الدین غوری کی فتح پر ختم ہوا۔

اجمیر، دہلی اور دوسرے شہروں پر سلطان کا قبضہ:

ہندوستان کی اس جنگ عظیم کے بعد سلطان نے سرستی، رہانسی، سرانہ کہرام وغیرہ کے قلعوں کو فتح کیا اس کے بعد شہاب الدین غوری پرتھی راج کے دارالسلطنت اجمیر کی جانب بڑھا جہاں معمولی سے مقابلہ کے بعد اجمیر پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان نے اقرار اطاعت لے کر اجمیر کی سلطنت پرتھوی راج کے بیٹے اکولہ جی کے حوالے کر دی اس کے بعد سلطان دہلی آیا دہلی میں پرتھوی راج کا دوسرا بیٹا تورپن جی حکمراں تھا۔ تورپن نے سلطان سے معافی اور حکومت کے برقرار رکھنے کی درخواست کی۔ سلطان نے اس سے بھی اقرار اطاعت لے کر دہلی کی حکومت اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حوالے کر دی اور دہلی میں داخل ہوئے بغیر واپس چلا گیا۔اس کے بعد قلعہ کہرام کو جو دہلی سے ستر میل پر واقع تھا۔جدید مفتوحہ علاقوں کے انتظام کا مرکز قرار دیا۔اور اپنے محبوب اور وفا شعار غلام قطب الدین ایبک کو ان نومفتوحہ علاقوں کا عامل مقرر کر کے 588 ہجری میں غزنی واپس چلا گیا۔

میرٹھ اور علی گڑھ وغیرہ کی فتح:

اس زمانہ میں میرٹھ کے قلعہ میں جو راجہ حکومت کرتا تھا۔وہ پرتھوی راج کا رشتہ دار تھا۔شہاب الدین نے اس راجہ کو کچھ نہیں کہا اور یہ بدستور میرٹھ میں حکمرانی کرتا رہا۔لیکن سلطان کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد میرٹھ کے راجہ نے پرتھوی راج کے اس بیٹے کو جسے سلطان نے دہلی کی حکومت سپرد کر دی تھی ورغلایا غرض کہ یہ دونوں مل کر علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ قب الدین ایبک کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے 589ھ میں دہلی اور میرٹھ دونوں مقامات پر حملے کر کے ان کو فتح کر لیا۔اس کے بعد قطب الدین ایبک کو جب معلوم ہوا کہ علی گڑھ کا راجہ بھی جو پرتھوی راج کا عزیز ہے شرارت پر آمادہ ہے تو علی گڑھ پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔اس کے علاوہ نواح کے دوسرے علاقے بھی قطب الدین ایبک نے فتح کر لئے اور کہرام کی بجائے دہلی کو اپنا دارالسلطنت قرار دے دیا۔

قنوج، بنارس، گوالیار اور بدایوں پر حملہ:

راجہ جے چند والی قنوج اور پرتھوی راج میں یوں تو دشمنی تھی۔لیکن جے چند نے جب یہ دیکھا کہ سلطان شہاب الدین غوری ایک ایک کر کے تمام راجاؤں کی حکومتوں کو ختم کرتا چلا جا رہا ہے۔تو اس نے ہندوستان کے راجاؤں کو پیغام بھیجے کہ وہ سب مل کر پرتھوی راج کے خون کا شہاب الدین غوری سے انتقام لیں۔چنانچہ جے چند نے راجہ گوالیار، راجہ بدایوں اور اودھ و بہار تک کے راجاؤں کو شہاب الدین غوری کے مقابلہ کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا جب قطب الدین ایبک کو جے چند کی ان سازشوں کا علم ہوا تو اس نے فوراً سلطان کو اطلاع کی۔سلطان یہ اطلاع پاتے ہی فوراً غزنی سے دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔اور دہلی پہنچنے کے بعد راجہ جے چند کی سرکوبی کے لئے قنوج کی جانب بڑھا۔ابھی سلطان قنوج پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ قطب الدین ایبک نے پہلے ہی سے قنوج پہنچ کر جے چند کے لشکر کو شکست دے دی۔جے چند اس لڑائی میں قطب الدین ایبک کے تیر سے مارا گیا اس کے بعد سلطان نے بنارس، گوالیار، اور بدایوں وغیرہ پر پے در پے حملے کر کے ان کو فتح کیا اور ان تمام مقامات پر اپنے عامل مقرر کر دیئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کا پہلا اسلامی وائسرائے قطب الدین ایبک:

پنجاب، ملتان اور سندھ تو پہلے ہی مسلم حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔اب جدید فتوحات کے بعد تقریباً پورا صوبہ اودھ یعنی یو پی بھی حکومت اسلامیہ کا ایک جز و بن گیا۔اور اس چیز کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ سلطان کا ایک نائب ہندوستان میں رہ کر ہندوستان کے مفتوحہ صوبوں کے انتظام کو حسن وخوبی کے ساتھ چلائے اس اہم مقصد کے لئے سلطان کی نظر سب سے پہلے اپنے وفا شعار غلام قطب الدین ایبک پر پڑی۔ جو وفا شعار ہونے کے علاوہ صوبہ اودھ کی فتوحات اور انتظام میں بھی اپنی غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دے چکا تھا چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو تمام ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا نائب یعنی وائسرائے مقرر کردیا۔اوراس کے بعد خود 591ھ میں غزنی کے لئے روانہ ہوگیا۔

قطب الدین ایبک کا گجرات پر حملہ:

قطب الدین ایبک ایک بہترین منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لائق جرنیل بھی تھا۔چنانچہ اس نے ہندوستان کا وائسرائے بنتے ہی جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کردیا۔سب سے پہلے قطب الدین نے اس بغاوت کو دبایا جو پرتھوی راج کے بیٹے اکولہ جی کے خلاف اجمیر میں کھڑی ہوگئی تھی۔اکولہ جی چونکہ اسلامی حکومت کا باجگذار تھا اس لئے قطب الدین ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لئے گیا اور اس کے دشمنوں کو مار بھگایا۔اس کے بعد قطب الدین ایبک نے ایک جرار لشکر لے کر 592ھ میں نیر و والہ (گجرات) کے راجہ بھیم دیو کی ریاست پر حملہ کر کے اس سے خراج وصول کیا اور اطاعت کا اقرار لیا۔راجہ بھیم دیو گجرات کا وہی راجہ ہے جس کے مقابلہ میں شہاب الدین غوری کو 574ھ میں بری طرح شکست ہوئی تھی۔اس کے بعد ایبک کو پھر ایک بار اجمیر کی طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ پرتھوی راج کے بیٹے اکولہ جی کے اطاعت قبول کرنے پر راجپوت اس کے جانی دشمن ہوگئے تھے چنانچہ 593ھ میں راجپوتوں نے متحد ہو کر اکولہ جی پر حملہ کر دیا اور اجمیر پر قابض ہوگئے۔جب قطب الدین کو اکولہ جی کی اس پریشانی کا علم ہوا تو فوراً دلی سے فوج لے کر اجمیر پہنچا باغی راجپوتوں کا قتل عام کیا اور اکولہ جی کو پھر اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔اور اس معرکہ سے فارغ ہو کر دہلی واپس چلا آیا۔

سلطان شہاب الدین کا بیانہ پر حملہ:

راجپوتوں کو اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قدم قدم پر ناکامی اور شکستیں ہو رہی تھیں لیکن پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی یہ کہیں نہ کہیں شورشیں برپا کرتے رہتے تھے چنانچہ گوالیار میں راجپوتوں نے ایک بڑے پیمانہ پر بغاوت برپا کردی اور بغاوت کے بعد انہوں نے بیانہ اور گوالیار کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ جب شہاب الدین غوری کو یہ خبر ملی تو وہ 594ھ میں ایک لشکر لے کر ہندوستان آیا اور ان دونوں قلعوں کو راجپوتوں کے قبضہ سے نکال کر سردار بہاء الدین طغرل کو اس علاقہ کا گورنر مقرر کردیا۔ لیکن بہاء الدین طغرل کی موت کے بعد یہ علاقہ بھی قطب الدین ایبک ہی کے انتظام میں آ گیا۔ قطب الدین ایبک سلطان کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی نئے علاقوں کو فتح کرتا رہا۔ چنانچہ اس نے قلعہ کالپی اور کالنجر کو بھی فتح کرلیا۔

شہاب الدین غوری کی موت کی افواہ:

599ھ میں شہاب الدین غوری کے بڑے بھائی غیاث الدین غوری کے انتقال کے بعد شہاب الدین غوری اپنے مرحوم بھائی کے وصیت کے مطابق تمام غوری سلطنت کا واحد فرماں روا بن گیا۔ لیکن غیاث الدین کے مرنے پر غوری حکومت کے خلاف شورشیں شروع ہوگئیں چنانچہ خوارزم شاہیوں نے حملے شروع کردئے اور ان حملوں میں شہاب الدین کو بڑی مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک اہم معرکہ کے بعد شہاب الدین غوری کے ہلاک ہونے کی افواہ اکثر علاقوں میں پھیل گئی۔ اور اس افواہ سے ہندوستان میں بغاوتیں رونما ہونی شروع ہوگئیں۔ مشرقی علاقوں کو تو قطب الدین ایبک نے قابو میں رکھا لیکن پنجاب اور ملتان میں شرارت پسندوں اور ملاحدہ کی سازشوں سے اچھا خاصہ طوفان برپا ہوگیا جسے 600ھ میں سلطان نے ہندوستان آ کر خود دبایا۔

بہار اور بنگال کی فتوحات:

دیبل (کراچی) سندھ، ملتان، پنجاب اور یوپی کے علاقے تو سلطنت اسلامیہ میں پہلے ہی سے شامل تھے۔ اب شہاب الدین کے فوجی افسر بہار اور بنگال کی جانب متوجہ ہوئے چنانچہ بختیار خلجی جو غور کے امرا میں سے تھا۔ اور قطب الدین ایبک کا معتمد خاص تھا اس نے مختصر سی جمعیت سے پہلے تو بہار کے علاقہ کو فتح کیا اور اس کے بعد سارے بنگال کو فتح کرنے کے بعد لکھنوتی یعنی ڈھاکہ کو دارالسلطنت بنایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اپنے بھائی غیاث الدین کی موت کے بعد شہاب الدین غوری حکومت کا واحد حکمراں بن چکا تھا۔ اور خوارزم شاہیوں کے ساتھ لڑائیوں میں مصروف تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھکڑ قوم کا قبول اطاعت:

گھکڑ قوم جو ایک لا مذہب پہاڑی قوم تھی۔ اس قوم کے سپاہیوں نے محمود غزنوی اور محمد غوری کے مقابلہ میں راجپوتوں کے ساتھ مل کر بڑی بہادریاں دکھائی تھیں۔ لیکن شہاب الدین غوری کے آخری دور حکومت میں اس قوم کے سردار کو اسلام سے لگاؤ پیدا ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا پھر شہاب الدین غوری سے اس بات کی خواہش کی کہ اسے پہاڑی علاقہ کی حکومت دے دی جائے سلطان نے کوہستان کی حکومت کا فرمان بھی سردار کے پاس بھیج دیا اور بے حد انعام واکرام بھی دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔

ملاحدہ کے ہاتھوں شہاب الدین کا قتل:

سلطان شہاب الدین ابتدا ہی سے قلعہ الموت کے ملاحدہ کا جانی دشمن تھا۔ چنانچہ شہاب الدین نے جہاں بھی موقع ملا ان کو بری طرح سے قتل کیا۔ شہاب الدین کی اس ملاحدہ دشمنی نے ملاحدہ کو شہاب الدین کا شدید مخالف بنادیا تھا۔ چنانچہ 602 ہجری مطابق 1206ء میں جب سلطان شہاب الدین ہندوستان میں امن وامان قائم کر کے اور ہندوستان کا انتظام کلیۃً اپنے وائسرائے قطب الدین ایبک کے سپرد کر کے غزنی جانے کا ارادہ کر رہا تھا وہ لاہور سے دیبک پہنچا جو ضلع جہلم میں تھا۔ تو رات کے وقت اس کا خیمہ چاک کر کے دس بیس ملاحدہ خیمہ کے اندر داخل ہو گئے اور چھریوں سے سلطان کا کام تمام کر دیا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ شہاب الدین کے قتل کا واقعہ جہلم میں پیش نہیں آیا بلکہ سندھ میں پیش آیا تھا۔ اس غم ناک حادثہ کے بعد سلطان کا جنازہ ہندوستان سے غزنی لایا گیا اور غزنی میں سلطان کے جسم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

سلطان شہاب الدین پر ایک نظر:

سلطان شہاب الدین ایک نہایت ہی بہادر سپہ سالار تھا۔ جس کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ وہ بہادر بھی تھا اور فیاض بھی۔ چنانچہ اس نے جہاں پرتھوی راج جیسے راجاؤں کو بری طرح کچلا وہاں ان راجاؤں کو خوب نوازا۔ جنھوں نے کہ اس کی اطاعت قبول کر کے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن پرتھوی راج کے بیٹے کو بھی بدستور اجمیر کے تخت پر برقرار رکھا۔ اور صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس کے مخالفوں سے لڑ کر اس کی محافظت بھی کی۔

متعصب مورخوں نے فرضی افسانوں کے ذریعہ شہاب الدین غوری کو بھی محمود غزنوی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح بت شکن اور ہندو دھرم کا دشمن ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ "عاشق رسول" تھا اور نہ "ہندو دھرم" کا دشمن بلکہ ایک حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ جو ہر اس طاقت کو کچل ڈالنا چاہتا تھا۔ جو اس کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرتی تھی۔ اور ہر اس شخص سے وہ خوش تھا جو اس کی سرداری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا مطیع بن جاتا تھا۔ اور یہ فطرت بلا امتیاز مذہب و ملت ہر بادشاہ اور راجہ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی سرداری کی اسپرٹ کی بدولت اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کر دی۔ جو زمانہ دراز تک ہندوستان پر حکمرانی کرتی رہی۔

سلطان شہاب الدین غوری کی اولاد:

سلطان شہاب الدین کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی۔ سلطان نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ترکی غلاموں ہی کو اولاد سمجھتا تھا۔ اور اس زمانہ میں غلاموں کا درجہ بھی مسلمانوں میں اولاد کے برابر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری نے بالکل اولاد ہی کی طرح اپنے غلاموں کی تعلیم و تربیت کی تھی جن میں سے بعض نے بڑے بڑے درجے حاصل کیے چنانچہ جس وقت سلطان مرا ہے تو قطب الدین ایبک بطور وائسرائے ہندوستان میں فرماں روائی کر رہا تھا۔ غزنی کی حکومت تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں تھی۔ اور ناصر الدین قباچہ سندھ اور ملتان کی گورنری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

شہاب الدین غوری کے مرنے کے بعد اگرچہ اس کے بھتیجے سلطان محمود کو تخت پر بٹھا دیا گیا تھا مگر یہ برائے نام حکمراں تھا کیونکہ ساری حکومت تو خانہ زاد غلاموں کے قبضہ میں تھی بس سلطان محمود کی چھوٹی سی حکومت صرف غور، ہرات، سیستان، مشرقی خراسان اور فیروزہ کوہ تک محدود تھی۔ سلطان محمود نے تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا با اختیار بادشاہ ہونے کی سند اور تمغہ بھیج دیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

ہندوستان پر خاندان غلامان کی حکومت

603ھ مطابق 1206ء تا 688ھ مطابق 1290ء

محمد بن قاسم سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری کے دور حکومت تک پانچ سو سال کے اندر ہندوستان میں جتنی بھی اسلامی حکومتیں قائم ہوتی رہیں ان سب کی حیثیت ماتحت حکومتوں کی تھی۔یعنی ان کا اصلی مرکز یا تو دمشق میں تھا۔یا بغداد میں تھا یا غزنی میں تھا۔لیکن خاندان غلامان کی حکومت سے ہندوستان میں اسلامی فرماں روائی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جب کہ ہندوستان کی اسلامی حکومت کو ایک خودمختارانہ حیثیت حاصل ہوگئی۔یعنی اس ملک کے مسلم فرماں رواؤں کو نہ تو بیرونی ممالک سے احکامات حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ ان کو اپنی فرماں روائی کے لئے غیر ممالک کا منہ تکنا پڑتا تھا۔بلکہ ہندوستان ایک خودمختار ملک بن گیا تھا۔وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا اور اس کے حکمرانوں کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا پڑتا تھا۔اس کے علاوہ اس ملک کے خودمختار ہونے کے بعد ہندوستان کا روپیہ نہ دمشق جاتا تھا۔نہ بغداد اور نہ غزنی بلکہ ہندوستان میں رہتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے غیر ملکی حکام کو ہندوستان میں درآمد کرنے کی ضروت باقی نہیں رہی بلکہ ہندوستان پر وہ لوگ حکومت کرنے لگے یا تو ہندوستان کے قدیم باشندے تھے یا جنھوں نے غیر ممالک سے ہجرت کے بعد ہندوستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا تھا۔اس ملکی حکومت کے قیام کے بعد اگر بیرونی حملہ آور ہندوستان پر اپنی طاقت کے زعم میں حکومت کرنا بھی چاہتے تھے تو ان کو مار بھگایا جاتا تھا۔غرض کہ خاندان غلامان سے ہندوستان میں ایک ایسی خودمختار ہندوستانی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔جو غیر ملکی اثرات سے بڑی حد تک پاک اور آزاد کہی جاسکتی ہے۔

خاندان غلامان کے بانی کی ابتدائی زندگی:

سلطان قطب الدین ایبک جس نے کہ ہندوستان میں خاندان غلامان کی حکومت کی بنیاد رکھی اس کی ابتدائی زندگی نہایت ہی دلچسپ ہے۔قطب الدین ایک خوشحال ترکستانی خاندان کا فرد تھا۔جو چھوٹی سی عمر میں ایک بردہ فروش تاجر کے ہاتھ لگ گیا تھا۔جس نے اسے نیشاپور سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے جا کر قاضی فخر الدین عبد العزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قاضی فخر الدین عبد العزیز نے اس غلام لڑکے کو اپنی اولاد کے ساتھ نہایت اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اس کے بعد ایک سوداگر نے بہت بڑی رقم دے کر اس کو قاضی فخر الدین سے خرید لیا اور سلطان شہاب الدین غوری کو بطور تحفہ کے نذر کیا۔ سلطان کی غلامی میں ہونے کے بعد قطب الدین نے قدم قدم پر انتہائی وفاداری اور قابلیت کا ثبوت دیا۔ جس کی وجہ سے یہ سلطان کی نظروں پر چڑھتا چلا گیا اور اسے اتنا عروج حاصل ہوا کہ سلطان نے اسے ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے مرنے کے بعد سلطان کے جانشین سلطان محمود نے بھی اسے باقاعدہ ہندوستان کی فرماں روائی کی سند عطا کر دی یہ ہے قطب الدین ایبک کی عجیب وغریب زندگی۔ سلطان شہاب الدین کی شادی تاج الدین یلدوز کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ تاج الدین یلدوز بھی بہت بڑے پائے کا غلام تھا۔ جو شہاب الدین کے مرنے کے بعد غزنی کا بادشاہ ہوا۔ سندھ کا گورنر ناصر الدین قباچہ جو سلطان شہاب الدین کا منہ چڑھا غلام تھا۔ قطب الدین ایبک کا داماد تھا اور قطب الدین ایبک کا دوسرا داماد خود اس کا غلام شمس الدین التمش حاکم بدایوں تھا یعنی یہ سب کے سب غلام آپس میں رشتہ داری کے بندھنوں میں بھی جکڑے ہوئے تھے۔

قطب الدین ایبک کا دور حکومت:

شہاب الدین غوری کی موت کے بعد قطب الدین ایبک 603ھ مطابق 1206ء دہلی سے لاہور جا کر تخت نشین ہوا اور اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ لاہور میں تخت نشینی کی وجہ یہ تھی کہ محمد غوری کے زمانہ تک دہلی نہ کوئی بڑی جگہ تھی۔ اور نہ اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے برخلاف لاہور کو محمود غزنوی کے زمانہ سے ہندوستان کے اسلامی مقبوضات کے دار السلطنت کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی لئے قطب الدین ایبک نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنا زیادہ وقت صرف ملک کے اندرونی انتظام پر صرف کیا۔ جدید فتوحات کی جانب اس نے کوئی خاص توجہ نہ کی قطب الدین ایبک کے دور حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی حکومت کا ایک دور تو وہ ہے کہ اس نے بطور وائسرائے ہندوستان میں 1192ء سے لے کر 1206ء تک حکومت کی۔ بحیثیت وائسرائے اس کے کارنامے بہت زیادہ نمایاں ہیں کیونکہ اس زمانہ میں اسے نہ صرف اودھ، بہار، بنگال کی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ گجرات تک کا علاقہ اس نے فتح کر لیا تھا لیکن 1206ء کے بعد سے جبکہ وہ ہندوستان کے تخت پر ایک با اختیار فرماں روا کی حیثیت سے بیٹھا اور اس کی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوا تو اس کی فتوحات کی رفتار سست پڑ گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے خسر تاج الدین یلدوز کے حملوں کے خوف سے لاہور کے باہر قدم نکالنے کی مشکل ہی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جرأت کرسکتا تھا۔تاج الدین یلدوز بھی قطب الدین ایبک کی طرح سلطان شہاب الدین غوری کا غلام تھا۔اس کے علاوہ یہ قطب الدین ایبک کا خسر بھی تھا۔شہاب الدین غوری کے مرنے کے بعد جب یلدوز غزنی کا با اختیار بادشاہ بن گیا تو اس نے کوشش کی کہ پہلے کی طرح اب بھی پنجاب کو غزنی کا ایک ماتحت صوبہ ہونے کی حیثیت سے اس کے قبضہ میں دے دیا جائے۔مگر قطب الدین ایبک کب اس کے لئے تیار ہوسکتا تھا چنانچہ یلدوز نے ایک بڑے لشکر سے حملہ کرکے بزور شمشیر لاہور تک کا علاقہ لے لیا جس کے جواب میں قطب الدین نے بڑی سختی کے ساتھ حملہ کیا۔اس جوابی حملہ میں قطب الدین نے نہ صرف پنجاب کو یلدوز کے قبضہ سے نکال لیا بلکہ غزنی پر چڑھائی کرکے اور یلدوز کو شکست دے کر اسے غزنی سے بھی بھگا دیا اور وہاں چالیس دن تک حکومت کرتا رہا۔اس کے بعد قطب الدین لاہور چلا آیا تو یلدوز نے دوبارہ غزنی پر قبضہ کرلیا۔قطب الدین ایبک نے خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے چار سال حکومت کی وہ 607ھ مطابق 1210ء میں چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے گر کر مر گیا۔اس کی فیاضی سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔اسے حاتم ہند کے نام سے پکارا جاتا تھا۔وہ اپنے دور کا ایک حوصلہ مند اور لائق ترین بادشاہ تھا۔دہلی کی قطب مینار جو مسجد قوت الاسلام کی ایک مینار ہے۔اس کی تعمیر کا کام قطب الدین ایبک ہی نے شروع کیا تھا لیکن ابھی یہ مسجد ادھوری ہی تھی۔اور مینار کے نیچے کے صرف دو درجے تعمیر ہوئے تھے کہ قطب الدین ایبک کا انتقال ہوگیا۔

آرام شاہ کے عہد میں حکومت کے ٹکڑے:

قطب الدین ایبک کا بیٹا آرام شاہ خاندان غلامان کا دوسرا بادشاہ ہوا ہے۔جسے قطب الدین ایبک کے مرنے کے بعد 607ھ مطابق 1210ء میں تخت نشین کیا گیا۔لیکن آرام شاہ میں حکمرانی کی ذرہ برابر بھی صلاحیت نہ تھی چنانچہ اس کی کمزوری اور نااہلیت کا یہ اثر ہوا کہ قطب الدین کی وسیع حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔سندھ اور ملتان کے گورنر ناصر الدین قباچہ نے جو قطب الدین کا داماد بھی تھا۔سندھ میں خود مختاری کا اعلان کرکے سلطان کا لقب اختیار کرلیا۔بختیار خلجی کے جانشین حسام الدین خلجی نے خود مختار ہوکر بہار و بنگال میں اپنی حکومت قائم کرلی۔تاج الدین یلدوز نے غزنی سے پنجاب پر حملہ کرکے لاہور اور سارے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔صرف دہلی اور اودھ کا علاقہ آرام شاہ کے قبضہ میں رہ گیا اس طرح قطب الدین ایبک کی حکومت محض آرام شاہ کی کمزوری اور نااہلیت کی بنا پر چار حصوں میں تقسیم ہوگئی۔اس کے علاوہ ہندو راجاؤں نے بھی بغاوتیں برپا کرنی شروع کردیں۔امرائے سلطنت نے جب یہ بدنظمی دیکھی تو انہوں نے قطب الدین کے داماد شمس الدین التمش حاکم بدایوں سے استدعا کی کہ وہ دہلی آکر ہندوستان کی حکومت کو سنبھالے۔التمش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

ایک بہت بڑی فوج لے کر دہلی پہنچ گیا۔ آرام شاہ نے شہر سے باہر نکل کر التمش کا مقابلہ کیا۔ مگر گرفتار ہو گیا اور قید میں ڈال دیا گیا جہاں وہ مر گیا۔ آرام شاہ نے ایک سال سے بھی کم حکومت کی لیکن اس کی حکومت میں ہندوستان کے چار ٹکڑے ہو گئے۔

سلطان شمس الدین التمش

قطب الدین ایبک کی ابتدائی زندگی کی طرح شمس الدین التمش کی ابتدائی زندگی کے حالات بھی نہایت ہی دلچسپ ہیں۔ التمش ابھی کم عمر ہی تھا کہ اس کے بھائیوں نے حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرح خوب صورتی اور فراست سے جل کر کسی بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ بردہ فروش اسے بخارا میں لا کر فروخت کر گیا۔ خریدار نے التمش کی اپنے بچوں کی طرح تعلیم و تربیت کی۔ اس کے بعد التمش کو حاجی جمال الدین قبا نے خرید لیا۔ جو اسے دہلی لے آیا۔ دہلی میں قطب الدین ایبک نے التمش کو ڈھائی ہزار روپیہ میں خرید لیا اور اپنے بیٹے کی طرح تربیت کی۔ تعلیم و تربیت کے بعد میر شکار کا عہدہ دیا۔ پھر گوالیار کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد بلند شہر کے عامل کا عہدہ عطا کیا۔ پھر بدایوں کا ناظم بنا دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری اور گھگڑوں کی آخری لڑائی میں التمش نے بڑی بہادری دکھائی تھی جس سے شہاب الدین غوری نے خوش ہو کر قطب الدین ایبک سے سفارش کی تھی کہ التمش کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی پوری طرح عزت افزائی کی جائے چنانچہ قطب الدین نے التمش کو آزاد کر کے اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی تھی اور امیر الامرا کا درجہ دے دیا تھا۔ یعنی وہ لڑکا جس کو حضرت یوسف کی طرح اس کے بھائیوں نے دربدر خوار ہونے کے لئے نکال دیا تھا۔ قدرت نے اسے حضرت یوسف کی مانند اس بلند مرتبہ پر پہنچا دیا۔

شمس الدین التمش کی فتوحات:

التمش امرائے سلطنت کی دعوت 607ھ مطابق 1211ء میں سلطان شمس الدین التمش کے لقب سے دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ التمش پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے تخت دہلی کو زینت دی اور دہلی کو اسلامی ہند کا دارالسلطنت قرار دیا۔ دہلی میں التمش کے تخت نشین ہونے کے بعد ان امرا نے جو التمش کی تخت نشینی کے مخالف تھے اس کی حکومت کے خلاف اندرونی بغاوتیں کھڑی کر دیں جن کو دبانے میں التمش کے تین چار سال صرف ہو گئے۔ اور اس مدت میں اسے ان علاقوں کو نکالنے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرصت ہی نہیں ملی جو قطب الدین ایبک کی حکومت سے علیحدہ ہو کر خود مختار ہو گئے تھے۔ بلکہ اس پر تازہ مصیبت یہ آن پڑی کہ تاج الدین یلدوز نے جو پنجاب پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا لاہور سے دہلی کی جانب فوج کشی کر دی۔ اب التمش کو مجبوراً آگے بڑھ کر ترا وزی کے میدان میں یلدوز کے لشکر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس جنگ کے لئے التمش بالکل تیار نہ تھا لیکن اس کی بے نظیر جنگی قابلیت کی وجہ سے یلدوز شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ التمش نے اس کو بدایوں میں قید کر دیا جہاں چند ہی روز کے بعد وہ فوت ہو گیا ابھی اس معرکہ سے التمش کو فرصت نہیں ملی تھی کہ ناصر الدین قباچہ نے پنجاب پر حملہ کر کے لاہور تک فتح کر لیا۔ التمش فوراً اس کے مقابلہ کے لئے بڑھا اور اسے شکست دے کر ملتان کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

614ھ 1217ء میں التمش نے ناصر الدین قباچہ کے خلاف دوبارہ فوج کشی کی۔ ناصر الدین قباچہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر گجرات کی جناب بھاگ گیا۔ التمش نے دیبل (کراچی) تک سارا علاقہ سندھ فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ لیکن چند روز کے بعد ناصر الدین قباچہ نے دوبارہ سندھ پر قبضہ کر لیا۔

ہندوستان پر مغلوں کا پہلا حملہ:

جس زمانہ میں ہندوستان میں قطب الدین ایبک فرماں روائی کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں وسطی ایشیا کے ایک تاتاری سردار نے چنگیز خان کا لقب اختیار کرنے کے بعد وسطی ایشیا میں بری طرح تباہی اور بربادی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ چنگیز خان کی مغل فوج جدھر بھی جاتی قتل عام اور لوٹ مار کے ذریعہ لوگوں کو برباد کرتی چلی جاتی۔ قطب الدین ایبک کے بعد سلطان التمش کے عہد حکومت میں چنگیز خان کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے وسطی ایشیا کی اکثر اسلامی حکومتوں کو جڑ اور بنیاد سے کھود کر پھینک دیا۔ لاکھوں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ چنگیز خان اور اس کی مغل فوج کا کوئی مذہب نہ تھا لیکن اس کا مسلک یہ تھا کہ جدھر جائے نسل انسانی کو نیست نابود کر دے چنگیز خان کی اسی درندہ صفت مغل فوج نے سلطنت اسلامیہ خوارزم شاہی کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ الغرض 618ھ مطابق 1221ء میں جب شاہ خوارزم جلال الدین اپنی جان بچانے کے لئے سندھ کی طرف بھاگ آیا تو مغلوں کی فوج بھی سندھ اور ملتان میں داخل ہو گئی ملتان اور سندھ کو مغلوں نے خوب لوٹا ہزاروں ہندو مسلمانوں کو لونڈی غلام بنایا۔ غرض کہ سندھ میں اچھی طرح طوفان برپا کر کے یہ مغل فوج وسطی ایشیا کو واپس چلی گئی ہندوستان پر مغلوں کا یہ پہلا حملہ شمس الدین التمش ہی کی دور حکومت میں ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگال و بہار کی دوبارہ فتح:

622ھ مطابق 1225ء میں سلطان شمس الدین التمش بنگال اور بہار کی جانب متوجہ ہوا تا کہ بنگال و بہار کے باغیوں کو دبائے۔ چنانچہ سلطان نے ایک زبردست حملہ کے بعد حسام الدین خلجی کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اور وہاں اپنے بیٹے ناصر الدین کو بنگال و بہار کا ناظم مقرر کر کے دہلی واپس آ گیا۔ التمش کے واپس آتے ہی حسام الدین خلجی ناصر الدین سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جس پر دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں حسام الدین خلجی مارا گیا اور اس طرح بنگال اور بہار کا علاقہ التمش کی حکومت میں شامل ہو گیا اس کے بعد 623ھ مطابق 1226ء میں راجپوتانہ پر حملہ کر کے التمش نے قلعہ رنتھبور فتح کیا کہتے ہیں کہ یہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اس سے پہلے ستر فرماں روا اس پر حملے کر چکے تھے مگر فتح نہ ہو سکا لیکن شمس الدین نے اسے چند ماہ میں فتح کر لیا۔ پھر 624ھ مطابق 1227ء میں قلعہ منڈاور کو بھی فتح کر لیا۔ ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد 625ھ مطابق 1228ء میں التمش نے ناصر الدین قباچہ کی سرکوبی کے لئے سندھ اور ملتان کی طرف دوبارہ فوج کشی کی اور اچ کے قلعہ پر جہاں قباچہ کا وزیر مع فوج کے موجود تھا حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس فتح کا حال سن کر ناصر الدین قباچہ نے دریائے سندھ میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ التمش نے دیبل (کراچی) تک سارا ملک فتح کر کے جا بجا اپنے عامل مقرر کر دیئے اور اس طرح التمش ملتان اور سندھ کی جانب سے بھی بے فکر ہو گیا۔

خلافت اسلامیہ کی جانب سے التمش کی عزت افزائی:

شمس الدین التمش جس کی بہادری اور فتوحات کی خبریں ممالک اسلامیہ میں برابر پہنچ رہی تھی۔ اس کو ساری دنیائے اسلام میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ یہاں تک کہ اس زمانہ کے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ نے بھی یہ ضروری سمجھا کہ التمش کی بادشاہی کو تسلیم کر لے۔ چنانچہ عباسی خلیفہ کی جانب سے 626ھ مطابق 1229ء میں التمش کو خلعت اور سند بادشاہی سے نوازا گیا۔ جس پر التمش نے خوش ہو کر جشن منایا اور شہر کی آئینہ بندی کی گئی۔ التمش پہلا بادشاہ ہے جس کے عہد حکومت میں خلفائے اسلامیہ نے ہندوستان کو ایک جداگانہ آزاد حکومت تسلیم کیا۔

بنگال کے بعد اڑیسہ کی فتح:

اسی سال 626ھ مطابق 1229ء میں سلطان شمس الدین کو بنگال میں اپنے بیٹے ناصر الدین کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی نیز یہ بھی پتہ چلا کہ ملکا ملک خلجی نے بنگال میں بغاوت کر کے اس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ کرلیا ہے۔اس اطلاع کے ملتے ہی التمش فوج لے کر بنگال کی جانب روانہ ہوا۔ملکا ملک خلجی کو شکست دے کر گرفتار کیا۔اس کے بعد اڑیسہ کی جانب متوجہ ہوا۔اڑیسہ پر بھی حملہ کر کے فتح کرلیا۔اور بنگال کے صوبہ کے ساتھ اسے ملحق کر کے ملک علاء الدین جانی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ان اہم فتوحات کے بعد التمش دہلی واپس آ گیا۔

گوالیار، مالوہ اور بھلسہ کی فتح:

629ھ مطابق 1232ء میں التمش نے قلعہ گوالیار پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا اس کے بعد 621ھ مطابق 1234ء میں التمش نے مالوہ کے باغیوں کی سرکوبی کے بعد بھلسہ کے شہر اور قلعہ کو فتح کیا۔پھر اس نے اجین پر حملہ کر کے اس پر بھی فتح حاصل کرلی۔اجین میں مہا کال دیو کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔جس میں راجہ بکرماجیت کی ایک بہت بڑی مورت رکھی ہوئی تھی۔اس مورت کے علاوہ اور بھی بے شمار چھوٹی چھوٹی مورتیاں تھیں یہ بت خانہ ان شرارت پسند برہمنوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جو التمش کی حکومت کے خلاف ہندو عوام کو بھڑکا کر بغاوتیں برپا کراتے رہتے تھے چنانچہ التمش نے اس مندر کو مسمار کردیا اور مندر کی ساری مورتیاں اٹھا کر دہلی لے گیا۔جہاں اس نے ان مورتیوں کو دفن کرادیا۔

سلطان شمس الدین التمش کی وفات:

شمس الدین التمش کو مرتے دم تک چین نصیب نہ ہوسکا۔اس کی ساری عمر لڑائیوں ہی میں صرف ہوئی۔چنانچہ آخر عمر میں بھی اسے ملتان کی بغاوت دبانے کے لئے فوج کشی کرنی پڑی۔اسی سفر میں سلطان بیمار ہو کر دہلی واپس آیا اور 632ھ مطابق 1235ء میں فوت ہوگیا اس نے 36 سال حکومت کی اس کا مقبرہ قصبہ مہرولی میں دہلی کے بالکل متصل مسجد قوت الاسلام کے پاس آج بھی موجود ہے۔التمش ایک لائق اور بہادر سپہ سالار اور با اقتدار بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک خدا پرست صوفی بھی تھا۔اس کو ہمیشہ بزرگان دین سے گہری عقیدت رہی ہے۔حضرت قطب الدین بختیار کاکی جو اس زمانہ کے نہایت ہی بلند پایہ درویش تھے ان کی مجلسوں میں حاضری کو التمش فخر سمجھتا تھا۔قطب الدین ایبک قوت الاسلام کی جس مسجد کو نامکمل چھوڑ گیا تھا التمش نے اسے مکمل کرانے کی آخری عمر میں کوشش کی تھی۔چنانچہ مسجد کا کچھ حصہ اور قطب مینار کے اوپر کے تمام درجے اسی بادشاہ نے تعمیر کرائے تھے لیکن ابھی یہ مسجد مکمل نہیں ہوئی تھی اور دوسرا مینار بننا ہی شروع ہوا تھا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التمش پر مندروں کے ڈھانے کا الزام:

چونکہ التمش نے اجین کے مہا کال بت خانہ کو توڑا تھا اور اس کی مورتیاں دہلی لے آیا تھا اس لئے اس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ اس کی حکومت گجرات سے لے کر اڑیسہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس نے ہندوستان کے تقریباً ہر حصہ میں فوج کشی کی تھی تو صرف ایک اسی بت خانہ کے توڑنے پر کیوں اکتفا کیا حالانکہ ہندوستان میں ہزاروں بت خانے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اگر واقعی التمش کو ہندو دھرم سے عناد اور مندروں سے بیر ہوتا تو وہ کسی ایک بت خانہ کو بھی نہ چھوڑتا۔ لیکن اس نے اپنی ساری عمر میں مہا کال کے بت خانہ کے علاوہ کسی دوسرے بت خانہ کی جانب نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جس کے معنی یہ ہیں کہ مہا کال کا بت خانہ، بت خانہ نہیں تھا بلکہ التمش کی حکومت کے مخالفین کی سازشوں کا مرکز تھا۔ جس کو اس نے کسی تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ سیاسی مقصد کے لئے مسمار کر دینا ضروری سمجھا۔ اور التمش جیسا بادشاہ جس کا مرکز کسی غیر ولایت میں نہیں تھا بلکہ وہ ہندوستان میں رہتا تھا۔ مندروں کو توڑ کر ہندو اکثریت کو بھلا کیونکر ناراض کر سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ التمش ہمیشہ فرقہ پرستی سے بلند رہا ہے اور اس نے مسلمانوں کی طرح ہندو عوام کی دلداری میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور اپنے اسی اعلیٰ مسلک کی بنا پر وہ ہندوستان میں ایک ایسی وسیع اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ سکا جس کی مثال اس سے قبل ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بالکل مفقود تھی۔ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ التمش کے درباریوں میں ایک بڑی تعداد ہندو امرا کی بھی تھی۔ اور التمش کی نظر میں مسلم اور ہندو امرا میں کوئی فرق نہ تھا۔

رکن الدین کے پردہ میں ایک کنیز کی حکومت:

التمش کے مرنے کے بعد 632ھ مطابق 1235ء میں امرائے دربار نے بڑی توقعات کے ساتھ التمش کے بیٹے رکن الدین کو دہلی کے تخت پر بٹھایا لیکن رکن الدین جو ہر وقت شراب کے نشہ میں مدہوش رہتا تھا۔ اور جسے عیش پرستی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ بھلا اتنی بڑی حکومت کو کیونکر سنبھال سکتا تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ شراب کے نشہ میں ہاتھی پر بیٹھ کر بازاروں میں نکل جاتا۔ اور خزانہ لٹا کر لطف حاصل کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں خزانہ خالی ہو گیا۔ حکومت کے کاموں کی جانب سے وہ قطعی لاپرواہ تھا۔ حکومت اس نے اپنی ماں کے حوالے کر دی تھی جو التمش کی ایک ترکی کنیز تھی۔ یعنی رکن الدین تو برائے نام بادشاہ تھا اصل حکمران یہی ترکی کنیز تھی۔ اس ترکی کنیز نے اختیارات ہاتھ میں آنے کے ساتھ ہی سب سے پہلے التمش کے دوسری بیویوں یعنی اپنی سوکنوں کا اور ان کی اولاد کا قتل عام شروع کر دیا جس سے کہ امرائے دربار میں سخت ناگواری پیدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔اسی کنیز نے التمش کے چھوٹے بیٹے قطب الدین کو پہلے اندھا کرایا اور پھر قتل کروادیا۔

اس بدنظمی اور کنیز گردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اودھ، بدایوں، ہانسی، لاہور ملتان اور دوسرے علاقہ کے عاملوں نے رکن الدین کی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کردی۔اور دریدہ عمال اور امرا نے یہ طے کیا کہ رکن الدین کو معزول کرکے اس کی جگہ سلطان کی بڑی بیٹی رضیہ کو دہلی کے تخت پر بٹھادیا جائے۔رکن الدین کو جب حاکم لاہور اور دیگر امرا کی اس سازش کا علم ہوا تو وہ فوج لے کر دہلی سے لاہور روانہ ہوا تاکہ لاہور کے حاکم کی سرکوبی کرے۔لیکن اس کے ہمراہی میں جو امیر اور سردار تھے وہ رکن الدین کا ساتھ چھوڑ کر دہلی چلے آئے اور رضیہ کو دہلی کے تخت پر بٹھادیا۔سلطانہ رضیہ نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے رکن الدین کی ماں کو جو مختارکل بنی ہوئی تھی گرفتار کرکے قتل کرایا۔اس کے بعد سلطانہ رضیہ کو رکن الدین کی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا جو دہلی پر حملہ آور ہو چکی تھی۔رکن الدین کو اس جنگ میں گرفتار ہونے کے بعد قید کردیا گیا اور قید خانہ ہی میں فوت ہوگیا رکن الدین نے کل سات مہینے حکومت کی لیکن اس کا دور ہندوستان کے لئے بدترین دور ثابت ہوا۔

رضیہ سلطانہ کا عہد حکومت

رضیہ سلطانہ جو 633ھ مطابق 1236ء میں تخت دہلی پر بیٹھی اس کی حکومت کا زمانہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ فرماں روائی کی ہے تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ان تمام انتظامی خرابیوں کو دور کیا جو اس کے بھائی رکن الدین کے دور حکومت میں پیدا ہوگئی تھیں۔ رضیہ اپنے باپ التمش کی سب سے زیادہ منظور نظر تھی۔التمش کی رائے تھی کہ وہ اپنے بھائیوں سے کہیں زیادہ لائق ہے اور اس میں حکمرانی کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔التمش نے اپنے بیٹوں کی شراب نوشی اور عیاشی سے نالاں ہوکر ایک مرتبہ رضیہ کی ولی عہدی کا اعلان کرنے کا بھی ارادہ کرلیا تھا مگر امرا نے یہ کہہ کر روک دیا کہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے بیٹی کی ولی عہدی کا اعلان کسی طرح بھی مناسب نہیں۔لیکن التمش کی رائے درست نکلی آخر امرا کو مجبور ہونے کے بعد رضیہ ہی کو دہلی کے تخت پر بٹھانا پڑا۔رضیہ ایک تعلیم یافتہ مدبر اور نہایت ہی حسین عورت تھی۔وہ ایک اچھی شہ سوار اور سپہ سالار بھی تھی چنانچہ اس نے بیشتر لڑائیوں میں اپنی فوجوں کی کمان بڑی قابلیت کے ساتھ خود کی ہے اس میں اس کے سوا اور کوئی کمزوری نہ تھی کہ وہ عورت تھی چنانچہ امرا اور عمال کا ایک بڑا طبقہ یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کرے اس کے ساتھ رضیہ چونکہ بے حد خوبصورت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر شادی شدہ تھی اس لئے اکثر عمال اور امرا یہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے رشتہ ازدواج میں شامل ہو جائے تاکہ سلطانہ کا شوہر بننے کے بعد ان کو سارے ہندوستان پر فرماں روائی کا حق حاصل ہو جائے غرض کہ بے نظیر جنگی اور انتظامی قابلیت کے باوجود محض عورت اور ناکتخدا عورت ہونے کی وجہ سے رضیہ کے راستہ میں بے حد مشکلات حائل تھیں۔

رضیہ سلطانہ کے خلاف امرا کی بغاوت:

وزیر مملکت نظام الملک جنیدی ملک علاء الدین شیر خانی ملک سیف الدین کرخی اور ملک اعزالدین جیسے بلند پایہ امرا اچانک رضیہ سلطانہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے بعد ایک بڑی جمعیت کے ہمراہ دہلی کے باہر جمع ہو گئے۔ جب رضیہ سلطانہ کو اس کا علم ہوا تو وہ خود لشکر لے کر ان کے مقابلہ پر گئی۔ اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر ان سب کو شکست دیدی ان میں سے کسی کو قید کیا۔ کوئی قتل ہوا اور کسی کو معافی مل گئی۔ رضیہ کی اس بہادری نے سارے ملک پر اس کا سکہ جما دیا چنانچہ بنگال واڑیسہ سے لے کر پشاور و کراچی تک اس کی حکومت نہایت ہی مضبوط ہو گئی۔

غلام یاقوت کی وجہ سے رضیہ کے خلاف طوفان:

سلطان رضیہ کیخلاف جو سب سے بڑا فتنہ کھڑا ہوا اس کا باعث سلطانہ رضیہ کا محبوب غلام یاقوت تھا۔ سلطانہ رضیہ کے مزاج میں اس غلام کو بے حد دخل تھا۔ وہ سایہ کی طرح سلطانہ کے ساتھ رہتا تھا جب سلطانہ گھوڑے پر سوار ہوتی تو یاقوت اس کی بغل میں سہارا دے کر سلطانہ کو گھوڑے پر بٹھاتا۔ سلطانہ رضیہ اس غلام پر اس قدر مہربان ہوئی کہ اسے امیر امرا کا عہدہ عطا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے ترک اور افغان امرا جو غلام یاقوت کو اس عزت افزائی کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے امیر امرا بنائے جانے پر برافروختہ ہو گئے اور بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے۔

سلطانہ رضیہ جو خود غلام خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اور جس کا باپ بھی غلام تھا۔ اور جس کے باپ کا آقا قطب الدین ایبک بھی ایک غلام ہی سے بادشاہ بنا تھا وہ اگر کسی غلام پر غیر معمولی نوازشات کرتی تھی تو اس پر تعجب کی کونسی بات تھی۔ اور ایسی حالت میں جب کہ اس زمانہ میں غلاموں کو خاندان کا ایک رکن سمجھا جاتا تھا۔ تو یہ قدرتی بات تھی کہ رضیہ کو بھی دوسروں کی نسبت اپنے خاص غلام سے زیادہ قرب ہونا چاہیئے تھا لیکن وہاں تو سوال غلام اور آقا کا نہیں تھا بلکہ ایک رقیبانہ جذبہ کے ماتحت طرح طرح سے ان امرا نے رضیہ کو بدنام کیا۔ رضیہ عورت تھی اور عورت میں ضد کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ یاقوت کی جس قدر مخالفتیں ہوئیں رضیہ یاقوت کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زیادہ قربت کا درجہ دیتی چلی گئی۔ چنانچہ اس ضد اور بحث نے رضیہ اور امرا کے درمیان ایک مستقل کشاکش برپا کردی۔ جس کا نتیجہ آپس کی جنگ پر جا کر ختم ہوا۔

لاہور اور بھٹنڈہ میں بغاوت:

سلطانہ رضیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ لاہور کا صوبہ دار ملک اعز الدین آمادہ فساد ہے تو رضیہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر لاہور جا پہنچی ملک اعز الدین مقابلہ کی تاب نہ لا کر سلطانہ سے معافی کا درخواستگار ہوا۔ سلطانہ نے اس کی خطا معاف کردی اور دہلی واپس آ گئی۔ دہلی آنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ محض یاقوت کی وجہ سے بھٹنڈے کے عامل ملک التونیہ نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ سلطانہ فوج لے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی۔ اس سفر میں یاقوت بھی سلطانہ کے ہمراہ تھا۔ سلطانہ کے لشکر کے امرا نے موقع پا کر بھٹنڈہ پہنچنے سے پہلے ہی یاقوت کا کام تمام کردیا۔ اور سلطانہ رضیہ کو گرفتار کر کے ملک التونیہ کے پاس بھیج دیا۔ سب کے سب پھر دہلی واپس آ گئے۔ دہلی واپس آنے کے بعد فوراً معز الدین بہرام شاہ بن التمش کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔

رضیہ سلطانہ کا ملک التونیہ سے نکاح:

کہنے کے لئے تو امرا کی یہ مخالفتیں محض غلام یاقوت کی وجہ سے تھیں لیکن حقیقت میں ان مخالفتوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہر امیر اس بااختیار اور خوبصورت ملکہ سے شادی کا خواہشمند تھا۔ اگر فی الحقیقت یہ مخالفین غلام یاقوت کی وجہ سے تھیں تو یاقوت کے قتل ہونے کے بعد یہ مخالفتیں بھی ختم ہو جاتیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اپنے سب سے بڑے مخالف ملک التونیہ سے جب سلطانہ نے نکاح کرلیا تو آن واحد میں یہ امیر سلطانہ کا ہمدرد بن گیا اور ایسا ہمدرد بن گیا کہ اس نے سلطانہ کو تخت دلانے کے لئے جان تک کی بازی لگا دی جس کے معنی یہی ہیں کہ اس کی سلطانہ سے ساری مخالفت صرف اسے حاصل کرنے کے لئے تھی غرض کہ ملک التونیہ کو جب یہ خوبصورت عورت حاصل ہوگئی تو اس نے جاٹوں اور گکھڑوں کی فوج جمع کر کے دہلی پر حملہ کر دیا۔ سلطانہ رضیہ بھی اس حملہ میں شریک تھی۔ لیکن وہ دوسرے امرائے سلطنت جو سلطانہ کو حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے اب سلطانہ کے علاوہ ملک التونیہ کے بھی دشمن ہو گئے اور انہوں نے سلطانہ اور ملک التونیہ کی فوجوں کا شدید مقابلہ کیا۔ سلطانہ کا بھائی بہرام شاہ امرا کی شہ پر ایک بڑا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آ گیا۔ التونیہ اور رضیہ کو شکست ہوگئی اور یہ دونوں جان بچا کر بھاگے لیکن راستہ میں کسی گاؤں کے کاشتکاروں نے ان دونوں کو 637ھ مطابق 1240ء میں قتل کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد رضیہ سلطانہ کی لاش دہلی لا کر دفن کر دی گئی۔ سلطانہ رضیہ نے تقریباً چار سال حکومت کی۔ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے زمانہ کی لائق ترین عورت تھی۔اس میں حکمرانی کی ساری صلاحیتیں موجود تھیں اگر وہ شادی شدہ ہوتی۔اوراس کے بے پناہ حسن نے امرا میں رقیبانہ کشمکش نہ پیدا کردی ہوتی تو وہ زمانہ دراز تک حکومت کرتی اوراس کی حکومت سے ملک کو کافی فائدہ پہنچتا۔

معزالدین بہرام شاہ بن التمش:

معزالدین بہرام شاہ بن التمش نے 637ھ مطابق 1240ء میں تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی سب سے پہلے امرائے سلطنت پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔چنانچہ اکثر امرا بہرام شاہ کے اشارہ پر بڑی بے دردی کے ساتھ قتل ہوئے۔اختیارالدین جس کے ہاتھ میں ساری حکومت تھی۔اس کوترکی غلاموں نے خوداس کے گھر میں گھس کراور چھرا مار کر ہلاک کردیا۔مہذب الدین جوایک دوسرابا اقتدار حاکم تھااس پر بھی قاتلانہ حملہ کیا گیا۔مگر وہ بچ کر بھاگ گیا۔غرض کہ بہرام شاہ بزدلانہ قتل وخون کا بڑا شائق تھا۔اوراس نے اپنے غلط طریقہ کار سے تقریباً تمام امرا کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔حکمرانی کے معاملات میں وہ قطعی کورا تھا۔اس کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی سارا نظام حکومت درہم برہم ہوگیا تھا۔

مغلوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام:

مغل جوایشیائی ممالک میں جابجاتباہی مچاتے پھر رہے تھے۔اور جنھوں نے التمش کے دور حکومت میں سندھ کے علاقہ میں خوب لوٹ مار کی تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ دہلی کی حکومت میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے تو وہ آندھی اور طوفان کی طرح پہنچے۔پنجاب پر حملہ کرکے ہر طرف چھا گئے لاہور کے صوبہ دار قراقش خاں نے ان کا مقابلہ کیالیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ پنجاب کے ہندو اور گھکڑ بھی اس تباہی اور غارت گری میں مغل لٹیروں کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں تو وہ اپنی چھوٹی سی جمعیت کو لے کر دہلی بھاگ گیا۔قراقش خاں کے دہلی جانے کے بعد مغلوں نے میدان صاف پاکر لاہوراور پنجاب کے اکثر اضلاع کو خوب لوٹا بے شمار مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا۔اور پنجاب میں اپنی حکومت قائم کردی۔

بہرام شاہ کے خلاف امرائے سلطنت کی سازش:

بہرام شاہ کو پنجاب کے مسلمانوں کی اس تباہی کا جب علم ہواتو اس نے اکابرین سلطنت کو جمع کرنے کے بعد امرااور سپہ سالاروں کو ایک بڑا لشکر دے کر مغلوں کی سرکوبی کے لئے لاہور کی جانب روانہ کیالیکن امرائے سلطنت بجائے اس کے کہ مغلوں کے اس تازہ فتنے کو رفع کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے دریائے بیاس کے کنارے جمع ہو کر یہ طے کیا کہ اس لشکر کے ذریعہ سب سے پہلے بہرام شاہ پر حملہ کر کے اسے معزول کیا جائے۔ کیونکہ اسی کی کمزوری اور نالائقی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مغل پنجاب میں تباہی مچاتے پھر رہے ہیں۔ چنانچہ امرائے سلطنت اور تمام لشکر بہرام شاہ کو معزول کرنے کے لئے دہلی کی جانب پلٹ پڑا۔ جب بہرام شاہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ان باغی امرا کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے علاوہ قاضی القضاۃ قاضی منہاج سراج نے بھی انتہائی کوشش کی کہ موجودہ نازک وقت میں امرائے سلطنت اور بہرام شاہ میں صلح ہو جائے۔ لیکن امرائے سلطنت کسی طرح نہ مانے اور انہوں نے دہلی پر حملہ کر کے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ساڑھے تین مہینے تک رہا جس میں دونوں طرف کے بے شمار آدمی مارے گئے آخر کار امرائے سلطنت کو فتح حاصل ہو گئی اور بہرام شاہ گرفتار ہونے کے بعد 639ھ مطابق 1242ء میں قتل ہوا۔ اس نے دو سال ایک مہینہ اور پندرہ دن حکومت کی بہرام شاہ کے قتل کے بعد امرائے سلطنت نے سابق شاہ رکن الدین کے بیٹے علاء الدین مسعود کو قید خانہ سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھا دیا۔

سلطان علاء الدین مسعود کے دور میں مغلوں کی یورش:

امرائے سلطنت جب 639ھ مطابق 1242ء میں سلطان مسعود کی تخت نشینی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے سلطان کے مشورہ سے پنجاب کی جانب لشکر کشی کی کیونکہ مغلوں نے بری طرح سے پنجاب میں تباہی برپا کر رکھی تھی۔ غرض کہ امرائے سلطنت نے سخت مقابلہ کے بعد ان مغلوں سے پنجاب کو پاک کیا جن کی تباہ کاری سے پنجاب کے باشندے تنگ آ چکے تھے۔ پنجاب کو بمشکل تمام ان مغلوں سے نجات ملی تھی کہ یکا یک مغلوں کے ایک دوسرے لشکر نے تبت کے راستہ بنگال میں داخل ہونے کے بعد وہاں بری طرح سے تباہی برپا کر دی۔ سلطان مسعود نے اس تازہ مصیبت کو دور کرنے کے لئے تیمور خان قران کو ایک زبردست فوج لے کر فوراً بنگال روانہ کیا جہاں پہنچنے کے بعد اس نے صوبہ دار بنگال کے ساتھ مل کر اچھی طرح سے مغلوں کی سرکوبی کی اور ان کو اسی راستہ سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا جس راستہ سے کہ وہ بنگال میں داخل ہوئے تھے۔ بنگال کے اس فتنہ کے ختم ہوتے ہی سلطان مسعود کو اطلاع ملی کہ مغلوں کا ایک زبردست لشکر منکوتا نامی مغل کی سرکردگی میں ملتان اور اچ کے علاقہ میں گھس آیا ہے اور وہاں اس لشکر نے قتل عام اور غارت گری مچا رکھی ہے۔ سلطان نے یہ سنتے کے ساتھ ہی تمام صوبوں سے فوجیں جمع کیں اور ایک عظیم الشان لشکر لے کر 643ھ مطابق 1249ء میں خود مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ ابھی یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لشکر بیاس کے کنارے ہی تھا کہ اس لشکر کی کثرت اور عظمت کا حال سن کر مغل بھاگ کھڑے ہوئے اور خراسان کی جانب نکل گئے سلطان بھی دہلی واپس آ گیا۔

سلطان مسعود عیش پرستی کا شکار:

سلطان مسعود نے تخت نشین ہونے کے بعد شروع شروع میں تو حکومت کے کاموں سے بڑی دلچسپی لی۔اس نے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی اپنے دونوں چچاؤں جلال الدین بن التمش اور ناصر الدین محمود بن التمش کو قید سے نکالا۔جلال الدین بن التمش کو قنوج کا اور ناصر الدین محمود کو بہرائچ کا حاکم مقرر کیا۔اس کے علاوہ سلطان مسعود نے مغلوں کی شورشوں کے دبانے میں بھی نمایاں حصہ لیا۔لیکن چند ہی دنوں میں سلطان مسعود بری صحبت میں مبتلا ہونے کے بعد عیش پرستی کا عادی بن گیا اور اس کی حالت یہ ہوگئی کہ ہر وقت شراب کے نشہ میں مدہوش رہنے لگا۔چنانچہ اس نفس پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام سلطنت میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہوگئی۔اب امرائے سلطنت کو پھر نیا حکمراں تلاش کرنے کی فکر ہوئی۔چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ سلطان مسعود کو بھی معزول کر دیا جائے۔اور اس کی جگہ سلطان مسعود کے چچا ناصر الدین محمود کو جو نہایت ہی پاک باز حکمراں تھا۔بہرائچ سے بلا کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا جائے۔چنانچہ اس تجویز کے مطابق 642ھ مطابق 1246ء میں سلطان مسعود کو پھر قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور ناصر الدین محمود بن التمش کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔سلطان مسعود نے چار برس اور ایک ماہ حکومت کی۔اس کی حکومت کا ابتدائی دور تو اچھا رہا لیکن آخری دور قطعی مایوس کن ثابت ہوا۔

سلطان ناصر الدین محمود

سلطان ناصر الدین محمود ایک ایسا درویش صفت بادشاہ ہوا ہے۔جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں ناپید ہے۔اس نے تمام عمر اپنے ذاتی خرچ کے لئے حکومت کے خزانہ سے ایک پیسہ نہیں لیا۔وہ قرآن مجید کی کتابت کی اجرت کے ذریعہ غریبوں جیسی زندگی بسر کرتا تھا۔644ھ مطابق 1246ء میں تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی مغلوں کی سرکوبی کے لئے جو ہندوستان میں گھس آئے تھے اسے دہلی سے نکلنا پڑا۔غیاث الدین بلبن جو سلطان کا وزیر تھا اس معرکہ میں سلطان ناصر الدین محمود کے ہمراہ تھا۔سلطان نے خود تو راوی پار کر کے سوہدرہ کے مقام پر قیام کیا۔اور بلبن کو فوج دے کر دوآبہ سندھ ساگر کی طرف روانہ کر دیا۔جہاں پہنچنے کے بعد غیاث الدین بلبن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے مغلوں کو مار مار کر دریائے سندھ کے پار بھگا دیا۔اور ان گھکڑوں کو سنگین سزائیں دیں جو لوٹ مار اور غارت گری میں مغلوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

ناصر الدین محمود کے زمانہ میں راجاؤں کی بغاوتیں:

سلطان شمس الدین التمش کی موت کے بعد سے دہلی کی حکومت میں جو بد نظمی اور کمزوری پیدا ہوگئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو راجاؤں میں بغاوت کے آثار برابر پیدا ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ جب ناصر الدین محمود تخت پر بیٹھا تو اسے کمزور سمجھتے ہوئے اکثر ہندو راجاؤں اور سرداروں نے کھلم کھلا بغاوت شروع کردی۔ چنانچہ ہندوؤں ک اس بغاوت کو دبانے کے لئے 645ھ مطابق 1247ء میں سلطان کو پانی پت جانا پڑا۔ اس کے بعد سلطان کو معلوم ہوا کہ قنوج کے ہندوؤں نے سلطان کے مقابلہ کے لئے قنوج کے قلعہ میں بڑی تعداد میں سامان حرب جمع کر رکھا ہے سلطان فوج لے کر قنوج کے قلعہ پر حملہ آور ہوا۔قلعہ کو فتح کیا اور باغیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔اس کے بعد معلوم ہوا کہ کڑہ مانکپور کا ہندو راجہ دلکی ملکی باغی ہوگیا ہے۔سلطان نے وہاں پہنچ کر اس باغی کو گرفتار کیا اور اس طرح فتنہ بھی دب گیا۔646ھ مطابق 1248ء میں سلطان نے قلعہ تھمبور پر بھی حملہ کردیا اس قلعہ کے ہندوؤں نے بھی شورش برپا کر رکھی تھی۔ پھر سلطان کو اطلاع ملی کہ روہلکھنڈ اور گنگا جمنا کے دوآبے میں ہندوؤں نے بغاوت برپا کر رکھی ہے۔سلطان ایک بڑی فوج لے کر ان کی سرکوبی کیلئے گیا اور اس بغاوت کو دبانے کے بعد دہلی واپس آ گیا۔

مغلوں کی شورش ایک مرض متعدی:

سلطان التمش کے دور حکومت سے لے کر اس وقت تک مغل بار بار ہندوستان کے مختلف حصوں میں شورشیں برپا کرتے رہے اور مغلوں کی یہ شورشیں ہندوستان کے لئے ایک مرض متعدی بن گئیں چنانچہ مغلوں نے 648ھ مطابق 1250ء میں دریائے سندھ عبور کر کے پھر ملتان میں شورش برپا کردی جسے ملک اختیار الدین نے فوراً دبا دیا۔اختیار الدین کے بعد صوبہ سندھ کی گورنری غیاث الدین بلبن کے چچازاد بھائی شیر خان کے سپرد ہوئی تو شیر خان نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مغلوں کو کچلا جس کی وجہ سے شیر خان کا بڑا نام ہوا۔651ھ مطابق 1253ء میں شیر خان مغلوں کا تعاقب کرتا ہوا غزنی تک پہنچا اور بے شمار مغلوں کو تہہ تیغ کیا۔

ملک میں شورش کا نیا طوفان:

مغلوں کی بیرونی شورشوں کی طرح ہندوؤں کی اندرونی شورشوں نے بھی سلطان ناصر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدین محمود کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔چنانچہ 649ھ مطابق 1251ء میں گوالیار، چندیری اور مالوہ وغیرہ میں ہندوؤں نے بغاوتیں کھڑی کردی تھیں۔اس کے علاوہ ہندوؤں کے سردار جاہر دیو نے سلطان کے مقابلہ کے لئے دو لاکھ سپاہی تیار کر لئے تھے۔سلطان نے اس باغی سردار پر حملہ کر کے اسے گرفتار کرلیا اور دوسرے تمام باغیوں کو کچل ڈالا۔652ھ مطابق 1253ء میں سلطان دوران سفر میں جب رام گنگا کے قریب پہنچا تو کئی جگہ راستہ میں ہندوؤں نے سلطان پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی چنانچہ پیشرو دستہ کے سردار رضی الملک اس سفر میں ہندوؤں کے ہاتھ سے مارے گئے۔جب سلطان نے ان کی یہ شورش پسندی دیکھی تو پھر ان پر حملہ کردیا اور اچھی طرح سے سرکوبی کی غرض کہ سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے دور حکومت میں قدم قدم پر شورش پسندوں سے الجھنا پڑا۔

وزارت کی تبدیلی پر امرائے سلطنت میں ناگواری:

غیاث الدین بلبن جو ابتداہی سے سلطان کا وزیراعظم تھا۔ایک طرف تو بڑا لائق منتظم تھا اور دوسری جانب بینظیر سپہ سالار بھی تھا۔چنانچہ سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے دور حکومت میں اپنے دشمنوں پر جتنی بھی فتوحات حاصل ہوئی تھیں ان میں بڑا ہاتھ غیاث الدین بلبن کا تھا۔لیکن عماد الدین ریحانی جو اس کا پرانا دشمن تھا۔یہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح بلبن کو بادشاہ کی نظر سے گرادے اور اسے اس میں کامیابی بھی حاصل ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلبن کی بجائے قلمدان وزارت ریحانی کو عطا ہوگیا اور بلبن کو حاکم بنا کر ہانسی بھیج دیا گیا۔عماد الدین ریحانی نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تمام گورنروں اور عمالوں کی بھی اکھاڑ شروع کردی جو غیاث الدین بلبن کے دور وزارت میں برسرِ اقتدار تھے۔امرائے سلطنت اور عمال ابتدا میں تو عماد الدین ریحانی کی ان حرکتوں کو برداشت کرتے رہے لیکن بعد کو ان میں اس قدر ناگواری پیدا ہوگئی کہ سب کے سب بغاوت کے لئے آمادہ ہوگئے۔جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو ریحانی کو بدایوں کا حاکم بنا کر بھیج دیا اور وزارت عظمی کا عہدہ بدستور غیاث الدین بلبن کو مل گیا جس کے بعد امرائے سلطنت اور عمال کی ساری ناگواری ختم ہوگئی۔اور سب نے سلطان کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا۔

سلطان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں:

سلطان ناصر الدین کا دور حکومت اول سے لے کر آخر تک بغاوتوں اور سازشوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔سلطان نے وزارت کی تبدیلی کے بعد امرائے سلطنت اور عمال کو قابو میں کیا ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ اودھ اور کالنجر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ہے سلطان فوج لے کر وہاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچا اور اس بغاوت کو دبایا۔غیروں کی بغاوت کے علاوہ خود سلطان کی ماں ملکہ جہاں نے بڑھاپے میں قتلغ خان سے نکاح کر کے اس کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ قتلغ خان نے ضلع دہرہ دون کے علاقہ پر قبضہ جمالیا اور پہاڑی ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر سرمور میں سلطان کے مقابلہ کے لئے سامان جنگ جمع کرنا شروع کر دیا۔سلطان نے 655ھ مطابق 1257ء میں سرمور پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔قتلغ خان یہاں سے بھاگ کر چتوڑ کے قلعہ میں چلا گیا۔اس کے بعد عماد الدین ریحانی اور حاکم گجرات نے بغاوتیں برپا کیں۔عمادالدین ریحانی گرفتاری کے بعد قتل کیا گیا۔اور حاکم گجرات فرار ہو گیا۔ابھی ان بغاوتوں سے سلطان کو فرصت نہیں ملی تھی کہ معلوم ہوا کہ مغلوں نے اچ اور ملتان پر پھر حملہ کر دیا ہے۔سلطان پوری تیاری کے بعد ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔لیکن مغل مقابلہ کے بغیر ہی فرار ہو گئے۔

اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نے پنجاب کے حاکم جلال الدین خان کو بنگال اور اڑیسہ کا گورنر بنا کر لکھنوتی (ڈھاکہ) بھیج دیا اور پنجاب کی گورنری غیاث الدین بلبن کے چچازاد بھائی شیر خان کے سپرد کر دی۔اس کے بعد سلطان کو اطلاع ملی کہ کڑہ مانک پور میں ارسلان خان اور قلیچ خان نے فساد برپا کر رکھا ہے لیکن سلطان کے پہنچتے ہی وہاں امن وامان ہو گیا۔

سلطان کے خلاف میواتیوں کی بغاوت:

سلطان ناصر الدین محمود کی حکومت کے آخری دور میں جو سب سے بڑی بغاوت ہوئی وہ میواتیوں نے برپا کی تھی۔اس بغاوت میں راجپوت، میواتی اور سوالک کا راجہ سب ایک ساتھ شامل ہو گئے تھے ان سب نے مل کر سلطان کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑا لشکر فراہم کیا تھا۔لیکن غیاث الدین بلبن نے ان پر حملہ کر کے 657ھ مطابق 1259ء میں ان کو ایسا کچلا کہ پھر یہ سالہا سال تک سر نہ اٹھا سکے یہ میواتی زمانہ دراز سے لوٹ مار اور غارت گری کر رہے تھے یہاں تک کہ دلی والے بھی ان سے محفوظ نہ تھے لیکن بلبن کی سرکوبی کے بعد ان کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔

ہلاکو خان کا سفیر سلطان ناصر الدین کے دربار میں:

اسی سال چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا سفیر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔سفیر کی آمد پر استقبال کی شاندار تیاریاں کی گئیں۔ڈھائی لاکھ فوج اور دو ہزار ہاتھیوں سے شہر کے باہر اس سفیر کا استقبال کیا گیا۔اس کے بعد سفیر دربار سلطانی میں حاضر ہوا سفیر مذکور سلطان کی بے اندازہ فوج اور دربار کی شان وشوکت سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ واپس جانے پر ہندوستان پر حملہ کرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال کو ترک کر دیا۔ چنانچہ چند سال تک مغلوں نے ہندوستان کی جانب رخ تک نہیں کیا۔

سلطان ناصر الدین محمود کی سادہ زندگی:

سلطان ناصر الدین محمود کہنے کے لئے تو ہندوستان کا بادشاہ تھا لیکن اس کی زندگی غریبوں کی طرح سادہ تھی وہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھتا تھا۔ اور ان ہی کے ہدیہ پر گذارا کرتا تھا۔ اس کی ایک ہی بیوی تھی جو اپنے ہاتھ سے سلطان کے لئے کھانا پکاتی تھی اور گھر کا سارا کام کاج خود ہی کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی امداد کے لئے ایک خادمہ رکھنے کی سلطان سے خواہش کی تو سلطان نے کہا کہ میری آمدنی اس قدر محدود ہے کہ مجھ میں خادمہ رکھنے کی استطاعت ہی نہیں، رہا شاہی خزانہ وہ سب رعایا کا مال ہے اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لے سکتا۔ سلطان ایک عبادت گذار درویش صفت بادشاہ تھا۔ جس کی ساری عمر بغاوتوں اور سرکشی کے دبانے میں صرف ہوگئی۔ یہ نیک بادشاہ بیس سال حکومت کرنے کے بعد 664ھ مطابق 1266ء میں دنیا کو خیر باد کہہ گیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان ناصر الدین محمود کے چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے امرائے سلطنت نے غیاث الدین بلبن کو 664ھ مطابق 1266ء میں دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور یہ امر واقعہ ہے وہ اس کا مستحق بھی تھا۔ اس میں حکمرانی اور جہاں بانی کے بے نظیر قابلیت تھی چنانچہ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد حکومت میں اس نے جس قابلیت کے ساتھ وزارت کی ہے وہ بالکل عیاں ہے۔

غیاث الدین بلبن کی ابتدائی زندگی بھی قطب الدین ایبک اور التمش کی طرح بے حد دلچسپ ہے۔ بلبن بغداد کے ایک بہت بڑے سردار کا بیٹا تھا۔ جب مغلوں نے بغداد کو تاراج کیا تو یہ مغلوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوگیا مغلوں نے اسے کسی بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دیا۔ جس سے جمال الدین بصری نے خرید لیا۔ اور شمس الدین التمش کو نذر کر دیا۔ التمش اس پر بے حد مہربان تھا۔ اس لئے اس کو ممتاز عہدوں پر سرفراز کرتا رہا۔ سلطانہ رضیہ کے عہد حکومت میں اسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا تھا لیکن یہ رہا ہوگیا۔ اور برابر ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت میں یہ وزیر اعظم بن گیا اور اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ وزارت عظمیٰ کے فرائض انجام دیئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلبن امیران چھلگانی کا سب سے بڑا مخالف:

سلطان التمش کی وفات کے وقت اس کے چالیس غلام بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ان ہی میں سے ایک بلبن بھی تھا۔یہ چالیس غلام امرائے چھلگانی یا خواجہ تاش کے نام سے مشہور تھے۔اگر سچ پوچھا جائے تو دہلی کی حکومت ہی ان چالیس غلاموں کے ہاتھوں میں تھی یہ جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔التمش کی وفات کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کی وجہ سے جب دہلی کی حکومت کمزور پڑ گئی تو ان امرائے چھلگانی کا اثر واقتدار اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔یہ چھلگانی امرا جس کو چاہتے تھے تخت پر بٹھا دیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے تخت سے معزول کر دیتے تھے اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی چاہتے تھے اپنے ماتحت ہندو راجاؤں کو قابو میں لے کر ان سے بغاوتیں برپا کرادیتے تھے چنانچہ ان چھلگانی امرا ہی نے سلطان رکن الدین کو قتل کرایا اور سلطانہ رضیہ کے خلاف بغاوت کھڑی کی۔اور ان ہی کے مشورہ سے سلطان بہرام شاہ کا کام تمام ہوا۔اور ان ہی کی سازش سے سلطان مسعود قید خانہ میں ڈالا گیا۔یہاں تک کہ انہوں نے سلطان ناصر الدین محمود جیسے خدا پرست بادشاہ کو بھی معاف نہیں کیا چنانچہ سب سے زیادہ بغاوتیں اسی فرشتہ صفت سلطان کے عہد حکومت میں کھڑی کی گئیں۔جن کو دبانے کے لئے بلبن کو بڑی جانفشانی سے کام لینا پڑا۔ان بغاوتوں میں زیادہ تر ہاتھ ان ہی امرائے چھلگانی کا تھا۔امرائے چھلگانی کی اس ابن الوقتی اور ''بادشاہ گری'' نے بلبن کے دل میں ان کی طرف سے سخت نفرت پیدا کر دی تھی۔چنانچہ بلبن نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے ان امرائے چھلگانی کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے بعد سب کو بے دست وپا کر دیا۔

بلبن کو ہندو امرا اور حکام پر اعتماد نہ تھا:

قطب الدین ایبک کے عہد حکومت سے لے کر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد حکومت تک دہلی کی سلطنت میں ہندوؤں اثر واقتدار برابر بڑھتا چلا جارہا تھا۔اور ہندو امرا بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو چکے تھے لیکن سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت میں ہندوؤں نے امرائے چھلگانی کے ساتھ سازش کر کے جو پے در پے بغاوتیں کیں۔اور ان بغاوتوں کی وجہ سے بلبن کو جن شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کی وجہ سے بلبن کو ہندو امرا اور حکام پر اعتماد نہیں رہا۔اس کی رائے تھی کہ محمود غزنوی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ہندو راجہ اور ہندو حکام جس کردار کا ثبوت دیتے رہے ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر اعتماد کرنا کھلی ہوئی حماقت ہے اس کو برہمنوں سے شدید نفرت تھی اور وہ کہا کرتا تھا کہ ان کا کام اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برسر اقتدار حکومتوں کیخلاف سازشیں کر کے عوام کو ان کے خلاف ابھارتے ہیں۔ بلبن پست اقوام کے لوگوں کو بھی ذمہ دارانہ عہدے دینے سے گریز کرتا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ پست اور نیچے درجہ کے لوگوں کو بڑے عہدے دینا دیدہ دانستہ شرفا کے لئے مصیبت پیدا کرنا ہے۔ اور اس غلطی سے اکثر اوقات حکومتوں کی بنیادیں تک ہل جاتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی میں زیادہ تر عالی نسب اور بڑے خاندانوں کے مسلمانوں کو نوازا۔

بلبن کے زمانہ میں ملک خونریزی سے پاک :

ہندوستان میں صدیوں کے بعد بلبن کے زمانہ میں لوگوں نے امن وامان کا دور دورہ دیکھا بلبن کے زمانہ میں تقریباً ساری بغاوتیں دب گئیں تھیں۔ ان بغاوتوں کے دبنے کا باعث ایک تو چھلگانی امرا کے اقتدار کا خاتمہ تھا اور دوسرا بڑا سبب بلبن کا رعب واثر تھا۔ اس کو دہلی سے باہر قدم نکالنے کی بہت ہی کم ضرورت پڑتی تھی۔ اپنے بائیس سال کے دور حکومت میں اس کو ایک مرتبہ بنگال کے باغی طغرل خان کی سرکوبی کے لئے بنگال جانا پڑا تھا۔ جہاں پہنچنے کے بعد بلبن نے طغرل خان کو قتل کر کے اپنے بیٹے بغرا خان کو بنگال کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بار وہ میواتیوں کی سرکوبی کے لئے گیا تھا۔ سلطان نے اپنے بھائی شیر خان کے انتقال کے بعد اپنے بیٹے محمد سلطان کو پنجاب وملتان کی گورنری کا عہدہ دے دیا تھا۔ محمد سلطان مغلوں کے لئے ایک مضبوط دیوار بنا رہا اس نے مغل حملہ آوروں کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ہر مرتبہ ان کو شکست دی لیکن ایک حملہ میں وہ ان ہی مغلوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس کا سلطان بلبن کو بے حد صدمہ ہوا۔

دہلی میں پناہ گزین شہزادوں کا ہجوم:

بلبن بہت بڑا مہمان نواز اور باحوصلہ بادشاہ تھا۔ اس نے دہلی میں ان تمام بادشاہوں اور شہزادوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ جو مغلوں کی حملہ آوری سے تخت وتاج سے محروم ہو گئے تھے ان مہاجر بادشاہوں اور شہزادوں کے لئے بلبن کی حکومت کی طرف سے شاہانہ انتظامات تھے۔ ان بادشاہوں اور شہزادوں کی مجموعی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ جن کے اہل وعیال اور خدام بھی ان کے ساتھ تھے۔ بلبن ان کے شاہانہ اخراجات برداشت کرنے میں ایک فخر اور خوشی محسوس کرتا تھا۔

بلبن کے دربار میں مقتدر علما اور صاحب کمال:

سلطان بلبن فقیر دوست اور علما کا بڑا قدردان تھا۔ چنانچہ اس کے دربار میں مقتدر علما اور باکمال حضرات کا ہمیشہ اجتماع رہتا۔ بلبن کا بیٹا محمد سلطان بھی باپ کی طرح بے حد علم دوست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن ایک زمانہ تک محمد سلطان کے ملازم رہ چکے ہیں۔ سلطان بلبن کو اپنے اس بیٹے سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ بلبن کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا محبوب بیٹا محمد سلطان مغلوں کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور اس صدمہ کے بعد وہ زیادہ مدت تک زندہ نہ رہ سکا۔ چنانچہ 685ھ مطابق 1287ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سلطان معز الدین کیقباد:

سلطان معز الدین کیقباد خاندان غلامان کا آخری بادشاہ ہوا ہے۔ یہ غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا۔ اس کو محض اس لئے تخت مل گیا کیونکہ بلبن کا بیٹا بغرا خان بلبن کی موت کے وقت بنگال میں تھا۔ چنانچہ امرائے سلطنت نے یہی مناسب سمجھا کہ تخت کو خالی نہ چھوڑا جائے اور بغرا خان کے بیٹے کیقباد کو تخت پر بٹھا دیا جائے کیقباد جس وقت تخت پر بیٹھا اس کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

بلبن جس زمانہ میں بیمار تھا اس نے اپنے بیٹے بغرا خان کو بنگال سے دہلی بلا لیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ بغرا خان اسی کے پاس رہے تاکہ تخت نشینی کا کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہونے پائے لیکن بغرا خان باپ کو اطلاع دیئے بغیر خاموشی سے بنگال چلا گیا جس کا بلبن کو بے حد رنج ہوا اس کے بعد جب بلبن کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو اس نے وصیت کی کہ میرے بعد محمد سلطان مرحوم کے بیٹے کیخسرو کو ملتان سے بلا کر تخت پر بٹھا دیا جائے۔ اس وصیت کے تیسرے ہی دن بلبن کا انتقال ہو گیا اور امرائے سلطنت کو مجبوراً کیقباد کو تخت پر بٹھانا پڑا۔

کیقباد کی نوعمری اور ناتجربہ کاری اتنی بڑی حکومت کی متحمل نہ ہو سکی چنانچہ سلطنت کے ملتے ہی کیقباد عیش و عشرت میں ڈوب گیا اور بلبن کا وہ دربار جہاں باشاہوں علما اور صاحبان کمال کا ہجوم رہتا تھا اب وہاں ڈوم ڈھاڑی، گوئیے اور مسخرے نظر آنے لگے۔ کیقباد ہر وقت شراب کے نشہ میں مست رہتا تھا۔ اس نے شہر چھوڑ کر کیلوگھڑی میں اپنی عشرت گاہ بنالی تھی اور اسی عشرت گاہ کے متصل کیقباد کے ہم پیالہ امرا اور یاروں کے بھی مکانات بن گئے تھے، بادشاہ نے اپنے سارے اختیارات اپنے وزیر نظام الدین کو دے دئے تھے، جو در پردہ خود تخت پر بیٹھنے کی سازشیں کر رہا تھا۔ نظام الدین نے چن چن کر امرا کو قتل کرایا بلبن کے پوتے کیخسرو اور دوسرے شہزادوں کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد اس جوڑ توڑ میں لگا رہا کہ کسی طرح کیقباد کو بھی ختم کر کے تخت شاہی پر قبضہ جمائے آخر موقع ملتے ہی اس نے کیقباد کو بھی قتل کرا دیا لیکن امرائے سلطنت نے فوراً خلجی خاندان کے ایک امیر ملک جلال الدین کو جو سامانہ کا نائب ناظم تھا اور جس کی عمر ستر سال کی تھی تخت پر بٹھا دیا تو وزیر نظام الدین دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا غرض کہ اس طرح ترکی غلاموں کے خاندان کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد خلجی افغانوں کی حکومت کی ہندوستان میں بنیاد پڑ گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان غلامان کا سب سے بڑا کارنامہ:

خاندان غلامان نے ہندوستان میں 603ھ مطابق 1206ء سے 688ھ مطابق 1290ء تک پچاسی سال حکومت کی اس خاندان کے دس بادشاہ تخت نشین ہوئے جن میں سے آخری بادشاہ کیقباد تھا۔ اس خاندان کی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں ان مغلوں کے پیر کبھی نہیں جمنے دیئے جنہوں نے کہ دنیا کی نصف سے زیادہ حکومتوں کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

شاہان خلجی کی حکومت

688ھ مطابق 1290ء تا 721ھ مطابق 1321ء

خاندان غلامان نے ہندوستان میں جس خودمختار اور آزاد اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی خلجی خاندان اس کی دوسری کڑی ہے۔ خلجیوں نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے ہوئے یہاں حکومت کی اور اس ملک کی ترقی اور فلاح و بہبودی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک محب وطن حکومت کرسکتی ہے اس کے علاوہ مغلوں جیسی خونخوار بیرونی قوم کا خلجیوں نے بھی اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور ان کی بھی کوشش یہی رہی کہ کوئی غیر ملکی ہندوستان میں قدم نہ رکھنے پائے۔

خلجیوں کی نسل کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور وہ ہندوستان میں کیونکر آئے اس کے بارے میں تاریخ فرشتہ کا یہ کہنا ہے خلجی چنگیز خان کے داماد قالج خان کی اولاد ہیں۔ جو قالج کے بعد خالج کہلائے اور اس کے بعد ان کو خالجی یا خلجی کہا جانے لگا۔ لیکن صاحب تاریخ سلجوقیان کا بیان ہے کہ ابن یافت کے گیارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام خلج تھا۔ جس کی اولاد خلجی کہلائی اور یہ قول صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کتب تاریخ میں چنگیز خان کے عروج سے قبل بھی جا بجا قوم خلج کا ذکر آیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خلجی قبیلہ زمانہ دراز سے غور اور ہرات کے علاقہ میں آباد تھا جس کے اکثر افراد افغانی حملہ آوروں کے ہمراہ ہندوستان آتے رہے ہیں۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری کے عہد حکومت میں اسی قبیلہ کے ایک شخص بختیار خلجی نے بنگال کو فتح کیا تھا۔ یہ حقیقت یہ ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک کے دور حکومت میں اس قبیلہ کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ چنانچہ خلجیوں کا وہ خاندان جس کے دور حکومت کا ہم تذکرہ کرنے والے ہیں اس کا اسی افغانی قبیلہ سے سلسلہ نسب ملتا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

سلطان جلال الدین خلجی کی تخت نشینی:

سلطان جلال الدین خلجی 688ھ مطابق 1290ء میں دہلی کے متصل کیلوگڑھی میں تخت پر بیٹھا۔ کیلوگڑھی وہی جگہ ہے جسے خاندان غلامان کے آخری عیش پرست بادشاہ کیقباد نے اپنی عشرت پسندیوں کے لئے منتخب کیا تھا۔ کیقباد یہ چاہتا تھا کہ یہاں ایک نیا شہر تعمیر کرلے لیکن اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمر اور حکومت نے وفا نہیں کی۔ کیقباد کے بعد جلال الدین خلجی نے اسی مقام کو دارالسلطنت کے لئے منتخب کیا۔ کیقباد کے زمانہ کی جو عمارتیں ادھوری پڑی تھیں ان کی تکمیل کی۔ جمنا کے کنارے باغ لگوایا۔ اور عمدہ عمدہ مکانات تعمیر کرائے۔ کیلوگڑھی جلال الدین خلجی کے زمانہ کی نئی دہلی تھی جسے خلجی سلطان نے خوب آراستہ کیا۔ جلال الدین خلجی کو اس نئی دہلی کے بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ وہ پرانی دہلی میں بعض امرائے سلطنت کے خوف سے رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں امرائے سلطنت اور دہلی کے باشندے اس کو غاصب خیال کر کے قتل نہ کر ڈالیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو عوام میں اور امرا کے ایک بڑے طبقہ میں اس کے خلاف انتہائی نفرت تھی۔ لیکن چند ہی روز کے بعد جب امرائے سلطنت اور عوام کو جلال الدین خلجی کی بے اندازہ خوبیوں کا علم ہوا تو بجز چند شرارت پسندوں کے سب اس کے گرویدہ اور عاشق ہو گئے۔

جلال الدین خلجی کی دریا دلی:

جلال الدین خلجی ایک طرف تو اتنا بڑا جنگجو تھا کہ اس نے مغلوں جیسی وحشی قوم تک کے چھکے چھڑوائے تھے لیکن دوسری طرف انتہا درجہ کا رحم دل خداترس اور فیاض تھا۔ چنانچہ اس نے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی ایک طرف تو اپنے تمام اعزا اور رشتہ داروں کو خوب نوازا اور دوسری طرف بلبن کے زمانہ کے امرا اور بلبن کے خاندان کے افراد کی خوب پرورش کی وہ طاقت سے لوگوں پر قابو حاصل کرنے کا قائل نہ تھا بلکہ وہ احسان کے ذریعہ دشمنوں کو دوست بنانے کے اصول پر ساری عمر عامل رہا۔ امرائے سلطنت ہمیشہ اس کی اس نرم پالیسی پر اعتراض کرتے تھے لیکن وہ مرتے دم تک اپنے اسی اصول پر قائم رہا۔

بلبن کا ایک بھتیجا ملک چھجو تھا جو کہ دہلی کی حکومت کا جائز حقدار تھا۔ اگر کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو وہ تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس کانٹے کو راستہ سے ہٹاتا لیکن جلال الدین خلجی نے بجائے اس کے کہ اس کو قتل کراتا یا قید میں ڈلواتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اسے کڑہ مانک پور کی صوبیداری پر مامور کر دیا۔ نیز دہلی کی حکومت کے سب سے بڑے حقدار سلطان بلبن کے بیٹے بغرا خان کو بدستور بنگال کی صوبیداری پر برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ اپنے بھتیجوں الماس بیگ اور علاء الدین سے اپنی دونوں لڑکیوں کی شادیاں کر دیں۔ اور اپنے بھانجے احمد حبیب خلجی کو وزارت کا عہدہ عطا کیا نیز بلبن کے عہد کے معززین کو ان کے مرتبوں پر قائم اور برقرار رکھا۔ سلطان کے تین بیٹے تھے جن میں سے منجھلا لڑکا ارکلی خان بڑا شجاع اور اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار تھا سلطان نے بڑے لڑکے اختیار الدین کو خان خاناں کا منجھلے لڑکے کو ارکلی خان اور چھوٹے بیٹے کو قدر خان کا خطاب

www.KitaboSunnat.com

دیا۔غرض کہ جلال الدین نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے اور غیروں کے ساتھ جس دریا دلی اور وسیع نظری کا ثبوت دیا اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مفقود ہے۔لیکن افسوس کہ اس دریا دل سلطان کی فیاضیوں سے سب ہی نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔اور اس کی محبت رحم مروت اور نرمی کو بڑھاپے کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔

ملک چھجو کی بغاوت:

سلطان کو اپنی اس دریا دلی اور وسیع نظری کے جرم میں سب سے پہلے بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کی بغاوت سے دوچار ہونا پڑا۔اور اس بغاوت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ملک چھجو کے ہندو مصاحبوں اور کڑہ مانک پور کے ہندو جاگیرداروں نے ملک چھجو کو یہ کہہ کر بغاوت پر ابھارا کہ حکومت کے اصلی مالک تو آپ ہیں۔خلجیوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ خود تو حکومت کریں اور آپ کو جو اصل مالک ہیں نوکر سمجھیں۔چنانچہ اس نواح کے جاگیردار زمیندار اور ہندو راجہ ملک چھجو کے ساتھ مل گئے۔اور ان کی مدد سے پیادوں نیز سواروں کا ایک بہت بڑا لشکر ملک چھجو کے پاس جمع ہو گیا۔اس پر طرہ یہ کہ بلبن کا مولا زادہ حاتم خان صوبہ دار اودھ بھی اس بغاوت میں ملک چھجو کے ساتھ شریک ہو گیا۔بس پھر کیا تھا،ملک چھجو نے کڑہ مانک پور میں تاج شاہی سر پر رکھ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔اور سلطان مغیث الدین کا لقب بھی اختیار کر لیا۔اس کے علاوہ ملک چھجو کے نام کا سکہ اور خطبہ بھی جاری ہو گیا۔تاجپوشی کی اس رسم سے فارغ ہونے کے بعد ملک چھجو لاتعداد ہندو فوج لے کر دہلی کے تخت پر قبضہ جمانے کے لئے کڑہ مانک پور سے روانہ ہو گیا۔جب سلطان کو اس بغاوت کا علم ہوا تو اس نے فوراً اپنے بیٹے ارکلی خان کو بطور ہراول ایک دستہ فوج دے کر پہلے روانہ کر دیا اور بعد میں خود ایک بڑا لشکر لے کر ملک چھجو کے مقابلہ کے لئے جا پہنچا۔بدایوں سے آگے بڑھ کر ارکلی خان کے دستہ کا ملک چھجو کے لشکر سے تصادم ہوا۔ملک چھجو کی ہندو فوج نے حملہ سے قبل ”سلطان مغیث الدین کی جے“ کے خوب نعرے لگائے لیکن جب ارکلی خان نے اپنی چھوٹی سی جمعیت سے ان پر حملہ کیا تو یہ سب تتر بتر ہو گئے اور بھاگتے نظر آئے۔ملک چھجو بھی فرار ہو گیا۔لیکن ایک ہندو مقدم نے دوسرے ہی دن اسے گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ملک چھجو کے علاوہ ان تمام بلبنی امراء راجاؤں اور جاگیرداروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا جو اس بغاوت میں ملک چھجو کے ساتھ شامل تھے،ارکلی خان نے ان سب کو اونٹوں پر سوار کر کے سلطان کے پاس روانہ کر دیا۔امیر خسرو جو سلطان کے مقربین میں سے تھے ان کا چشم دید بیان ہے کہ باغیوں کا یہ قافلہ جب آیا تو ان کی گردنوں میں دو شاخ پڑے ہوئے تھے۔ہاتھ پس پشت بندھے ہوئے تھے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔سلطان نے ان کو دیکھتے ہی چلا کر کہا۔”ارے یہ کیا قیامت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ان کو اونٹوں پر سے اتارو۔گردنوں سے دوشاخ نکالو اور ان کے ہاتھ کھولو اور انہیں معززین اور امرا کے خالی خیموں میں لے جاؤ''۔بادشاہ کا حکم پاتے ہی ان کا ہاتھ منہ دھلایا گیا کپڑے بدلوائے گئے۔بادشاہ نے ان کی خوب تواضع کی اور ان سب کا قصور معاف کر دیا۔اور ملک چھجو کو ملتان بھیج دیا اور حکم دے دیا کہ ان کو عمدہ مکان میں رکھا جائے اور عیش وطرب کا سب سامان مہیا کر دیا جائے پھر ملک چھجو کی جگہ اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین کو کڑہ مانک پور کا حاکم مقرر کر دیا۔

ملک چھجو اور دوسرے باغیوں کے ساتھ بادشاہ کی اس بے موقع نوازشوں سے وزیر اعظم اور امرائے دربار کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔اور امراء نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ باغیوں اور فتنہ پردازوں کے ساتھ اسی طرح نرمی اختیار کرتے رہے تو حکومت کا سارا رعب ختم ہو جائے گا اور ملک کے ہر حصہ میں بغاوتیں برپا ہو جائیں گی۔بادشاہ نے جواب دیا مجھ کو دنیاوی بادشاہت سے کہیں زیادہ عاقبت کی جواب دہی کا خوف ہے بادشاہ کی اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں چوروں اور ڈاکوؤں تک نے فتنہ وفساد برپا کرنا شروع کر دیا۔لیکن جب یہ چور اور ڈاکو بادشاہ کے سامنے پکڑے ہوئے آتے تو بادشاہ ان سے قول وقسم لے کر اور وعظ وپند سنانے کے بعد چھوڑ دیتا۔غرض کہ سلطان جلال الدین خلجی اپنے بدترین دشمنوں اور فتنہ پردازوں کے ساتھ بھی انتہائی نرمی اور مروت کا سلوک کرتا تھا۔اس بادشاہ میں یہ ایسی صفت تھی جو اس سے قبل کسی بادشاہ میں نہیں دیکھی گئی۔

سلطان کے عہد میں مشہور بزرگ سید مولہ کا قتل:

سلطان جلال الدین جیسے فرشتہ صفت اور خدا ترس بادشاہ کے عہد حکومت میں دہلی کے مشہور بزرگ سید مولہ کا قتل ایک ایسا واقعہ ہے جو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ جلال الدین کے عہد میں ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔سید مولہ ایک مشہور بزرگ ہوئے ہیں جن کی خانقاہ دہلی میں تھی۔اور جن کے لنگر سے ہزاروں بندگان خدا کو روزانہ کھانا ملتا تھا۔بظاہر ان بزرگ کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔لیکن ان کا خرچ ہزاروں روپیہ روزانہ کا تھا۔امرائے سلطنت اور دہلی کے باشندے ان بزرگ کے بے حد معتقد تھے۔کہا جاتا ہے کہ بعض شرارت پسند امرا کے ورغلانے پر یہ بزرگ اس کے لئے آمادہ ہو گئے کہ سلطان کو قتل کرنے کے بعد خود اپنی حکومت قائم کر لی جائے۔جب اس کی اطلاع جلال الدین خلجی کو ہوئی تو بادشاہ نے سید مولہ کو دربار میں بلایا اور ان سے اس کی حقیقت پوچھی سید مولہ اور ان کے ساتھیوں نے صاف انکار کر دیا۔لیکن بادشاہ کو یقین نہیں آیا۔اور ان لوگوں کو سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ادھر بادشاہ کے بیٹے ارکلی خان نے فیل بان کو اشارہ کر کے سید مولہ کو ہاتھی سے کچلوا دیا۔اس واقعہ کے فوراً بعد ہی 690ھ مطابق 1292ء میں دہلی میں ایسا قحط پڑا کہ ہزاروں تڑپ تڑپ کر مر گئے اور ہزاروں نے جمنا میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔اور اسی سال بادشاہ کا بڑا بیٹا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار الدین خان خاناں بیمار ہو کر مر گیا۔

مغلوں کا حملہ اور مالوہ کی بغاوت:

691ھ مطابق 1293ء میں ہلاکو خان مغل کے پوتے نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ سلطان خود اس کے مقابلہ کے لئے ایک بڑی فوج لے کر پنجاب پہنچا سلطان کو مغلوں پر فتح حاصل ہوئی۔ اور مغل سردار گرفتار ہونے کے بعد سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ لیکن بعد میں جانبین کی کوششوں سے صلح ہو گئی۔ ہلاکو خاں کا پوتا خود سلطان سے ملاقات کے لئے آیا۔ اس صلح کے بعد مغل ہندوستان سے واپس چلے گئے لیکن چنگیز خاں کا ایک پوتا الغو خاں معہ چند بڑے بڑے سرداروں کے سلطان جلال الدین کی خدمت میں رہ گیا۔ جب سلطان پنجاب سے دہلی واپس ہوا تو الغو خان اور دوسرے مغل سردار بھی سلطان کے ساتھ دہلی آ گئے۔ اور ان سب نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ سلطان نے نومسلم الغو خاں کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی باقی مغلوں نے اپنے بیوی بچوں کو دہلی بلا لیا اور دہلی ہی میں آباد ہو گئے۔

691ھ مطابق 1293ء میں جب سلطان جلال الدین کو اطلاع ملی کہ مالوہ میں بغاوت برپا ہو گئی ہے تو سلطان اپنے بیٹے ارکلی خاں کو دہلی میں چھوڑ کر خود مالوہ کیلئے روانہ ہو گیا اجین کو فتح کیا۔ وہاں کے بتخانہ کو توڑا مالوہ کو تخت و تاراج کیا۔ لیکن محاصرہ کے باوجود رنتھنبور کا قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ رنتھنبور کا راجہ مع اہل وعیال کے قلعہ بند ہو گیا تھا اور آخر سلطان اس قلعہ کو فتح کئے بغیر ہی محاصرہ اٹھانے کے بعد دہلی واپس آ گیا۔ وزیر اور امرائے سلطنت نے بلاوجہ محاصرہ اٹھانے اور بغیر فتح کے واپس چلے آنے کا سبب پوچھا تو بادشاہ نے کہا کہ یہ قلعہ فتح تو ضرور ہو جاتا لیکن اس پر اتنی زیادہ انسانی جانیں قربان ہو جاتیں کہ ان کے مقابلہ میں اس قلعہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ میرے نزدیک انسانی جان اتنی ارزاں نہیں ہے جتنی کہ بادشاہ عام طور پر سمجھتے ہیں۔

سلطان کے داماد اور ملکہ میں عداوت:

علاء الدین جو سلطان کا داماد بھی تھا اور بھتیجا بھی اس کے تعلقات اپنی بیوی اور ساس کے ساتھ نہایت خراب تھے۔ یہ معاملات اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ علاء الدین کو ہر وقت خوف رہتا تھا کہ ملکہ جہاں یعنی اس کی ساس اسے قتل نہ کرا دے چنانچہ ملک چھجو کی بغاوت کو دبانے کے بعد جب سلطان جلال الدین بدایوں سے دہلی واپس آیا اور ملک چھجو کی جگہ علاء الدین کو کڑہ مانک پور کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا تو علاء الدین اس تقرر سے بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ دارالسلطنت سے دور رہے تاکہ ملکہ جہاں کا ہاتھ اس پر نہ پڑ سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاءالدین اور کڑہ کے فتنہ پردازوں کی سازش:

جب علاءالدین ملک چھجو کی جگہ کڑہ مانک پور کا حاکم ہو کر کڑہ پہنچا اور کڑہ کے ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں کو یہ معلوم ہوا کہ علاءالدین کے تعلقات ملکہ جہاں سے کشیدہ ہیں تو بقول ضیا برنی ان فتنہ پردازوں نے ملک چھجو کی طرح علاءالدین کو بھی سلطان اور ملکہ کے خلاف ابھارنا شروع کیا اور علاءالدین کو یہ یقین دلایا کہ چھجو کو محض روپیہ کی کمی کی وجہ سے شکست ہوئی اگر آپ روپیہ فراہم کر لیں تو ہم آپ کو دہلی کا تخت دلانے کی ذمہ دار لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی علاءالدین کے ہندو مصاحبوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر بھلسہ پر حملہ کیا جائے تو وہاں سے بے اندازہ دولت ہاتھ آسکتی ہے چنانچہ علاءالدین بھلسہ پر حملے کے لئے موقع تلاش کرنے لگا۔

علاءالدین کا بھلسہ پر حملہ:

جب 691ھ مطابق 1293ء میں مندور کے ہندوؤں کی بغاوت نے زور پکڑا اور سلطان نے مندور جاکران کی سرکوبی کی تو علاءالدین نے بھلسہ پر فوج کشی کی سلطان سے اجازت حاصل کر لی چنانچہ علاءالدین نے مال و دولت کے لالچ میں بھلسہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ اسے وہاں سے برائے نام مال غنیمت اور کانسی کے ایک بہت بڑے بت کے سوا کچھ نہیں لا۔ جسے وہ گاڑی پر لدوا کر دہلی لے گیا۔ سلطان جلال الدین نے اس کی فتح سے خوش ہو کر اس مرتبہ اودھ کا ملک بھی اس کی حکومت میں دے دیا۔ علاءالدین نے اپنے اوپر سلطان کو مہربان دیکھ کر روپیہ جمع کرنے کی ایک دوسری ترکیب سوچی اس نے سلطان سے کہا کہ چندیری کا علاقہ حکومت دہلی سے بالکل الگ ہو گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو دو سال تک کڑہ اور اودھ کا خراج روک کر اپنی فوجی طاقت بڑھا لوں پھر اس فوج سے چندیری اور دوسرے علاقے فتح کر کے دہلی کی حکومت میں ان کو شامل کر دوں۔ اور اس کے بعد سارا خراج بھی ادا کر دوں سلطان نے اجازت دے دی۔ علاءالدین یہ چال چلنے کے بعد دہلی سے کڑہ آیا اور درپردہ دکن پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں محض اس لئے کہ اسے دکن سے بے حد مال و دولت ملنے کی امید تھی۔

علاءالدین کا دکن پر حملہ:

693ھ مطابق 1294ء میں علاءالدین دیوگیر (دولت آباد) پر حملہ کی غرض سے چھ ہزار سوار لے کر کڑہ سے روانہ ہو گیا۔ لیکن سب پر ظاہر یہی کیا کہ وہ چندیری کی فتح کے لئے جا رہا ہے۔ اس مہم کو پوشیدہ رکھنے کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس نے سلطان جلال الدین سے اجازت لئے بغیر محض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت کے لالچ میں یہ قدم اٹھایا تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ اچانک حملہ کرنا چاہتا تھا تاکہ دیوگری کی دولت ادھر ادھر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ علاء الدین بڑی تیزی کے ساتھ منزلوں کو طے کرتا ہوا دو مہینے کے اندر دیوگیر کے قریب جا پہنچا راستہ میں متعدد ریاستیں اسے ملیں لیکن اس نے کسی طرف بھی رخ نہ کیا کیونکہ اس کی منزل مقصود تو دیوگیر تھی جہاں اس زمانہ میں بے اندازہ دولت موجود تھی۔ علاء الدین نے دیوگیر کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے شہر ایلچ پور کو فتح کیا اور اس کے بعد فوراً دیوگیر یعنی دولت آباد کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب دیوگیر کے راجہ رام دیو کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس کی ریاست پر چڑھائی کر دی ہے تو وہ فوج لے کر شہر سے نکلا اور علاء الدین کی فوج کا مقابلہ کیا لیکن راجہ کے دکنی سپاہی جو مسلمانوں کا نام سن کر ہی خائف ہو گئے تھے۔ علاء الدین کی فوج کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ راجہ کو شکست ہو گئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ علاء الدین نے آگے بڑھ کر شہر دیوگیر پر قبضہ کر لیا۔ اور دل کھول کر مہاجنوں کو اور شہر کے باشندوں کو لوٹا۔ اس کے بعد قلعہ کا محاصرہ شروع کر دیا اور یہ شہرت دے دی کہ مسلمانوں کی بیس ہزار فوج دیوگیر کے قلعہ کو فتح کرنے کے لئے اور آ رہی ہے۔ راجہ نے سوچا کہ پہلے ہی کافی تباہی مچ چکی ہے۔ اگر بیس ہزار فوج اور آ گئی تو جان بچانا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ صلح کی بات چیت شروع ہوئی اور صلح ہو گئی، صلح کی شرائط کے مطابق راجہ نے علاء الدین کو پچاس من سونا کئی من موتی اور بے اندازہ ریشمی کپڑے بطور نذر دیا۔

علاء الدین اس مال غنیمت کو حاصل کرنے کے بعد واپس جانے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ اچانک راجہ کے بیٹے نے جو ریاست سے باہر تھا قرب و جوار کے راجاؤں کی امداد سے ایک بڑا لشکر جمع کیا اور علاء الدین کے مقابلہ پر آنے کے بعد علاء الدین کو پیغام پہنچا کہ جو کچھ تم نے لوٹ مار کی ہے اور مال غنیمت حاصل کیا ہے وہ سب رکھ دو۔ اور فوراً ریاست سے باہر چلے جاؤ۔ ورنہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔ ہمارے پاس تمہارے مقابلہ کے لئے بے اندازہ لشکر اور طاقت موجود ہے۔ علاء الدین نے اس کے جواب میں پلٹ کر دکنی لشکر پر حملہ کر دیا رام دیو کا بیٹا بڑی بہادری کے ساتھ لڑا۔ لیکن آخر میں ہندو فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور علاء الدین کو فتح حاصل ہو گئی۔ علاء الدین اب پھر قلعہ کی جانب متوجہ ہوا۔ اس کے علاوہ علاء الدین نے شہر میں قتل عام اور غارت گری شروع کر دی۔ راجہ نے پھر دوبارہ صلح کی بات چیت شروع کی لیکن علاء الدین کسی طرح صلح کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا آخر راجہ نے ایلچیوں نے بڑی منت سماجت کے بعد علاء الدین کو صلح کیلئے آمادہ کر لیا۔ لیکن اس مرتبہ راجہ کو اپنا سب کچھ علاء الدین کو دے دینا پڑا۔ یعنی راجہ نے چھ سو من سونا، سات من موتی، دو من لعل، یاقوت اور زمرد وغیرہ، ایک ہزار من چاندی، چار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزار ریشمین کپڑے کے تھان اور بے اندازہ غلہ۔ علاء الدین کی نذر کیا۔ اس کے علاوہ ایلچپور اور اس کے متعلق علاقے بھی علاء الدین کے مطالبہ پر راجہ نے اسے دے دیئے۔ غرض کہ علاء الدین دکن میں فتح حاصل کر کے اور یہاں سے بہت بڑا خزانہ لے کر کڑہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ مورخوں کی رائے ہے کہ علاء الدین نے دیوگیر سے جو دولت حاصل کی تھی۔ وہ اس تمام مال و دولت کے مجموعہ سے بدرجہا زیادہ تھی جو محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر شہاب الدین غوری کے زمانہ تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی۔

سلطان جلال الدین خلجی کا قتل:

علاء الدین کی یہ دیرینہ تمنا اور آرزو پوری ہو چکی تھی کہ اسے کسی نہ کسی طرح بے اندازہ مال و دولت حاصل ہو جائے تاکہ اس دولت کے مدد سے وہ اپنے چچا جلال الدین خلجی کو راستہ سے ہٹانے کے بعد دہلی کے تخت پر قابض ہو سکے۔ جہاں تک کڑہ اور قرب و جوار کے ہندو راجاؤں، جاگیرداروں اور زمینداروں کا تعلق تھا وہ پہلے ہی سے علاء الدین کے مصاحب اور ہمنوا بنے ہوئے تھے بلکہ اگر سچ پوچھا جائے تو انہوں ہی نے علاء الدین کو اس مقصد کے لئے ابھارا تھا اور انہوں ہی نے دیوگیر کی بے اندازہ دولت کا اسے پتہ بتایا تھا۔ اب جب کہ علاء الدین کے پاس دولت بھی تھی اور اس کے ساتھی بھی موجود تھے تو اس نے سلطان جلال الدین کو راستہ سے ہٹانے کے لئے سازشیں شروع کر دیں۔

سلطان جلال الدین گوالیار میں تھا کہ اسے پتہ چلا کہ اس کے بھتیجے نے دکن پر حملہ کر کے بے اندازہ دولت حاصل کی ہے۔ اس اطلاع پر جلال الدین بے حد خوش ہوا۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ اس فتح پر مبارکباد دینے کے لئے خود کڑہ جائے مگر وزیر اعظم اور امراء جو علاء الدین کو شک کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس سفر سے روکا اور بادشاہ دہلی چلا آیا۔

سلطان جلال الدین کے دہلی آنے کے بعد سلطان کو علاء الدین کا ایک خط ملا جس میں انتہائی خوشامد اور لجاجت کا اظہار کرتے ہوئے وفاداری کا یقین دلایا گیا تھا۔ اور قدم بوسی کی تمنا اور آرزو کا اظہار کیا گیا تھا۔ بادشاہ اس خط سے بے حد خوش ہوا اور ادھر علاء الدین کے بھائی الماس بیگ نے بادشاہ کو شیشے میں اتارنا شروع کیا اور بادشاہ سے یہ کہا کہ چونکہ علاء الدین بغیر آپ کی اجازت کے دکن پر حملہ آور ہوا تھا اس لئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے ڈرتا ہے۔ اور وہ اتنا خوفزدہ ہے کہ اندیشہ ہے کہ کہیں زہر نہ کھا لے۔ اس لئے آپ جو اس کے باپ کی جگہ ہیں خود کڑہ جا کر اس خوف کو اس کے دل سے کیوں نہیں نکال دیتے۔ سادہ دل بادشاہ اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے تیار ہوگیا۔ مگر وہ فوج کے ہمراہ جانا چاہتا تھا کہ الماس بیگ نے اس موقع پر بادشاہ کو فوج لے جانے سے باز رکھنے کے لئے پٹی پڑھائی کہ اگر آپ فوج لے کر جائیں گے تو اندیشہ ہے کہ علاء الدین اس کا کچھ اور مطلب سمجھ کر کہیں خودکشی نہ کر لے یا دکن کا سارا مال لے کر کسی طرف کو نہ نکل جائے اس لئے آپ کو چاہئے کہ یہ سفر بغیر فوج کے کریں۔ بادشاہ جس کو کہ خود بھی دکن کے خزانہ کی بے حد طمع تھی جب اس کو خزانہ کے نکل جانے کا خوف دلایا گیا تو وہ بغیر فوج کے الماس بیگ کو ہمراہ لے کر کٹرہ روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کو اپنے بھتیجے علاء الدین پر پورا اعتماد تھا چنانچہ وہ کسی وسوسے یا اندیشے کے بغیر کٹرہ پہنچ گیا۔ لیکن جیسے ہی وہ کشتی سے اترا علاء الدین کے آدمیوں نے تلوار کے ذریعہ اس کا کام تمام کر دیا۔ سلطان کو جس وقت جام شہادت پلایا گیا وہ روزہ سے تھا۔ یہ واقعہ 17 رمضان 694ھ مطابق 129ء کو پیش آیا یہ عجیب بات ہے کہ 17 رمضان ہی کو حضرت علی شہید ہوئے تھے اور یہی مبارک دن اس خدا ترس بادشاہ کو بھی نصیب ہوا۔ قتل کے بعد بادشاہ کا سر کاٹ کر اور اسے نیزے پر چڑھا کر شہر اور فوج میں گھمایا گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی کی بلند شخصیت:

سلطان جلال الدین خلجی جس نے صرف چھ سال ہندوستان پر حکومت کی ہے ایک نہایت ہی نیک دل، خدا ترس اور فیاض طبع انسان تھا۔ وہ عام بادشاہوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے سینہ میں ایک درد بھرا دل تھا۔ وہ معمولی سے معمولی انسان کی تکلیف پر بے چین ہو جاتا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی تھی کہ اس کی رعایا میں سے کسی ایک فرد کو بھی ذرا تکلیف نہ پہنچے۔ اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو نوازنے میں کبھی خست سے کام نہیں لیا۔ ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ایک عزیز یعنی علاء الدین ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا دور حکومت ملک اور رعایا کے لئے ایک نعمت تھا۔

قدر خان کی تخت نشینی:

چچا کا خاتمہ کرنے کے بعد اب علاء الدین کے لئے دہلی کے تخت کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا مرحلہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کو سب سے بڑا اندیشہ سلطان کے بیٹے ارکلی خان سے تھا۔ جو سلطان کا صحیح جانشین ہونے کے علاوہ لائق ترین سپہ سالار بھی تھا۔ لیکن علاء الدین کی خوش قسمتی کہ سلطان جلال الدین کے قتل کی اطلاع سنتے ہی سلطان کی بیوہ ملکہ جہاں نے اپنے نوعمر بیٹے قدر خان کو رکن الدین ابراہیم کا خطاب دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ ارکلی خان جو اس وقت ملتان میں تھا اسے جب ماں کی اس بے انصافی اور زیادتی کی خبر پہنچی تو اس نے بدظن ہو کر ملتان سے دہلی جانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور اس طرح ملکہ جہاں کی بے عقلی سے علاء الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا۔ علاء الدین اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً ایک بڑے لشکر کے ساتھ دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ جس علاقہ سے بھی گذرتا تھا روپیہ لٹاتا جاتا تھا تاکہ عوام کی ہمدردی اس کو حاصل ہو جائے بلند شہر کے قریب علاء الدین کے لشکر کا مقابلہ سلطانی امرا کے لشکر سے ہوا۔ لیکن علاء الدین نے سلطانی لشکر کے سرداروں کو چالیس چالیس اور پچاس پچاس من سونا دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ سلطانی لشکر کے سپاہیوں میں دل کھول کر روپیہ تقسیم کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطانی لشکر بھی اس کا ساتھی بن گیا۔ جب علاء الدین دہلی پہنچا تو دہلی کا تخت اس کے لئے خالی تھا۔ اس لئے کہ علاء الدین کی ساس یعنی قدر خان کی ماں علاء الدین کے خوف سے دہلی چھوڑ کر ملتان کے لئے روانہ ہو چکی تھی۔ اور دہلی کا نام نہاد بادشاہ قدر خان بھی اسی کے ساتھ جا چکا تھا۔

سلطان علاء الدین خلجی

سلطان علاء الدین خلجی نے 695ھ مطابق 1296ء کو دہلی میں داخل ہونے کے بعد بڑی دھوم کے ساتھ اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کی۔ تین شبانہ روز جشن منایا گیا۔ سرکاری خرچ پر دہلی کی آئینہ بندی ہوئی اور جا بجا شراب کی سبیلیں لگائی گئیں۔ مقربین اور عزیزوں کو خطابات عطا کئے گئے چنانچہ اپنے بھائی الماس خان کو الغ خان کا خطاب دیا۔ ملک نصرت کو نصرت خاں کا خطاب عطا ہوا۔ ضیا برنی کے باپ موید الملک کو برن یعنی بلند شہر کی حکومت دی گئی۔ اور دیگر مقربین کو بھی نوازا گیا۔

جلال الدین کے خاندان پر بے پناہ مظالم:

خطابات عہدوں اور جاگیروں کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین نے اپنے چچا جلال الدین کے خاندان کی بیخ کنی کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے ملتان کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین خلجی کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرایا۔ ارکلی خاں کے دو بیٹوں کو قتل کرا دیا۔ سلطان جلال الدین کے داماد الغ خان نبیرہ چنگیز خاں اور ملک احمد چپ کی آنکھیں نکلوا کر ان کو قلعہ ہانسی میں قید کر دیا۔ اور اپنی ساس ملکہ جہاں کو جس کا علاء الدین پرانا دشمن تھا مع حرم کی دوسری عورتوں کو دہلی میں قید کر دیا۔ غرض کہ علاء الدین نے اپنے چچا جلال الدین کے خاندان کو ایک سرے سے بالکل صاف کر دیا۔ اس قتل عام اور غارت گری سے فرصت پانے کے بعد 696ھ مطابق 1295ء میں علاء الدین نے الغ خاں اور ظفر خاں کو ان مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا جو سندھ ملتان اور پنجاب کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے برابر بڑھے چلے آ رہے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جالندھر کے قریب مغلوں کے لشکر میں اور علاء الدین کی فوج میں مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں مغل حسب معمول شکست کھا کر بھاگ گئے۔ غرض کہ علاء الدین نے تخت پر بیٹھنے کے فوراً ہی بعد کچھ تو قتل و خون اور تشدد سے اور کچھ مغلوں پر فتح پا کر اچھی طرح سے سارے ملک پر اپنی دھاک بٹھادی۔

گجرات اور سیوستان کی فتح:

سلطان علاء الدین جب اپنے چچا کے کنبے کو ٹھکانے لگا چکا اور اسے یہ یقین ہو گیا کہ اب اس کی حکومت مستحکم ہو گئی ہے تو اس نے جدید فتوحات کی طرف توجہ کی سب سے پہلے اس نے گجرات اور سیوستان کی فتح کے لئے لشکر روانہ کئے چنانچہ 696ھ مطابق 1298ء میں اس کے بھائی الغ خاں اور نصرت خاں نے گجرات پر حملہ کر دیا۔ گجرات دراصل اسلامی حکومت کا مقبوضہ تھا۔ لیکن وہاں کے راجہ کرن رائے نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اس لئے گجرات کو نئے سرے سے فتح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ الغ خاں اور نصرت خاں نے گجرات اور نیروالا کو تاخت و تاراج کر کے فتح کر لیا۔ راجہ کرن رائے نے بھاگ کر دیو گیر کے راجہ رام دیو کے پاس پناہ لی اس کی رانی کنولا دیوی، دوسری رانیاں لڑکیاں خزانہ اور بہت سے ہاتھی سلطانی لشکر کے ہاتھ آئے۔

گجرات کے بعد نصرت خان کھمبائیت پہنچا وہاں کے ساہوکاروں سے بہت کچھ جواہرات اور روپیہ وصول کیا۔ اور ایک ساہوکار سے نہایت ہی حسین غلام جس کا نام کافور تھا زبردستی چھین لیا۔ ساہوکار نے اس لڑکے کو امرد بنا کر اپنی خدمت کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ غرض کہ گجرات اور کھمبائیت سے فارغ ہونے کے بعد الغ خاں اور نصرت خاں یہ تمام مال غنیمت لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے اور گجرات کا علاقہ حکومت دہلی کے نائب کے سپرد کر دیا۔ لیکن راستہ میں فوج نے الغ خان اور نصرت خان کے برے سلوک سے تنگ آ کر بغاوت کر دی اس بغاوت میں سلطان کا بھانجا اور نصرت خان کا بھائی مارا گیا۔ نصرت خاں اور الغ خاں اس بغاوت کو دبانے کے بعد مال غنیمت اور لونڈی غلاموں کو لے کر دہلی پہنچے اور ان کو سلطان علاء الدین کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان کی نظر کنولا دیوی پر پڑی تو اس کے حسن و جمال پر ایسا لٹو ہوا کہ اسے مسلمان کر کے نکاح کر لیا اور اسے ملکہ کا درجہ دے دیا۔ کنولا دیوی کے علاوہ کافور غلام بھی سلطان کا ایسا منظور نظر ثابت ہوا کہ سلطان کی نوازشوں نے اسے وزارت عظمیٰ کے عہدہ تک پہنچا دیا۔

گجرات کی طرح سیوستان بھی جو سندھ کا ایک حصہ تھا۔ زمانہ دراز سے سلطنت اسلامیہ کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ لیکن سیوستان کے راجہ چھیل دیو نے مغلوں کے زیر اثر آنے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر اسی سال 697ھ مطابق 1298ء میں ظفر خاں نے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست پر حملہ کرا سے فتح کرلیا۔راجہ اور اس کے مغل دوستوں کو گرفتار کر کے مع مال غنیمت کے دہلی بھیج دیا اور اس طرح سیوستان پر پھر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔غرض کہ ان فتوحات نے علاء الدین کی طاقت اور غرور میں اور بھی اضافہ کردیا۔

مغلوں کا دہلی پر سب سے بڑا حملہ:

مغلوں نے سلطان التمش کے زمانہ سے ہندوستان کو اپنی لوٹ اور غارت گری کا میدان بنا رکھا تھا چنانچہ 698ھ مطابق 1499ء میں قتلغ خاں خواجہ کی سرکردگی میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کر کے انہوں نے سلطان علاء الدین کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی کردی۔مغل اس مرتبہ چونکہ لوٹ مار کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ وہ ہندوستان کو فتح کرنے کے خواہشمند تھے اس لئے وہ شہروں اور قصبوں کو لوٹے بغیر سیدھے دہلی پہنچ گئے اور دو لاکھ کا لشکر لا کر دہلی کی فصیل کے نیچے کھڑا کردیا۔مغلوں کے حملہ کی اطلاع ہوتے ہی تمام شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔سلطان علاء الدین نے جوں توں کر کے تین لاکھ کی فوج جمع کی۔اور اس فوج کا سپہ سالار ظفر خاں کو بنایا جو اس سے قبل بھی مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔سلطان اور ظفر خاں سپہ سالار دونوں اس فوج کو لے کر شہر سے باہر نکلے اور مغلوں پر پل پڑے سخت معرکہ آرائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی لیکن ظفر خاں جیسا بہادر اس جنگ میں کام آ گیا۔سلطان نے اس عظیم الشان معرکہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد سکندر ثانی کا خطاب اختیار کرلیا۔اور یہ خطاب سکوں پر کندہ ہونے لگا اور خطبوں میں پڑھا جانے لگا۔

علاء الدین کو ایک نیا مذہب جاری کرنے کا خبط:

پے در پے کامیابیوں نے سلطان علاء الدین کو اس قدر مغرور کردیا کہ اب وہ بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ پیغمبری کے خواب دیکھنے لگا۔چنانچہ اس نے اپنے تمام امرائے سلطنت کو جمع کرنے کے بعد اس ارادہ کا اظہار کیا کہ وہ ایک نیا دین رائج کرنا چاہتا ہے تاکہ قیامت تک اس کا نام باقی رہے اور اس کے نام لیوا زندہ رہیں لیکن علاء الملک کوتوال اور دوسرے امرائے سلطنت نے ہمت اور جرأت سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کو اس خطرناک ارادہ سے روکا۔حقیقت یہ ہے کہ علاء الدین کو کامرانیوں نے اندھا کردیا تھا۔اور وہ اپنے آپ کو انسانی مخلوق سے بلند تصور کرنے لگا تھا۔

علاء الدین کے خلاف بغاوت:

سلطان علاء الدین کی اگرچہ ملک میں کافی دھاک بیٹھ چکی تھی لیکن پھر بھی اس نے اپنے ظلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زیادتیوں کی وجہ سے مخالفین کی بہت بڑی تعداد پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ 699ھ مطابق 1300ء میں سلطان جب قلعہ رنتھنبور کی فتح کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں سلطان کے بھتیجے سلیمان شاہ نے سلطان کے قتل کرنے کی کوشش کی سلطان زخمی تو ہو گیا مگر بچ گیا۔ سلطان نے رنتھنبور پہنچ کر وہاں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعہ کا راجہ جو سلطنت اسلامیہ کا باجگذار تھا اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اس لئے سلطان اسے سزا دینا چاہتا تھا لیکن راجہ نے اس ہوشیاری کے ساتھ قلعہ کی حفاظت کی کہ کافی عرصہ گذرنے کے بعد بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا اور بادشاہ وہاں الجھ کر رہ گیا۔

بادشاہ کو مصروف دیکھ کر اس کے دو بھانجوں امیر عمرو، اور منگو خاں نے بدایوں اور اودھ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ مگر یہ دونوں گرفتار کر لئے گئے اور ان کو بادشاہ کے پاس رنتھنبور ہی بھیج دیا گیا جہاں بادشاہ نے ان کو عبرتناک سزا دینے کے بعد قتل کرا دیا۔ اسی دوران میں حاجی مولیٰ نامی ایک شخص نے دہلی کے بڑے بڑے اہلکاروں کو قتل کر کے سلطان کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ اور دہلی کے تخت پر قبضہ جمانے کے بعد علوی نامی ایک شخص کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن امرائے سلطنت نے مولی اور علوی دونوں کو قتل کر کے اس فتنہ کو دبا دیا۔ غرض کہ سلطان جب تک رنتھنبور میں رہا اس کے خلاف نئی نئی بغاوتیں کھڑی ہوتی رہیں۔ آخر ایک سال کی مسلسل کوشش اور بے اندازہ جانی اور مالی نقصان اٹھانے کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا راجہ ہمیر دیو اور اس کے متعلقین بے دردی کے ساتھ قتل ہوئے۔ رنتھنبور کے اسی معرکہ میں نصرت خان ایک پتھر سے زخمی ہونے کے بعد ہلاک ہو گیا۔

قلعہ جب فتح ہو گیا تو سلطان کی نظر راجہ کے ساتھی محمد شاہ باغی پر پڑی۔ جو مقتولین کے پاس پڑا تھا مگر بری طرح زخمی ہونے کے باوجود ابھی تک زندہ تھا۔ بادشاہ نے اسے پہچان لیا اور قریب جا کر کہا کہ اگر تیرا علاج کرا کے تجھے تندرست کرا دیا جائے تو اس احسان کا بدلہ تو کیا دے گا محمد شاہ نے جواب دیا۔ میں تندرست ہو کر تجھ کو قتل کروں گا اور راجہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں گا۔ علاء الدین نے ناراض ہو کر اسے ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سلطان کو قلعہ رنتھنبور کے معرکہ میں بڑی ہی دشواریوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان اس قلعہ کو اپنے بھائی الغ خاں کے سپرد کر کے دہلی واپس آ گیا۔ الغ خاں پانچ مہینے کے بعد بیمار ہو کر دہلی آتے ہوئے راستہ میں فوت ہو گیا اور اس طرح سلطان علاء الدین کے دو بہترین سپہ سالار نصرت خان اور الغ خاں اس چھوٹے سے قلعہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔

چتوڑ پر حملہ اور پدمنی کی کہانی:

رنتھنبور کے قلعہ کی طرح چتوڑ کا قلعہ بھی ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سلطان علاء الدین نے ابتدا میں تو یہ کوشش کی کہ اس قلعہ کا راجہ حملہ کے بغیر ہی اطاعت قبول کر لے لیکن راجہ نے اطاعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے انکار کر دیا۔ راجہ کے انکار پر سلطان علاء الدین نے 703ھ مطابق 1304ء میں اس قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اور چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد بمشکل تمام اس قلعہ پر فتح حاصل ہوئی۔ راجہ گرفتار ہو گیا۔ لیکن رانی پدمنی مع راجہ کے متعلقین کے کوہستانی علاقہ میں فرار ہو کر روپوش ہو گئی۔ علاء الدین نے قلعہ چتوڑ کو اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کے سپرد کر کے اس کا نام خضر آباد رکھا۔ اسی قلعہ میں سلطان نے خضر خاں کی ولی عہدی کا بھی اعلان کیا تھا۔ علاء الدین چتوڑ گڑھ کے اس معرکہ سے فارغ ہو کر دہلی آ گیا۔ اور اپنے ساتھ چتوڑ کے راجہ رتن سین کو بھی لے آیا اور اسے نظر بند کر دیا۔ راجہ رتن سین کی گرفتاری کے بعد راجہ کے بھانجے نے خود کو سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جسے مصاحبین سلطانی میں داخل کر لیا گیا۔

خضر خاں چونکہ عیش وعشرت اور رنگ رلیوں میں مبتلا ہو گیا اس لئے وہ چتوڑ گڈھ کے علاقہ کا انتظام نہ کر سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغی راجپوتوں نے چتوڑ گڈھ کے جنگلوں میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔ اور رانی پدمنی کو حاکم قرار دینے کے بعد خود مختارانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ ان راجپوتوں کو جب موقعہ ملتا تھا یہ سلطانی علاقہ پر چھاپے مار کر لوگوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ جب سلطان کو رانی پدمنی اور راجپوتوں کی اس نئی شرارت کا علم ہوا تو اس نے راجہ رتن سین کے بھانجے سے جو سلطان کا مصاحب بن چکا تھا اس معاملہ میں مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ راجہ رتن سین آپ کے قبضہ میں ہے اس سے کہئے کہ وہ رانی کو اس قسم کی باغیانہ حرکتوں سے روکے اور اسے بلا کر اپنے پاس ہی رکھ لے یہ فتنہ اس طرح خود ہی ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ رتن سین سے کہا گیا تو رتن سین فوراً رانی کو بلانے اور اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔ رتن سین نظر بندی کے باوجود دہلی میں بڑے آرام کی زندگی گذار رہا تھا۔ اس لئے یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ راجہ اس معاملہ میں کسی قسم کے فریب سے کام لے گا چنانچہ راجہ نے ایک خاص پیغام بر کے ذریعہ رانی کو بلانے کے لئے خط بھی بھیج دیا لیکن راجپوتوں نے یہ چال چلی کہ رانی کی بجائے پالکیوں میں مسلح راجپوتوں کو بٹھا کر بھیج دیا اور راجپوتوں کو بطور محافظتی دستہ کے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کر کے ان پالکیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اور یہ مشہور کیا کہ رانی پدمنی راجہ کے طلب کرنے پر دہلی جا رہی ہے۔ چنانچہ رانی پدمنی کا یہ مصنوعی جلوس دہلی کے باہر پہنچنے کے بعد رک گیا۔ اور سلطان کو مطلع کیا گیا کہ رانی پدمنی آ گئی ہے راجہ کو اجازت دی جائے کہ وہ رانی کے جلوس کو آ کر اپنے ہمراہ لے جائے سلطان نے اجازت دے دی لیکن راجہ چند محافظوں کی نگرانی میں رانی کے استقبال کے بہانے جوں ہی شہر سے باہر آیا اور مصنوعی جلوس کے قریب پہنچا تو راجپوتوں نے پالکیوں میں سے کود کر پہلے تو راجہ کے محافظوں کا صفایا کیا اور اس کے بعد راجہ کو گھوڑے پر بٹھا کر فرار ہو گئے اور مع راجہ کے اپنی خفیہ کمین گاہ میں پہنچ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان کو جب راجہ کے فرار ہونے کا علم ہوا تو وہ راجپوتوں کی اس عیاری پر حیران رہ گیا۔ ادھر راجہ رتن سین نے چتوڑ گڑھ کے علاقہ میں پہنچنے کے بعد لوٹ اور غارت گری شروع کر دی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن بادشاہ کا بیٹا خضر خاں حاکم چتوڑ بدستور عیش و عشرت میں مصروف رہا۔ آخر کار بادشاہ نے سیاسی مصلحت کے پیش نظر راجہ رتن سین کے بھانجے کو چتوڑ کا حاکم بنا کر بھیجا اور خضر خاں کو واپس بلا لیا۔ راجہ کے بھانجے نے کسی نہ کسی طرح راجپوتوں کو اپنی جانب مائل کر کے اس فتنہ کو دبا دیا۔ اور اس کے بعد یہ کچھ نہیں پتہ چلا کہ راجہ رتن سین اور پدمنی کا کیا ہوا یہ ہے پدمنی کا وہ قصہ جس کو کہ فسانہ نگاروں نے سلطان علاء الدین اور پدمنی کی عشق کی کہانی بنا ڈالا ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام ہی مستند مورخوں نے اس بے سر و پا داستان عشق کو بے بنیاد قرار دیا ہے سلطان علاء الدین کوئی مذہبی پیشوا نہ تھا نہ کوئی اسلامی رہنما تھا اور نہ اس کا ذاتی کیرکٹر ہی اتنا بلند تھا کہ مسلم مورخ خواہ مخواہ پدمنی کے داغ کو اس کی پیشانی سے دھونے کی کوشش کرتے اگر یہ واقعہ درست ہوتا تو مسلم مورخوں نے اسی طرح اس واقعہ کو بھی تاریخ میں درج کر دیا ہوتا جس طرح کہ انہوں نے گجرات کی بیوہ رانی کنولا دیوی پر علاء الدین کے فریفتہ ہونے اور پھر اس سے نکاح کرنے کے واقعہ کو بلا تکلف سپر قلم کر دیا ہے۔ یا کافور غلام اور علاء الدین کے واقعات کو جس طرح بے کم و کاست تاریخ میں درج کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پدمنی اور علاء الدین کے عشق کی کہانی بالکل فرضی اور بے بنیاد ہے جس کو راجپوتانہ کے درباری بھاٹوں کی اختراع سے زیادہ کوئی اہمیت حاصل نہیں۔

مغلوں کے پے در پے ہندوستان پر حملے:

698ھ مطابق 1299ء میں مغلوں کو دہلی میں جو تاریخی شکست ہوئی تھی اس کے بعد عام خیال یہ تھا کہ اب شاید مغل زمانہ دراز تک ہندوستان کی جانب رخ نہیں کریں گے لیکن 704ھ مطابق 1305ء میں مغلوں نے نئی چال چلی کہ وہ کوہ ہمالیہ کے اندر ہو کر ایک نئے راستہ سے امروہہ تک جا پہنچے اور اس سارے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ علی بیگ مغل اور تر تاک مغل اس حملہ میں چالیس ہزار سواروں کی سرکردگی کر رہے تھے۔ سلطان نے غازی ملک تغلق کو فوراً ان کی سر کوبی کے لئے روانہ کیا۔ مغلوں کو شکست ہوئی۔ ان کے دونوں سردار علی بیگ اور تر تارک اور ہزاروں سپاہی گرفتار ہو گئے۔ جن کو تہہ تیغ کر دیا گیا یا غلام بنا لیا گیا۔ سلطنت دہلی کو بمشکل اس حملہ سے نجات ملی تھی کہ 705ھ مطابق 1306ء میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور تر تارک کا انتقام لینے کے لئے پھر ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ غازی ملک تغلق نے ان کا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے پر کیا۔ ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچ کر فرار ہو سکے۔ باقی سب مارے گئے ان کا سردار گنگ مغل زندہ گرفتار ہوا۔ جس کو سلطان نے دہلی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھی کے پاؤں سے کچلوادیا اس کے بعد اقبالمند نامی ایک اور مغل سردار نے حملہ کیا اس کو بھی ملک تغلق نے دیبالپور میں شکست دے کر زندہ گرفتار کرلیا۔ اور وہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے دہلی میں ہاتھی کے پاؤں سے زندہ کچلوادیا گیا۔ ان پے در پے شکستوں سے مغل مرعوب ہوگئے اور ملک تغلق کی دھاک سارے ملک میں قائم ہوگئی۔

سلطان کے منظور نظر ملک کافور کی عزت افزائی:

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ سلطان علاء الدین نے کھمبائیت سے آئے ہوئے کافور نامی ایک خوبرو اور نوعمر غلام کو اپنا منظور نظر بنالیا تھا۔ یہ خوبصورت لڑکا امرد تھا جس نے بہت جلد سلطان کے مزاج میں اس قدر دخل حاصل کرلیا کہ 706ھ مطابق 1307ء میں سلطان نے اس کا درجہ تمام امراء سے بلند کرکے اس کو وزارت عظمٰی کا عہدہ تفویض کردیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے سپہ سالار بنا کر اور ایک لاکھ فوج دے کر دکن کی تسخیر کے لئے روانہ کردیا۔ ملک کوفور چونکہ ایک ناتجربہ کار غلام تھا اور اس میں سپہ سالاری کی قابلیت نہیں تھی اس لئے سلطان نے حاکم مالوہ عین الملک ملتانی اور حاکم گجرات الغ خاں کے نام فرامین جاری کئے کہ اپنی اپنی فوج لے کر ملک کافور کے ساتھ شامل ہوجائیں نیز خواجہ حاجی اور دوسرے ماہرین جنگ کو بھی اس کے ساتھ کردیا تاکہ فتوحات تو ماہرین جنگ کی وجہ سے ہوں اور نام سلطان کے منظور نظر ملک کافور کا ہو۔

فوجی افسروں کو دیول دیوی کی تلاش کا حکم:

ملک کافور اور خواجہ حاجی کے دکن کی مہم پر روانہ ہونے سے قبل سلطان نے اپنی نومسلم ملکہ کنولا دیوی کی فرمائش پر ان کو حکم دیا تھا کہ وہ کنولا دیوی کی لڑکی دیول دیوی کو جو کنولا دیوی کے سابق شوہر راجہ کرن سے تھی دکن میں تلاش کرنے کے بعد ملکہ کے پاس دہلی روانہ کردیں۔ یہ لڑکی اپنے باپ راجہ کرن کے ساتھ بگلانہ (ریاست دیوگیر) میں رہتی تھی۔ سلطان نے گجرات کے حاکم الغ خاں کو بھی حکم بھیج دیا کہ وہ بھی اس لڑکی کی تلاش اور جستجو میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھے۔ چنانچہ الغ خاں کو جب پتہ چلا کہ یہ لڑکی راجہ کرن کے پاس بگلانہ میں ہے تو الغ خاں نے راجہ کو سلطان کے حکم سے مطلع کردیا اور لڑکی کے حوالے کردینے کا مطالبہ کیا۔ جب راجہ کرن کسی طرح بھی لڑکی کو دینے کے لئے تیار نہ ہوا تو الغ خاں نے راجہ کرن پر حملہ کردیا۔ راجہ کرن نے لڑکی کو فوراً بگلانہ سے دیوگیر کی جانب روانہ کردیا تاکہ اس کی شادی دیوگیر کے راج کمار منگل دیو سے کردی جائے۔ لیکن اتفاق سے یہ لڑکی سلطانی فوج کے سپاہیوں کے ہاتھ پڑگئی۔ جنھوں نے اسے الغ خاں کے پاس روانہ کردیا۔ الغ خاں نے اس لڑکی کو یعنی دیول دیوی کو دہلی بھیج دیا۔ ولی عہد سلطنت ظفر خاں نے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑکی کو دیکھا تو وہ عاشق ہو گیا۔اور بعد میں ان دونوں کی شادی کر دی گئی۔

ملک کافور کا دیو گیر پر حملہ:

جس وقت کہ الغ خاں نے راجہ کرن کے خلاف بکلانہ پر حملہ کیا تھا اسی وقت ملک کافور کی فوج دیو گیر کی تسخیر کے لئے دیو گیر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ملک کافور نے سلطان کی ہدایت پر راجہ دیو گیر کے خلاف اس لئے فوج کشی کی تھی کیونکہ اس نے حسب وعدہ علاقہ ایلچپور کا خراج تین سال سے دہلی نہیں بھیجا تھا۔غرض کہ ملک کافور کی فوجوں نے دیو گیر پر حملہ کر کے 706ھ مطابق 1307ء میں اسے فتح کر لیا اور راجہ کو جس نے کوئی مقابلہ نہیں کیا گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا۔علاء الدین نے دیو گیر کے راجہ رام دیو کی بڑی عزت کی یہ وہی راجہ تھا جس کی بے پناہ دولت کے بل پر علاء الدین دہلی کے تخت پر قابض ہوا تھا۔سلطان علاء الدین نے راجہ سے اقرار اطاعت لینے کے بعد اسے رائے رایان کا خطاب اور چتر سفید عطا کیا۔دیو گیر کی ریاست پھر اسے واپس کر دی اور گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام راجہ کو دے دیا۔نیز راجہ کے بیٹوں اور تمام عزیزوں اقارب کو رہا کر کے ان سب کو بڑی عزت کے ساتھ دیو گیر رخصت کیا۔

جھالور اور سیوانہ کی فتح:

جس زمانہ میں کہ ملک کافور دکن میں تھا۔سلطان کو خود سیوانہ کی فتح کے لئے جانا پڑا۔کیونکہ سلطان کے لشکر نے کئی سال سے سیوانہ کا محاصرہ کر رکھا تھا مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی تھی لیکن سلطان نے جب پوری طاقت کے ساتھ حملہ کیا تو سیوانہ کے راجہ سیتل دیو نے اظہار عجز کے لئے اپنا سونے کا مجسمہ گلے میں زنجیر ڈال کر بھیج دیا۔اور بادشاہ سے معافی کی درخواست کی۔بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم خود نہیں آؤ گے۔معافی نہیں مل سکتی۔آخر راجہ حاضر خدمت ہوا۔بادشاہ نے اقرار اطاعت لے کر سیوانہ کا قلعہ پھر راجہ کے حوالے کر دیا۔

بادشاہ نے جھالور پر اپنی لونڈی گل بہشت سے حملہ کرایا تھا۔اس دلچسپ حملہ سے پتہ چلتا ہے کہ علاء الدین صرف کافور جیسے غلاموں ہی کو نہیں ابھارنا چاہتا تھا بلکہ لونڈیوں اور باندیوں کو بھی سپہ سالار بنا دینے کی فکر میں تھا۔چنانچہ گل بہشت لونڈی نے جھالور کے راجہ کو محصور کر کے قلعہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔لیکن یہ لونڈی کیونکہ اس معرکہ کے دوران ہی میں بیمار ہو کر مر گئی تھی اس لئے سید کمال الدین نے اس مہم کو سر کیا۔راجہ اور اس کے بیٹے قتل کئے گئے اور ریاست کا خزانہ دہلی روانہ کر دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلنگانہ، کرناٹک اور ملیبار کی فتح:

سلطان نے 709ھ مطابق 1310ء میں ملک کافور اور خواجہ حاجی کو ورنگل کے راجہ لدر دیو کے زیر کرنے کے لئے جنوبی ہند کی دوسری مہم پر روانہ کیا۔ ملک کافور کا لشکر دیو گیر ہوتا ہوا ملک تلنگانہ میں داخل ہوگیا۔ پہلے راجہ سے اطاعت کے لئے کہا گیا جب راجہ اطاعت کے لئے آمادہ نہ ہوا تو سلطانی لشکر نے قلعوں اور شہروں کو فتح کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا۔ راجہ خوف کی وجہ سے ورنگل کے قلعہ میں محصور ہوگیا اور بعد میں مجبور ہوکر اطاعت قبول کر لی۔ اور بطور نذرانہ کے تین سو ہاتھی، سات ہزار گھوڑے اور بہت سا سونا چاندی پیش کیا۔ اور ایک معقول خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا ملک کافور یہ تمام مال غنیمت لے کر دہلی آیا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اس طرح ملک دکن کا ایک بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوگیا۔ اس کے بعد سلطان نے ملک کافور اور خواجہ حاجی کو تیسری مرتبہ فوج دے کر دکن کی جانب روانہ کیا۔ پہلے یہ لشکر دیو گیر آیا دیو گیر کا راجہ مر چکا تھا اس لئے اس کے بیٹے کو سند حکومت دی گئی پھر یہ لشکر آگے بڑھا اور اس نے کنارہ فتح کیا۔ اس کے بعد کرناٹک اور ملابار کا علاقہ فتح کر کے راس کماری تک اسلامی حکومت کو وسعت دیدی۔ پھر یہ لشکر کارومنڈل کی جانب بڑھا اور اس علاقہ کے تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا ہوا اور اقرار اطاعت لیتا ہوا دہلی واپس آ گیا ان فتوحات کے بعد ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک اور گجرات سے لے کر بنگال تک ہندوستان کا پورا برِاعظم مملکت اسلامیہ میں شامل ہوگیا۔

ملک کافور کا ظلم اور سیاسی چالیں:

دکن کی فتوحات اگرچہ خواجہ حاجی اور دوسرے سپہ سالاروں کی جنگی قابلیت کا نتیجہ تھیں لیکن پھر بھی سلطان علاء الدین کی عنایت سے یہ تمام فتوحات ملک کافور کی ذات سے وابستہ کر دی گئیں۔ دکن کی ان فتوحات کے بعد ملک کافور برابر سلطان پر حاوی ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ 710ھ مطابق 1311ء میں ساری سلطنت ملک کافور کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسے سلطان نے مزید اعزاز دینے کے بعد دکن کا وائسرائے بنا دیا تھا۔ دکن کا وائسرائے بننے کے بعد ملک کافور کی دراز دستیاں اور ظلم بے حد بڑھ گیا چنانچہ اس نے سب سے پہلے دیو گیر پر حملہ کر کے اس کے نوعمر راجہ کو قتل کیا محض اس جرم میں کہ ملک کافور کو اس کے باغی ہوجانے کا صرف شبہ تھا۔ اس کے بعد ملک کافور نے مہاراشٹر کرناٹک اور جنوبی ہند کے ان راجاؤں پر حملے شروع کئے جنہوں نے خراج نہیں بھیجا تھا ان میں سے بعض راجاؤں کی حکومتیں تو ملک کافور نے اپنے انتظام میں لے لیں اور بعض کو باجگذار اور اطاعت شعاری کے وعدہ کے بعد بدستور حکمراں رہنے دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک کافور نے بادشاہ کے مزاج میں پوری طرح دخل حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے بادشاہ کو بیٹوں اور متعلقین سے متنفر کرنا شروع کیا اور اس ناپاک مقصد میں ملک کافور کو اس لئے اور بھی کامیابی ہوگئی چونکہ خود بادشاہ کے لڑکے ایسے نالائق تھے کہ یہ بادشاہ کے آخری وقت میں بیمار ہو جانے پر اس کو پوچھتے تک نہ تھے یہی حالت بیگمات کی بھی تھی سب کے سب عیش پرستیوں میں مدہوش تھے اور ملک کافور ان کے خلاف بادشاہ کے دل میں زہر پیدا کرتا چلا جا رہا تھا۔ ملک کافور کی ان سیاسی چالوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ براہ راست یا بالواسطہ دہلی کہ حکومت پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ بادشاہ جب 715ھ مطابق 1315ء میں زیادہ بیمار ہوا تو بادشاہ کی طلبی پر ملک کافور فوراً دہلی پہنچ گیا اور دن رات بادشاہ کی خدمت کر کے بادشاہ کا دل اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملک کافور کے ورغلانے سے الغ خاں حاکم گجرات اور اس کے بھائی کو قتل کرا دیا۔ اور ولی عہد سلطنت خضر خاں اور اس کا بھائی شادی خاں دونوں گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ خضر خاں کی ماں یعنی ملکہ بھی قلعہ سے نکال دی گئی۔

سلطان جو طویل علالت کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا تھا 6 شوال 716ھ مطابق 1316ء کی رات کو اچانک مر گیا۔ عام خیال یہ ہے کہ ملک کافور نے سلطان کو زہر دے کر ختم کر دیا۔ ملک کافور نے بادشاہ کی موت سے قبل بادشاہ سے ایک دستاویز بھی لکھوالی تھی جس کے ذریعہ ولی عہد سلطنت خضر خاں کو معزول کر دیا گیا تھا اور اسکی جگہ بادشاہ کے چھ سالہ لڑکے شہاب الدین کو وارث تخت و تاج قرار دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کے مرتے ہی ملک کافور نے شہاب الدین کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔

علاء الدین خلجی کی حکومت پر ایک نظر:

علاء الدین جو اپنے چچا کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا اپنے زمانہ کا نہایت ہی ظالم اور جابر حکمراں تھا۔ سیاسی اغراض کے لئے لوگوں کو قتل کرا دینا اور ان کے گھروں کو برباد کر دینا اس کے لئے معمولی بات تھی علم کے معاملہ میں اس قدر کورا تھا کہ اپنے دستخط بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا عالم تصور کرتا تھا۔ مذہب سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ مذہب دل بہلانے کا ڈھکوسلا ہے۔ لیکن مذہب کو ڈھکوسلا جاننے کے باوجود بھی اس نے محض اس لئے ایک نیا مذہب رائج کرنا چاہا تاکہ وہ پیغمبر بن کر عوام کے دلوں پر حکومت کر سکے۔

ابتدا میں تو وہ عیاش نہ تھا لیکن حکومت ملنے کے بعد اسے عیاشی کا بھی چسکا پڑ گیا تھا۔ وہ خوبصورت عورتوں اور خوش شکل لڑکوں کا بے حد شائق تھا۔ چنانچہ کنولا دیوی سے نکاح اور ملک کافور کی غیر معمولی عزت افزائی صاف طور پر بتا رہی ہے کہ کس قماش کا انسان تھا۔ ہندوستان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں سب سے پہلے اسی نے خود اپنا اور اپنے بیٹے خضر خاں کا ہندو عورتوں کے ساتھ نکاح کیا وہ شراب کا بھی عادی تھا لیکن آخر عمر میں اس نے شراب بالکل چھوڑ دی تھی۔

علاء الدین جہاں ظالم، جابر، مذہب سے بیگانہ اور عیش پرستی کا شائق تھا وہاں اپنے دور کا بہت بڑا بہادر اور منتظم بھی ہوا ہے چنانچہ اس نے ہندوستان میں اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے لے کر بنگال تک سارا ہندوستان اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا۔ وہ ان جرنیلوں میں سے تھا جو شکست کھانا ہی نہیں جانتے اس کے فوجی اقتدار کا یہ عالم تھا کہ لونڈی اور غلاموں کو بھی اس نے نامور سپہ سالار بنا کر مشہور کر دیا۔

ملک کے انتظامی معاملات میں اس کے تدبر اور ہوش مندی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے دور میں ہندوستان کو ایک نرالا ہندوستان بنا دیا۔ عوام کے اخلاق کی اصلاح کے لئے اس نے شراب پینا، شراب بیچنا سخت ترین جرم قرار دے دیا۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے جاگیرداری کی لعنت کو ختم کیا زمینداروں کی زمینداری کو محدود کیا۔ کاشت کاروں کی امداد کی وہ ایک بادشاہ ہونے کے باوجود سرمایہ داری کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ چنانچہ سرکاری ملازمین کی بڑی بڑی تنخواہوں میں کمی کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کا سب سے پہلا سوشلسٹ لیڈر تھا۔

عام تجارتوں پر بھی اس نے بڑا زبردست کنٹرول کیا۔ کیا مجال کہ کسی چیز کی قیمت ایک پائی بھی کوئی تاجر زیادہ وصول کر سکے۔ ذرا سی لغزش پر تاجروں کو سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس کے زمانہ میں اجناس اور ضروریات زندگی اس قدر ارزاں تھیں کہ ایک خاندان تین چار روپیہ ماہانہ میں عیش کی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ریٹ کنٹرول ایکٹ نافذ کیا تاکہ مالکان جائیداد مکانوں کے کرائے زیادہ وصول نہ کر سکیں حقیقت یہ ہے کہ علاء الدین ہندوستان کی تاریخ میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ جہاں اس میں بہت سی ذاتی خامیاں اور کمزوریاں تھیں وہاں اس نے نئے نئے قوانین نافذ کر کے اپنی رعایا کی بہترین خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسی متضاد صفات کا بادشاہ ہندوستان میں کوئی نہیں ہوا۔

شہاب الدین خلجی کی برائے نام بادشاہی:

716ھ مطابق 1316ء میں ملک کافور نے علاء الدین خلجی کی موت کے بعد اس کے چھ سالہ لڑکے شہاب الدین عمر کو تخت پر بٹھا دیا۔ ملک کافور روزانہ تھوڑی دیر کے لئے شہاب الدین عمر کو لا کر تخت پر بٹھاتا۔ اور پھر اسے اس کی ماں کے پاس حرم سرا میں پہنچا دیتا اور اس کے بعد خود ہی اس کے نام سے احکام اور فرامین جاری کرتا رہتا یعنی دراصل شہاب الدین کے پردہ میں ملک کافور ہی فرمانروائی کر رہا تھا۔ ملک کافور نے ولی عہد سلطنت خضر خاں اور اس کے بھائی شادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاں کی قلعہ گوالیار میں آنکھیں نکلوا دیں۔ خواجہ سراؤں اور پست درجہ کے کمینوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ شاہی خاندان کے افراد کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرایا ملک کافور کمسن بادشاہ کی تاک میں بھی تھا تا کہ اسے قتل کر کے خود اپنی بادشاہی کا اعلان کر دے مگر اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

ملک کافور کا قتل:

سلطان علاء الدین کے خاندان کا صرف ایک شہزادہ مبارک خاں باقی رہ گیا تھا جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ شہزادہ بھی قید کر دیا گیا تھا اور اس کے قتل کے احکامات بھی ملک کافور نے دے دیئے تھے لیکن قاتلوں کو اس شہزادہ پر رحم آ گیا اور انہوں نے دوسرے سپاہیوں سے مشورہ کر کے بجائے شہزادہ مبارک کے کافور ہی کو قتل کر ڈالا۔ گویا ملک کافور نے جن لوگوں کو شہزادہ مبارک کے قتل کے لئے متعین کیا تھا وہی لوگ ملک کافور کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوئے۔

ملک کافور سلطان علاء الدین کی موت کے بعد صرف 30 دن زندہ رہا۔ ملک کافور کے خاتمہ کے بعد سلطان علاء الدین کے بیٹے شہزادہ مبارک خاں کو قید خانہ سے نکال کر پہلے تو کمسن بادشاہ کا وزیر اعظم بنایا گیا۔ اور دو ماہ کے بعد اسے تخت نشین کر دیا گیا۔ مبارک خاں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین یعنی کمسن بادشاہ کی آنکھیں نکلوا کر خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں بھیج دیا اور اس طرح یہ تینوں نابینا بھائی ایک جگہ جمع ہو گئے۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ

717ھ مطابق 1317ء میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ جب تخت پر بیٹھا تو اس نے تخت نشین ہوتے ہی مملکت ہند کے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اور جلا وطنوں کو ہندوستان آنے کی اجازت دے دی فوج میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے چھ مہینے کی تنخواہیں بطور انعام تقسیم کر دیں۔ امرائے سلطنت کے منصب بڑھائے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ اور علاء الدین خلجی کے وہ تمام قوانین منسوخ کر دیئے جن کے نفاذ کے بعد جاگیرداری اور زمینداری ختم ہو گئے تھی۔ نیز تاجر اور صناعوں کی لوٹ بند ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس بادشاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی سرمایہ داروں اور تاجروں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے غرض کہ مبارک شاہ نے اپنے باپ کے قائم کئے ہوئے بہترین نظام حکومت کو محض چند بڑے آدمیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گجرات اور دیوگیر میں بغاوت:

ہم بتا چکے ہیں کہ ملک کافور کے ورغلانے پر سلطان علاء الدین نے الغ خاں حاکم گجرات اور اس کے بھائی کو قتل کرادیا تھا۔الغ خاں کے قتل کے بعد گجرات میں بغاوت برابر بڑھتی چلی گئی۔سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے اس بغاوت کو دبانے کے لئے عین الملک ملتانی کو ایک بڑی فوج دے کر بھیجا۔جس نے بڑی قابلیت کے ساتھ اس بغاوت پر قابو پالیا۔

بادشاہ نے اپنے خسر ظفر خاں کو جس کی لڑکی سے حال ہی میں شادی کی تھی گجرات کا حاکم بنادیا۔ظفر خاں نے چند ماہ کے اندر اندر پورے گجرات پر قابو حاصل کرلیا۔اور وہاں ہر قسم کا امن و امان ہوگیا۔

اسی زمانہ میں دیوگیر کے راجہ ہرپال نے جو کہ راجہ رام دیو کا داماد تھا۔دکن میں بری طرح ہنگامے برپا کر رکھے تھے۔ملک کافور نے دکن کا وائسرائے بننے کے بعد دیوگیر کے نوعمر راجہ کو محض شبہ پر قتل کرادیا تھا۔جب ملک کافور قتل ہوا تو ہرپال دیو نے دیوگیر پر قبضہ کرکے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا تھا اور اپنے ساتھ بہت سے دوسرے راجاؤں کو ملاکر سارے دکن میں شورش برپا کردی تھی۔قطب الدین مبارک شاہ 719ھ میں خود لشکر لے کر دکن کی طرف گیا۔اور دہلی میں اپنا جانشین ایک ناتجربہ کار غلام بچے شاہین کو بنادیا۔جب بادشاہ دکن پہنچا تو ہرپل اور دوسرے راجہ بغیر لڑے بھاگ کھڑے ہوئے ہرپال گرفتار ہوگیا۔بادشاہ نے اس کے جیتے جی کھال کھچوادی۔اس کے بعد بادشاہ دکن کے انتظامات کو مکمل کرنے کے بعد دہلی واپس آ گیا۔

خسرو خاں غلام کی عزت افزائی:

جس طرح سلطان علاء الدین نے اپنے منظور نظر غلام ملک کافور کو بڑھاتے بڑھاتے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا بالکل اسی طرح قطب الدین مبارک شاہ نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خسرو خاں غلام کو کچھ سے کچھ بنادیا۔خسرو خاں غلام دراصل ایک کم ذات گجراتی ہندو کا لڑکا تھا۔جس کو سلطان علاء الدین کے ایک سردار ملک شادی خاں نے پرورش کرکے اس کا نام ''حسن'' رکھ دیا تھا۔بادشاہ کی نظر اس غلام لڑکے پر پڑی تو عاشق ہوگیا۔پہلے اسے مصاحب بنایا پھر خسرو خاں کا خطاب دے کر ملک کافور کا تمام علاقہ اور لشکر اس کے حوالے کردیا یعنی اسے بھی ملک کافور کی طرح دکن کا وائسرائے بنادیا۔صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سلطان نے اپنے خسر ظفر خاں حاکم گجرات کو خسرو غلام کی خوشنودی کے لئے قتل کرکے وہاں کا حاکم خسرو غلام کے بھائی حسام الدین کو بنادیا۔غرض کہ اس طرح دکن اور گجرات کے دونوں اہم علاقے ان دونوں کم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذات ہندونژاد بھائیوں کے قبضہ میں آگئے۔ان دونوں غلاموں کی بے موقع عزت افزائی نے سلطنت کے ہندو اور مسلمان امرا کو سلطان سے برگشتہ کردیا مسلمان تو نالاں تھے ہی مگر ہندو امرا کو یہ شکایت تھی کہ ان نیچ ذات ہندو غلاموں کو ہم پر فوقیت دی جارہی ہے۔جن کو اونچی ذات کے ہندو اپنے پاس کھڑا کرنا بھی گوارا نہیں کرسکتے۔لیکن بادشاہ جو خسرو خاں غلام پر بری طرح فریفتہ تھا برابر ان دونوں غلام بھائیوں کو نوازتا رہا۔

بادشاہ کے قتل کی سازش:

سلطان جب دیوگیر فتح کر کے اور غلام بھائیوں کو دکن اور گجرات کی حکومت عطا کر کے دیوگیر سے دہلی کی جانب روانہ ہوا تو وہ امرا جو سلطان کی سفلہ پروری سے تنگ آچکے تھے۔انہوں نے یہ سازش کی کہ راستہ میں اس عیش پرست اور ناسمجھ بادشاہ کو قتل کردیا جائے اور اس کی جگہ بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک اسد الدین کو تخت پر بٹھادیا جائے۔لیکن سلطان کو کسی طرح اس سازش کا علم ہوگیا چنانچہ سلطان نے ساگون گھٹی کے مقام پر قیام کرنے کے بعد ملک اسد الدین اور اس کے حمایتی امرا کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرایا۔اور اجین پہنچ کر ایک سردار کو گوالیار روانہ کیا تاکہ وہ ان تینوں نابینا شہزادوں کو جو قید میں تھے فوراً قتل کردے۔غرض کہ یہ تینوں شاہزادے قتل کردیئے گئے سلطان نے خضر خاں کی بیوی دیول دیوی یعنی اپنی بھاوج کو دہلی بلوا کر اور حرم میں داخل کر کے اپنی بیوی بنالیا۔اور دہلی کے ان تمام امرا کو قتل کرادیا جن پر سلطان کو شبہ تھا۔دہلی کے مقتولین میں شاہین نامی وہ غلام بھی شامل تھا جس کو کہ بادشاہ اپنا جانشین بنا کر دیوگیر کی فتح کے لئے روانہ ہوا تھا۔

بادشاہ حضرت نظام الدین اولیا کا بھی دشمن:

حضرت نظام الدین اولیا جو اس زمانہ کے بہت بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے سلطان ان کا بھی دشمن ہوگیا۔یہ دشمنی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت نظام الدین اولیا کا ہندو مسلم عوام پر سب سے زیادہ اقتدار تھا اس لئے سلطان ان کو اپنی حکومت کے لئے خطرناک سمجھتا تھا۔دوسرے حضرت نظام الدین اولیا خضر خاں ولی عہد کے پیر تھے۔اس لئے سلطان کو ان سے اور بھی عناد تھا۔سلطان نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ عوام اور امرا حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں جانا بند کردیں لیکن کسی نے اس کی بات نہ سنی۔مجبور ہو کر سلطان نے حضرت کے قتل کی سازش کی اور حضرت کا سر اتار کر لانے والے کے لئے ایک بہت بڑا انعام مقرر کیا سلطان کا یہ دستور سا ہوگیا تھا کہ جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو حضرت کو گالیاں دیا کرتا تھا۔حضرت چونکہ دہلی اور ہندوستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بیشتر حصوں میں بے حد ہر دلعزیز تھے اس لئے سلطان کی ان حرکتوں نے عوام کے دل میں سلطان کی طرف سے اور بھی نفرت پیدا کر دی تھی۔

خسرو خاں اور حسام الدین کی فتنہ پردازی:

فتنہ پرداز غلام خسرو خاں اور اس کے بھائی حسام الدین نے آپس میں متحد ہونے کے بعد در پردہ دکن اور گجرات میں خود مختاری کے اعلان کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ حاکم گجرات حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دے کر بغاوت کے لئے ہموار کر لیا۔ ادھر خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ اور میسور کے راجاؤں کو بغیر خطا کے لوٹا اور ان کے خزانہ پر قبضہ جمایا محض اس لئے کہ دکن میں خود مختار حکومت کے قیام کے لئے اس کو روپیہ کی ضرورت تھی چنانچہ خسرو غلام نے دکن میں ہندوؤں کی ایک بہت بڑی فوج بھرتی کر لی۔ غرض کہ یہ دونوں غلام بھائی خود مختاری کے اعلان کے لئے پوری طرح تیار ہو گئے۔

گجرات کے امرائے سلطنت نے جب یہ دیکھا کہ حسام الدین کے ارادے اچھے نہیں ہیں اور خود مختاری کے اعلان کی تیاریاں کر رہا ہے تو انہوں نے گجرات کی بغاوت کے تمام امکانات کو بھی اپنی متحدہ کوششوں سے ختم کرنے کے بعد حسام الدین کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا امرائے سلطنت کو توقع تھی کہ سلطان ان کی اس وفا شعاری کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا لیکن سلطان اپنے منظور نظر خسرو غلام کے بھائی کی یہ بے عزتی کیونکر گوارہ کر سکتا تھا۔ سلطان نے دہلی پہنچتے ہی حسام الدین کو اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ جن امرائے سلطنت نے اس کے خلاف قدم اٹھایا تھا ان کے عہدے گھٹا دیئے ہاں اتنا ضرور کیا کہ حسام الدین کو گجرات نہیں بھیجا بلکہ اس کی جگہ وجیہہ الدین قریشی کو گجرات کا حاکم نامزد کر دیا اور اس طرح گجرات کی ہونے والی بغاوت ادھوری رہ گئی۔

خسرو خاں کی بغاوت میں ناکامی:

جنوبی ہند میں چندیری کے عامل ملک تیمور، ملک گل اور گوا کے حاکم ملک تلیغہ کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ غلام خضر خاں علم بغاوت بلند کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اور وہ راجاؤں اور سرداروں کو روپیہ فراہم کرنے کے لئے لوٹ رہا ہے تو ان امرائے سلطنت نے اپنی متفقہ کوشش سے خسرو خاں کو دیوگیر میں بلا کر نظر بند کر دیا۔ اور بادشاہ کو اس کے خطرناک ارادوں سے مطلع کر دیا اور یہ لکھ دیا کہ ہم نے اس کو دیوگیر میں نظر بند کر رکھا ہے۔ اس کے جواب میں فوراً بادشاہ کا فرمان پہنچا کہ خسرو خاں کو جلد سے جلد حفاظت کے ساتھ ہمارے پاس بھیج دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ چنانچہ خسرو خاں کو دہلی روانہ کردیا گیا۔ خسرو خاں نے دہلی پہنچ کر ان امرائے سلطنت کے خلاف بادشاہ کے خوب کان بھرے جنھوں نے کہ دکن میں اس کی ساری اسکیموں کو خاک میں ملادیا تھا۔ چند روز کے بعد ملک تیمور اور ملک تلیغہ میں بھی دہلی پہنچ گئے اور انہوں نے خسرو خاں کی فتنہ پردازیوں کے تمام واقعات بادشاہ کے گوش گذار کردیئے۔ ان امرا کو امید تھی کہ ان کی اس بروقت کوشش کی قدر کی جائے گی۔ مگر جو سلطان کہ خسرو خاں کے بھائی کی دل آزاری نہیں گوارا کرسکتا تھا۔ وہ اپنے منظور نظر خسرو خاں کی دل شکنی کیسے برداشت کرتا۔ سلطان بجائے اس کے وفا شعار امرا کو کوئی صلہ دیتا ان کا دشمن بن گیا۔ ملک تلیغہ کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور ملک تیمور کو چندیری کی حکومت سے معزول کرکے چندیری کا علاقہ بھی خسرو خاں کی جاگیر میں شامل کردیا گیا۔ اور خسرو خاں کے دوسرے مخالف سرداروں کو بھی سخت سزائیں دی گئیں۔ سلطان کی اس غلام پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد کسی کو بھی خسرو خاں کے خلاف زبان ہلانے کی ہمت نہ ہوئی اور خسرو خاں نے جو چاہا کرتا رہا۔ یہاں تک ساری ہندوستان کی سلطنت خسرو خاں کے ہاتھ میں آگئی۔ بادشاہ صرف نام کا بادشاہ رہ گیا وزیر اعظم سپہ سالار اور سب کچھ خسرو خاں ہی بنا ہوا تھا۔

تخت حاصل کرنے کے لئے خسرو خاں کا جوڑ توڑ:

امرائے سلطنت کی فرض شناسی کی بدولت جب خسرو خاں دکن میں اپنی خود مختار حکومت بنانے میں ناکام رہا تو اس نے یہ طے کیا کہ کیوں نہ بادشاہ کو ختم کرنے کے بعد پوری سلطنت پر قبضہ جمایا جائے۔ وزیر اعظم وہ بن ہی چکا تھا۔ سپہ سالار بھی وہی تھا۔ اس لئے اس کے واسطے دہلی میں اپنی حکومت کے لئے داغ بیل ڈالنا دشوار نہ تھا۔ چنانچہ اس کے مکان پر جو دراصل ملک کافور کا مکان تھا۔ ان فرقہ پرست ہندوؤں کا اجتماع رہنے لگا جو اسلامی حکومت کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان ہندو فرقہ پرستوں کے مشورہ سے حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ایک نہایت مکمل اسکیم بنائی گئی۔ اس اسکیم کے ماتحت سب سے پہلے ان امیروں کو برسر اقتدار لایا گیا جن کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے معزول کردیا تھا اس کے بعد خسرو خاں نے بادشاہ سے یہ کہہ کر کہ میں اپنے ہم قوموں کی ذاتی فوج رکھنا چاہتا ہوں اپنے چچا رندھول اور جاہر دیو کو گجرات بھیج کر بیس ہزار گجراتیوں کو دہلی بلوایا اور اپنی خاص فوج میں بھرتی کرلیا اس کے علاوہ بیس ہزار کی فوج نواح دہلی کے ہندوؤں کی تیار کی یعنی خسرو خاں نے در پردہ چالیس ہزار کا لشکر آسانی کے ساتھ تیار کرلیا اور بادشاہ پر یہ ظاہر کیا کہ چونکہ مجھ کو مسلم امرائے سلطنت سے خطرہ ہے اس لئے میں نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے اپنی ہم قوموں کی یہ فوج تیار کی ہے لیکن درحقیقت خسرو غلام اس انتظار میں تھا کہ موقع پاتے ہی بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد تخت پر قبضہ جمائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خسرو خاں کے ہاتھوں بادشاہ کا قتل:

خسرو خاں نے اگر چہ بادشاہ کے قتل اور حکومت دہلی پر قبضہ جمانے کی یہ سازش نہایت ہی خفیہ طریقہ پر انجام دی تھی لیکن پھر بھی شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ "بادشاہ کی جان خطرہ میں ہے" اس کے علاوہ خسرو خاں نے چونکہ اپنے خاص ہندو لشکر کے علاوہ بقیہ تمام فوجوں کو دہلی سے دور بھیج دیا تھا۔ اس لئے اس ہندو لشکر کے ہر وقت دہلی میں موجود رہنے کو بھی شبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا ہندوستان میں خود مختار اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی بڑی ہندو فوج دارالسلطنت میں متعین کردی گئی تھی۔ بادشاہ چونکہ خسرو خاں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا اس لئے لوگوں کو بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرات نہیں ہوتی تھی لیکن پھر بھی بعض امرا نے بادشاہ کو اس خطرہ سے آگاہ کر دیا مگر بادشاہ ان سب باتوں کو خسرو سے امرا کی ذاتی مخالفت پر محمول کرتا رہا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ اس وقت تک خسرو غلام کی وفاداری کا یقین کرتا رہا جب تک کہ خسرو خاں کے ہندو لشکر نے شاہی قلعہ میں گھس کر قتل عام نہیں شروع کر دیا۔ محل پر یہ حملہ رات کے وقت ہوا تھا خسرو خاں اس حملہ کے وقت بادشاہ کے پاس ہی سو رہا تھا۔ جب بادشاہ نے پوچھا کہ یہ شور وغل کیسا ہے تو خسرو خاں نے کہہ دیا کہ شاہی اصطبل کے کچھ گھوڑے چھوٹ گئے ہیں ان کو سپاہی پکڑ رہے ہیں لیکن چند ہی منٹ کے بعد جب خسرو خاں کا چچا جاہر دیو ایک ہندو جمعیت کے ساتھ برہنہ تلوار لئے بادشاہ کے سر پر پہنچ گیا تو بادشاہ کو ہوش آیا۔ بادشاہ محل سرا کی طرف بھاگا مگر خسرو خاں نے دوڑ کر بادشاہ کے بال جو کسی قدر لانبے تھے پکڑ لئے۔ بادشاہ نے خسرو خاں کو پچھاڑ دیا مگر خسرو نے بادشاہ کے بال اس وقت تک نہیں چھوڑے جب تک کہ خسرو کے آدمیوں نے بادشاہ کو قتل نہ کر دیا۔ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد بادشاہ کا سر کاٹ کر محل کے صحن میں پھینک دیا گیا۔ اور اس کے بعد شاہی محل میں عورتوں اور بچوں کا قتل عام شروع ہوا۔ یہاں تک کہ خاندان شاہی کا ایک ایک بچہ اور ایک ایک فرد تہہ تیغ کر دیا گیا اور اس طرح پانچویں ربیع الاول 761ھ مطابق 24 مارچ 1321ء کی رات کو ایک غلام کے ہاتھوں اس خلجی خاندان کا خاتمہ ہو گیا جس کی بنیاد جلال الدین خلجی جیسے نیک بادشاہ نے رکھی تھی۔

نمک حرام خسرو خاں کی تخت نشینی:

ملک کافور جو خسرو خاں کا ہم قوم تھا اس کو تو باوجود کوشش کے دہلی کا تخت نصیب نہ ہو سکا لیکن خسرو خاں اپنے آقا اور عاشق زار قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرنے کے بعد دوسرے ہی دن 761ھ مطابق 1321ء میں ناصر الدین خسرو خاں کے لقب سے دہلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امرائے سلطنت میں سے کسی ایک میں بھی اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ اس کی تخت نشینی کے معاملہ میں مزاحمت کرسکتا۔

اس حادثہ عظیم کے باوجود امرائے سلطنت اور صوبیداروں کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ دارالسلطنت دہلی پر خسرو خاں کی فوج کا قبضہ تھا۔ اس لئے یہاں کا کوئی امیر زبان بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اب رہے صوبوں کے امراان سب کے بیٹوں اور عزیزوں کو کسی نہ کسی بہانے سے خسرو خاں نے پہلے ہی دہلی بلالیا تھا۔ اور اب وہ بطور یرغمال اس کے قبضہ میں تھے۔ اگر ذرا بھی حرکت کرتے تو ان کے عزیزوں اور بیٹوں کے قتل کا خوف تھا۔ لہٰذا خسرو خاں بڑی بے فکری کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے آقائے ولی نعمت کی بیوی دیول دیوی سے بالجبر نکاح کرلیا۔ اس کی حرکات اس قدر پست تھیں کہ مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ہندو شرفا میں بھی اس کی کمینگی پر انتہائی نفرت اور حقارت کا اظہار کیا گیا۔

خسرو خاں اور اس کے ساتھیوں کی کمینگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تخت نشینی کے بعد مسلمان گھرانوں کی شریف اور خاندانی عورتوں کو غیر مسلم سپاہیوں کے حوالے کردیا گیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھوائے گئے قرآن پاک کی کھلے بندوں توہین و تذلیل کی گئی۔ اور مسلمانوں پر ہر قسم کی زیادتیاں کی گئیں۔ خضر خاں اور اس کے ساتھیوں کی ان عامیانہ اور بازاری حرکات سے مسلمانوں کو تو دکھ پہنچا ہی تھا مگر ہندو بھی اس کی حکومت کو اپنے لئے ذلت سمجھتے تھے کیونکہ خضر خاں اس پرداری قوم سے تھا۔ جس کو ہندو ناپاک تصور کرتے تھے اور جن کو اپنے شہروں اور قصبوں میں گھر تک نہیں بنانے دیتے تھے۔

خسرو خاں کو غازی ملک تغلق سے خطرہ:

خسرو خاں دہلی کے تخت پر بیٹھ تو گیا مگر اس کو ہر وقت غازی ملک تغلق صوبیدار دیبال پور کا کھٹکا لگا رہتا تھا غازی ملک تغلق اپنے زمانہ کا مشہور ترین سپہ سالار تھا۔ اس نے مغلوں کو پے در پے شکستیں دے کر بڑا نام پیدا کیا تھا۔ مگر خسرو خاں غازی ملک تغلق کی جانب سے بھی کسی نہ کسی حد تک اس لئے مطمئن تھا۔ کیونکہ اس کا بیٹا ملک جونا خاں تغلق اس کے پاس تھا۔ خسرو خاں سمجھتا تھا کہ غازی ملک تغلق یہ جانتا ہے کہ جونہی وہ دہلی کی جانب بڑھے گا اس کا بیٹا جونا خاں تغلق فوراً قتل کردیا جائے گا اس لئے وہ دہلی کی جانب رخ نہیں کرسکتا۔ خسرو خاں ہر وقت جونا خاں کی خوشامد میں لگا رہتا تھا۔ اور اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس کا باپ غازی ملک تغلق اگر دہلی میں بیٹے سے ملنے کے لئے آجائے تو اسے قتل کرکے اس خطرہ کو بھی ہمیشہ کے لئے مٹادیا جائے لیکن ان پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندیوں کے باوجود ملک جونا خاں تغلق در پردہ خسرو خاں کے خلاف پوری تیاری کر چکا تھا۔ چنانچہ ڈھائی ماہ کے بعد جونا خاں اچانک دہلی سے فرار ہو کر اپنے باپ غازی ملک تغلق کے پاس دیپالپور پہنچ گیا۔ خسرو خاں کو جب یہ اطلاع ملی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

دہلی پر حملہ اور خسرو خاں کا قتل:

ملک جونا خاں تغلق نے دیپالپور پہنچنے کے بعد ایک لشکر نمک حرام خسرو سے انتقام لینے کے لئے جمع کیا اور یہ دونوں باپ بیٹے یعنی غازی ملک تغلق اور ملک جونا خاں تغلق دہلی کو خسرو خاں سے پاک کرنے کے لئے دہلی کی جانب بڑھے۔ ادھر خسرو خاں نے بھی ہندوؤں کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے اپنے بھائی کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا اور دوسرا لشکر لے کر خود بھی شہر سے نکلا۔ ان دونوں لشکروں کا مقابلہ اندرپرست کے قریب ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ خسرو خاں کا لشکر بے اندازہ تھا لیکن پھر بھی وہ غازی ملک تغلق کے مٹھی بھر سپاہیوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا۔ خسرو خاں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر ایک مقبرہ میں چھپ گیا جہاں سے گرفتار کرنے کے بعد اسے قتل کیا گیا۔ جب جونا خاں تغلق اور غازی ملک تغلق کا لشکر فتح یاب ہونے کے بعد دہلی میں داخل ہوا تو دہلی کا خزانہ بالکل خالی ملا۔ غازی ملک تغلق نے دہلی میں داخل ہونے کے بعد اس بات کی بے حد کوشش کی کو شاہی خاندان کا ایک فرد بھی مل جائے تو اسے تخت پر بٹھا دیا جائے مگر خسرو خاں تو شاہی خاندان کے بچہ بچہ کا صفایا کر چکا تھا۔ اس لئے غازی ملک نے تمام امرائے سلطنت اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنا امیر خود منتخب کر لیں سب نے اتفاق رائے سے غازی ملک تغلق ہی کو اپنا امیر چن لیا جو دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔

خلجیوں کے دور حکومت پر ایک نظر:

سلطان جلال الدین خلجی نے 688ھ مطابق 1290ء میں خلجی خاندان کی بنیاد رکھی تھی۔ اس خاندان میں پانچ بادشاہ ہوئے ہیں جن کا مجموعی عہد حکومت 36 کل سال ہے۔ لیکن حقیقت میں اس خاندان کے صرف دو بادشاہ قابل ذکر ہیں جن میں سے ایک جلال الدین خلجی ہے اور دوسرا سلطان علاء الدین خلجی۔ باقی تمام بادشاہوں کا عہد حکومت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

غلام خاندان کے بادشاہوں کی طرح خلجی خاندان کے بادشاہوں کو بھی مغل حملہ آوروں کا شدید مقابلہ کرنا پڑا۔ خصوصیت کے ساتھ علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں تو مغلوں کے اتنے زیادہ حملے ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن خلجیوں نے بہترین فوجی قابلیت کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثبوت دیتے ہوئے ان کے ہر حملہ کو پسپا کر دیا۔

خلجیوں کا دور حکومت فتوحات کے اعتبار سے بہت زیادہ درخشاں دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ شاہان ہند جن کی حکومت صرف شمالی ہند تک محدود تھی خلجیوں نے اس حکومت کو دکن کے دور دراز علاقوں تک پھیلا دیا گجرات اور سیوستان صحیح معنوں میں خلجیوں کے دور حکومت میں ہی فتح ہوا۔ خلجیوں کا رنتھنبور چتوڑ، کھالور اور سیوانہ پر حملہ اور ان کی فتح کو ہندوستان کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

مشہور خلجی بادشاہ علاء الدین خلجی کے دامن پر اگر چہ یہ بدنما داغ موجود ہے کہ اس نے اپنے محسن اور چچا علاء الدین خلجی کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جمایا لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علاء الدین خلجی اپنے زمانہ کا بے نظیر سپہ سالار تھا۔ جس نے کہ اپنی اعلی سپہ گری کی قابلیت کی وجہ سے خلجی حکومت کو ہندوستان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا۔ اگر دیکھا جائے تو علاء الدین خلجیوں کی حکومت کا آخری بادشاہ تھا جس کے بعد خلجی حکومت برابر زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دو تین پشتوں کے بعد بالکل ختم ہو گئی۔

خلجی بادشاہوں نے جہاں ہندوستان میں اسلامی حکومت کو وسعت دی وہاں اپنی غلام نوازی کی بنا پر خلجی حکومت کے لئے ایک ایسا خطرہ پیدا کر دیا جس نے کہ خلجی حکومت کو ختم کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ سلطان علاء الدین نے نومسلم غلام ملک کافور کو اس قدر آگے بڑھایا کہ وہ ملک کے لئے ایک مستقل مصیبت بن گیا۔ اور اسی طرح سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے نومسلم غلام خسرو خاں کو اس قدر سر پر چڑھایا کہ وہی مبارک شاہ کے پردہ میں حکومت کرتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا اقتدار اتنا بڑھ گیا کہ اس نے مبارک شاہ کو تہہ تیغ کر کے خود اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے دور حکومت میں سارے ملک میں ایک ایسی لاقانونی پھیل گئی تھی جس نے کہ ملک کے سارے امن اور چین کو برباد کر ڈالا یہ حقیقت ہے کہ اگر تغلق سرداروں نے غلام گردی کی لعنت سے ملک کو نہ پاک کر دیا ہوتا تو شاید ہندوستان کی تاریخ موجودہ تاریخ سے بالکل مختلف دکھائی دیتی۔

اس خاندان میں نیک بادشاہ بھی ہوئے اور ظالم بھی، سپہ سالار بھی ہوئے اور عیاش بھی، خلجی حکومت میں لغزشیں بھی ہوئیں اور اصلاحات بھی، خلجیوں کا دور حکومت اگر چہ بہت مختصر ہے۔ لیکن پھر بھی اس کو ہندوستان کی تاریخ میں اس اعتبار سے نمایاں حیثیت حاصل ہے کہ خلجیوں ہی کے دور میں مسلمان سارے ہندوستان کے واحد فرمانروا بنے۔

اردو زبان کی ابتدا:

خلجیوں کے دور حکومت کا ایک اہم ترین واقعہ یہ بھی ہے کہ ان ہی کے دور حکومت میں ہندوستان میں اردو زبان کی بنیاد پڑی اس زبان کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جب مسلمانوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت برعظیم ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی اور اس ملک میں ترک، افغانی، ہندوستانی اور دوسری قوموں کا باہمی اختلاط شروع ہوا تو ایک ایسی نئی زبان خود بخود پیدا ہوگئی جس میں کہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی الفاظ شامل تھے۔ تاکہ سب قومیں بلا امتیاز مذہب و ملت ایک دوسرے کی بولی سمجھ سکیں۔

شروع شروع میں ملے جلے الفاظ کی اس زبان کو لشکروں میں رواج حاصل ہوا کیونکہ لشکروں میں ترک، افغانی، ہندوستانی اور دوسری قوموں کے سپاہیوں کو ایک ساتھ رہنا پڑتا تھا اور ان کو ایسی زبان کی شدید ضرورت تھی جسے سب لشکری سمجھ سکیں اور بول سکیں یہی وجہ ہے کہ اس نئی زبان کو "زبان اردو" یعنی لشکری زبان کہا گیا۔ پہلے تو یہ زبان صرف لشکروں تک محدود رہی اس کے بعد لشکروں سے نکل کر یہ زبان رفتہ رفتہ ہندوستان کے عوام میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگی۔

اردو یعنی لشکری زبان کو ترقی دینے میں ہندوستان کے مشہور بزرگ اور فارسی زبان کے نامور شاعر حضرت امیر خسرو کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس نئی زبان میں گیت لکھ کر اس زبان کو مقبول عام بنایا حضرت امیر خسرو 652ھ مطابق 1254ء میں ناصر الدین محمود کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے تھے۔ خلجیوں کے دور حکومت میں 652ھ مطابق 1254ء سے لے کر 689ھ مطابق 1290ء تک ان کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ ان کی شہرت ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ حضرت امیر خسرو شیخ سعدی کے ہم عصر تھے۔ یہ ابتدا میں صرف فارسی زبان میں نظم و نثر لکھتے تھے۔ لیکن خلجیوں کے دور حکومت میں انہوں نے ہندی یعنی اردو کے جو گیت لکھے ان کو بے حد مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی اور ان گیتوں کی وجہ سے اردو یعنی لشکری زبان فوجوں اور عوام سے گذر کر شاہی محلوں تک جا پہنچی۔ حضرت امیر خسرو کا انتقال 725ھ مطابق 1325ء میں اسی سال ہوا ہے جس سال کہ غیاث الدین تغلق فوت ہوا ہے۔

خلجیوں کے دور حکومت میں اردو زبان صرف بولنے ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کے باوجود کہ حکومت کی زبان فارسی تھی اردو کتابوں کی تصنیف کا دور بھی شروع ہوگیا تھا چنانچہ شیخ عین الدین گنج العلم کے اردو رسالوں کی تصنیف کا سلسلہ خلجیوں کے آخری دور حکومت ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ اردو زبان کی ترقی میں مسلمانوں کی طرح ہندوؤں نے بھی بڑا حصہ لیا۔ کیونکہ یہ ان کی قدیم زبان ہندی سے بہت مشابہ تھی اور اس میں ان کی قدیم زبان کے 75 فیصدی الفاظ شامل تھے۔ فارسی زبان کے مقابلہ میں کیونکہ ان کے لئے اس نئی ہندوستانی زبان کا سمجھنا اور لکھنا بہت آسان تھا۔ اس لئے انہوں نے بہت جلد اس نئی زبان کو اپنا لیا۔

اردو زبان شروع ہی سے دونوں رسم الخطوں میں یعنی فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ ہندوستان کی تمام قومیں چونکہ اس زبان سے دلچسپی لے رہی تھیں اس لئے اس کو بہت جلد بے حد ہر دلعزیز اور مقبولیت حاصل ہوگئی اور آگے چل کر یہی اس برعظیم کی قومی زبان بن گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

شاہان تغلق کی حکومت

721ھ مطابق 1321ء تا 817ھ مطابق 1414ء

شاہان تغلق جو ہندوستان میں شاہان خلجی کے جانشین قرار پائے۔ کرونا نسل کے ان ترکوں میں سے تھے جو ترکستان سے آکر سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ غیاث الدین تغلق جس نے کہ ہندوستان میں تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد قائم کی اس کا اصلی نام غازی خاں تھا جو ترکوں کی اسی کرونا نسل سے تھا۔ یہ پنجاب کی ایک نومسلم جاٹنی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جس سے کہ غیاث الدین کے باپ نے نکاح کر لیا تھا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ غیاث الدین تغلق (غازی خاں) جو ابتدا میں نہایت ہی پریشاں حال تھا اس نے سندھ میں ایک سوداگر کے ہاں بطور سائیس کے نوکری کر لی تھی۔ اس کے بعد یہ الغ خاں حاکم سندھ کے دور حکومت میں پیادوں میں نوکر ہو گیا۔ پھر فوج میں سوار بنا دیا گیا۔ اور ترقی کرتے کرتے امرائے سلطنت میں اس کا شمار ہونے لگا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اس کی بے نظیر جنگی قابلیت کو دیکھتے ہوئے اسے دیپالپور کا گورنر بنا دیا تھا تاکہ یہ مغلوں کی یورش کو روک سکے۔ اور اسے غازی ملک کا خطاب بھی دے دیا تھا۔ علاء الدین کا اندازہ صحیح ثابت ہوا کیونکہ غیاث الدین (غازی ملک تغلق) نے حاکم دیپالپور کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مغلوں کی ایسی سرکوبی کی کہ مغلوں کے سارے حوصلے پست ہو گئے علاء الدین جب تک زندہ رہا وہ سب سے زیادہ (غازی ملک) غیاث الدین تغلق پر ہی اعتماد کرتا تھا۔

غیاث الدین تغلق کی تخت نشینی:

غازی ملک تغلق غیاث الدین تغلق کا لقب اختیار کرنے کے بعد امرائے سلطنت کے مشورہ سے 721ھ مطابق 1321ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ حکومت سنبھالنے کے ایک ہفتہ کے اندر اندر اس نے ان تمام انتظامی خرابیوں کو دور کر دیا جو نمک حرام خسرو خاں کے فتنہ سے پیدا ہو گئی تھیں اس کے بعد اس نے خلجیوں کے شاہی خاندان کے جتنے بھی افراد زندہ رہ گئے تھے۔ ان کو جمع کیا اور ان سب کے شاہانہ وظیفے مقرر کیے تاکہ وہ آرام و آسائش کی زندگی گزار سکیں۔ غیاث الدین تغلق خلجیوں کے شاہی خاندان کی عورتوں کا بے حد احترام کرتا تھا اور ان کی خدمت کرنا اپنے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

باعث فخر سمجھتا تھا۔ چنانچہ غیاث الدین نے ان غداروں کو بڑی عبرت انگیز سزائیں دیں جنہوں نے نمک حرام خسرو کے اشارہ پر شاہی خاندان کی بے آبروئی اور تذلیل کی تھی۔ دیول دیوی جو سلطان مبارک شاہ کی بیوہ تھی اس سے خسرو خاں نے مبارک شاہ کے قتل کے تیسرے دن بالجبر نکاح کرلیا تھا جو خلاف شرع تھا اس خلاف شرع اور ظالمانہ حرکت میں جن لوگوں نے خسرو خاں کی معاونت کی تھی۔ ان سب کو سخت سزائیں دی گئیں۔ اس کے علاوہ غیاث الدین نے ان تمام امرائے سلطنت کو اپنے سابقہ عہدوں پر سرفراز کیا جو خسرو خاں یا بعض نا اہل خلجی بادشاہوں کے عہد حکومت میں معزول کر دئے گئے تھے غیاث الدین کا بڑا بیٹا جونا تغلق جس نے کہ دہلی کی سلطنت کو دوبارہ فتح کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا اسے ولی عہد مقرر کیا۔ اور الغ خاں کا خطاب دیا۔ دوسرے چار بیٹوں کو بھی بہرام خاں، ظفر خاں، محمود خاں اور نصرت خاں کے خطابات عطا کئے۔ غیاث الدین نے بہرام ایبہ کو اپنا بھائی بنایا۔ اور کشلو خاں کا خطاب دے کر ملتان، اور سندھ کی حکومت اس کے سپرد کردی۔ نیز اپنے بھانجے ملک بہاء الدین اور بھتیجے ملک اسد الدین کو بھی اہم عہدے عطا کئے۔ ملک شادی خاں جو غیاث الدین کا داماد تھا۔ اس کو دیوان یعنی وزارت کا عہدہ تفویض کیا۔ اس کے بعد ملک کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوا اور ایسے قوانین نافذ کئے جن سے زراعت پیشہ طبقہ اور غریبوں کو بے حد نفع پہنچا۔ سلطان نے دہلی کے قریب تغلق آباد کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا اور اسی کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔

ورنگل (تلنگانہ) میں بغاوت:

سلطان علاء الدین کے دور حکومت میں ملک کافور نے 709ھ مطابق 1310ء میں ورنگل (تلنگانہ) کے راجہ لدر دیو کو مطیع اور باجگذار بنالیا تھا۔ لیکن سلطنت اسلامیہ کی گذشتہ بدنظمیوں نے لدر دیو کو بغاوت کے لئے آمادہ کردیا۔ چنانچہ لدر دیو نے سلطنت اسلامیہ سے بغاوت کرنے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ غیاث الدین نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس باغی راجہ کی سرکوبی کو ضروری سمجھا اور اس مقصد کے لئے اپنے ولی عہد ملک جونا تغلق کو ایک بڑی فوج دیکر ورنگل (تلنگانہ) کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ اس معرکہ میں ملک تیمور، ملک تگین، ملک کافور مہر دار اور ملک بیرم خاں بھی ولی عہد جونا تغلق کے ہمراہ تھے۔ سلطانی لشکر نے تلنگانہ کے علاقہ میں پہنچنے کے بعد جب راجہ لدر دیو پر حملہ کیا تو راجہ نے پہلے تو بڑی جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا اس کے بعد اپنے آپ کو ورنگل کے قلعہ میں محصور کرلیا۔ جب سلطانی لشکر نے سختی سے کام لیا تو راجہ نے زر و جواہر اور ہاتھی دے کر اطاعت قبول کرلی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ سال بسال مقررشدہ خراج پیش کرتا رہے گا۔

راجہ لدر دیو کی اطاعت کے فوراً ہی بعد سلطانی لشکر کے بعض شرارت پسندوں نے یہ افواہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھیلادی کہ دہلی میں سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوگیا۔اس اطلاع نے سلطانی لشکر میں اضطراب کی سی کیفیت پیدا کردی چنانچہ ملک جونا تغلق کے ساتھ جو چار سردار آئے تھے وہ چاروں ملک جونا تغلق کو چھوڑ کر اور اپنی اپنی فوجیں لے کر چل دیئے۔اب ملک جونا تغلق کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اس مہم کو ناکام چھوڑ کر دہلی کی جانب روانہ ہوجائے،الغرض ملک جونا تغلق دیوگیر کے راستہ دہلی کے لئے روانہ ہوگیا ملک جونا تغلق کے روانہ ہوتے ہی راجہ لدر دیو بدستور خود مختار بن گیا۔جب ملک جونا تغلق دیوگیر پہنچا تو اسے دلی سے آیا ہوا فرمان شاہی ملا جس سے پتہ چلا کہ بادشاہ بخیریت ہے۔اور بادشاہ کی موت کی افواہ فتنہ پردازوں کی شرارت کا نتیجہ تھی۔ملک جونا تغلق دیوگیر سے سیدھا دہلی آیا اور بادشاہ کے حکم سے ان تمام فتنہ پردازوں اور سرداروں کو گرفتار کرنے کے بعد زندہ زمین میں دفن کرادیا جنہوں نے کہ یہ جھوٹی افواہ اڑائی تھی۔یا جونا تغلق کے ساتھ بغاوت کی تھی۔

ورنگل (تلنگانہ) پر دوسرا حملہ:

سلطان غیاث الدین تغلق نے ورنگل میں لشکر سلطانی کی شکست کو بری طرح محسوس کیا تھا چنانچہ اس نے اپنے بیٹے جونا تغلق کو ورنگل کی فتح کے لئے چار ماہ بعد دوبارہ روانہ کردیا۔جونا تغلق نے پہلے بیدر کو فتح کیا۔اس کے بعد ورنگل فتح ہوگیا۔راجہ لدر دیو کو گرفتار کر کے مع مال اور خزانہ کے دہلی روانہ کردیا۔اس کے بعد جونا تغلق نے تلنگانہ کا پورا علاقہ 723ھ مطابق 1323ء میں فتح کر کے اس کو دہلی کی حکومت میں شامل کرلیا۔اور وہاں اپنے عمال مقرر کردیئے۔ورنگل کا نام تبدیل کر کے سلطان پور رکھ دیا گیا۔ورنگل کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد جونا تغلق نے جاج نگر کو زیر کیا اور یہاں سے جو مال غنیمت ہاتھی اور خزانہ ملا تھا۔وہ بادشاہ کے پاس دہلی بھیج دیا۔

سلطان غیاث الدین کا بنگال پر حملہ:

ورنگل کی فتح کے بعد سلطان غیاث الدین نے بنگال کی جانب توجہ کی بنگال خلجی حکومت کے زوال کے بعد سے دہلی کی مرکزی حکومت سے الگ ہوگیا تھا۔اور وہاں بنگال کے تخت کے مختلف دعویداروں میں خانہ جنگی جاری تھی۔سلطان بلبن کا بیٹا ناصر الدین لکھنوتی پر قابض تھا اور اپنے آپ کو بنگال کی حکومت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔اس نے اس معاملہ میں سلطان غیاث الدین سے امداد چاہی،غیاث الدین جو پہلے ہی تسخیر بنگال کے لئے سوچ رہا تھا۔اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا فوراً اپنے ولی عہد جونا تغلق کو دکن سے دہلی بلا کر اپنی جگہ چھوڑ اور خود ایک بڑی فوج لے کر بنگال کے لئے روانہ ہوگیا۔سلطان کا منہ بولا بیٹا تاتار خاں حاکم ظفر آباد بھی راستہ سے سلطان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ اس معرکہ میں شریک ہو گیا۔ ناصر الدین جس نے کہ سلطان کو اپنی امداد کے لئے بلایا تھا جب اسے سلطان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے ترہٹ میں سلطان کی قدم بوسی حاصل کی اور قیمتی نذرانہ پیش کیا اور سلطانی لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس کے بعد سلطانی لشکر بہادر شاہ کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ بہادر شاہ نے ناصر الدین سے منحرف ہونے کے بعد سنار گاؤں کی حکومت پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اور اس کے ظلم و زیادتی سے سنار گاؤں کے باشندے بے حد پریشان تھے۔ بہادر شاہ کو اس معرکہ میں شکست ہو گئی اور اسے قید کر کے دہلی بھیج دیا گیا۔ ناصر الدین کو مشرقی بنگال کی حکومت سپرد کر دی گئی اور مغربی بنگال کو دہلی کی حکومت کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ بنگال سے واپس ہوتے ہوئے سلطان غیاث الدین نے ترہٹ کے راجہ پر حملہ کر کے اسے قید کر لیا اور ترہٹ کا علاقہ احمد خاں پسر تلیغہ کے حوالے کر دیا۔ 724ھ مطابق 1324ء اور 725ھ مطابق 1325ء کے درمیان ان فتوحات سے فارغ ہو کر بادشاہ دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔

غیاث الدین تغلق کی پراسرار موت:

جس زمانہ میں کہ سلطان غیاث الدین تغلق بنگال کی فتوحات میں مصروف تھا سلطان کا بڑا بیٹا جونا خاں تغلق اس کی بجائے دہلی میں حکومت کر رہا تھا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ فتح حاصل کرنے کے بعد دہلی آ رہا ہے تو اس نے بادشاہ کے استقبال کا بڑا اہتمام کیا۔ تغلق آباد کی آئینہ بندی کر کے سارے شہر کو سجایا اور تغلق آباد سے چار میل کر کے فاصلہ پر ایک چوبی محل تعمیر کرایا تا کہ بادشاہ تغلق آباد آنے سے پہلے اس محل میں آرام کرے اور پھر اسی محل سے تغلق آباد کے لئے بادشاہ کا شاہانہ جلوس روانہ ہو۔ چنانچہ بادشاہ جب تغلق آباد کے قریب پہنچا تو جونا خاں کئی میل آگے بادشاہ کے استقبال کے لئے پہنچ گیا۔ اور بادشاہ کو حسب تجویز جدید تعمیر شدہ چوبی محل میں ٹھہرایا گیا۔ تمام امرائے سلطنت سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اس چوبی محل میں بہت بڑی دعوت دی گئی۔ دعوت کے بعد بادشاہ جب ہاتھیوں کے کرتب دیکھ رہا تھا۔ تو اچانک اس چوبی محل کی چھت گر پڑی اس حادثہ میں بادشاہ اس کا چھوٹا بیٹا اور بہت سے آدمی دب کر ہلاک ہو گئے۔ یہ حادثہ ربیع الاول 725ھ مطابق فروری 1325ء میں پیش آیا تھا۔

بادشاہ کی موت کے اس واقعہ کے بارے میں مورخوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بالکل مختلف ہیں۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ مکان نو تعمیر تھا۔ ہاتھیوں کے دوڑنے کے صدمہ کی وجہ سے زمین پر آ پڑا۔ حاجی محمد قندھاری کی رائے ہے کہ بجلی کے گرنے سے یہ چوبی محل گرا تھا۔ صدر جہاں گجراتی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ جونا خاں نے ایک طلسم بنایا تھا جس وقت اس کو توڑا مکان گر پڑا۔ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف کا خیال ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے سلطان تغلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنجیدہ تھا۔ اس نے بنگال سے آتے ہوئے حضرت سے کہلا بھیجا کہ میرے دہلی آنے سے قبل آپ دہلی چھوڑ کر چلے جائے۔ جس پر حضرت نے فرمایا تھا ''ہنوز دلی دوراست'' یعنی سلطان کی موت حضرت نظام الدین اولیا کی بددعا سے واقع ہوئی۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ کی رائے ہے کہ جونا خاں نے جان بوجھ کر اس چوبی محل کو ایسا بنایا تھا کہ جب ہاتھیوں کے پاؤں کی ضرب پڑے تو یہ بادشاہ پر گر جائے۔ چنانچہ اس محل کے گرنے سے چند ہی منٹ قبل جونا خاں کا محل سے باہر آجانا اور اس کا شیخ رکن الدین ملتانی کو نماز کے بہانے محل سے باہر لانا اور بقول رکن الدین ملتانی محل کے گرنے کے بعد زبان سے تو یہ کہنا کہ بادشاہ کو نکالو۔ مگر حرکات وسکنات سے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کرنا اور بادشاہ کے نکالنے میں دیدہ ودانستہ تاخیر کرنا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ جونا خاں تغلق کا بادشاہ کے قتل میں ہاتھ تھا بعض مورخوں کی تو یہاں تک رائے ہے کہ بادشاہ محل گرنے کے باوجود زندہ بچ گیا تھا۔ مگر اندر گھس کر اس کا کام تمام کیا گیا ملک جونا تغلق کے خلاف یہ شبہ اس لئے اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد بجائے اس کے کہ اس کمزور چوبی محل کے تعمیر کرنے والے انجینئر ملک زادہ احمد بن ایاس کو سزا دی جاتی اس کی خوب عزت افزائی کی گئی یہاں تک کہ اسے خواجہ جہاں کا خطاب بھی عطا کر دیا گیا۔

سلطان غیاث الدین تغلق کی موت خواہ کسی سبب سے بھی کیوں نہ ہو لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بادشاہ نہایت ہی پراسرار طریقہ پر مارا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بادشاہ کی لاش پر سے ملبہ ہٹایا گیا تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے کی لاش پر جھکا ہوا تھا جیسے اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ بادشاہ کی لاش کے نکالنے کے بعد راتوں رات اس کا جنازہ تغلق آباد لایا گیا جہاں اس کے جسد خاکی کو اس قبر میں دفن کر دیا گیا جو بادشاہ نے اپنی زندگی ہی میں تیار کرائی تھی۔

غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت پر نظر:

سلطان غیاث الدین تغلق کا دور حکومت اگرچہ بہت مختصر ہے یعنی اس نے کل ساڑھے چار سال حکومت کی ہے لیکن اس نے اس مختصر سے دور حکومت میں جس خوش انتظامی کا ثبوت دیا ہے اور مفاد عامہ کے کام کیے ہیں۔ وہ بے حد قابل تعریف ہیں۔ اس نے کاشت کاروں کے ٹیکسوں میں بے حد کمی کر دی تھی تاکہ کاشتکار ملک کی پیداوار کے چڑھانے میں دل و جان سے حصہ لیں۔ ہندوؤں پر جزیہ کے ٹیکس میں بھی کمی کر دی تھی جاگیرداروں اور عمال کو سخت ہدایت تھی کہ وہ رعایا کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کریں۔ غیاث الدین تغلق انعام و اکرام سے برابر علما اور اہل فن کو نوازتا رہتا تھا۔ اجیروں کی اجرت میں اس نے اضافہ کرایا۔ اور تاجروں کی لوٹ سے عوام کو بچانے کی تدابیر اختیار کیں۔ فوجی سپاہیوں پر وہ بے حد مہربان تھا ان کی اولاد کی طرح پرورش کرتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔اسکے دور میں رہزن پاسبان بن گئے۔غیاث الدین کا ذاتی کیرکٹر بھی نہایت بلند تھا وہ ایک با شرع مسلمان تھا جو نماز روزے کا پابند تھا اس نے نہ تو کبھی شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ زنا کے پاس گیا انصاف اور حق گوئی اس کا شیوہ تھا۔اس کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ وہ بادشاہ بن جانے کے باوجود بھی شاہان خلجی کی اولاد کے ساتھ آقاؤں کی اولاد سمجھ کر سلوک کرتا تھا اور خلجی خاندان کی بیگمات کا اپنی ماں اور بہنوں سے زیادہ احترام کرتا تھا۔

سلطان محمد شاہ تغلق

غیاث الدین تغلق کی موت کے تیسرے دن 729ھ مطابق 1325ء میں جونا خاں تغلق سلطان محمد شاہ تغلق کے لقب کے ساتھ دہلی کے تخت پر بیٹھا باپ کے چہلم کے بعد یہ تغلق آباد سے دہلی آگیا اور پرانے بادشاہوں کے تخت پر اجلاس کیا۔یہ اجلاس اس جاہ وجلال اور اس شان و شوکت کا تھا جو شاید ہی کسی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب ہوا ہو۔اجلاس کے روز عوام پر سونے اور چاندی کی بارش کی گئی اور اتنی دولت لٹائی گئی کہ غریب بھی مالا مال ہو گئے محمد تغلق عجیب وغریب فطرت کا انسان تھا۔اس میں قابل قدر خوبیاں بھی تھیں اور طرح طرح کی برائیاں بھی۔وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم بھی تھا اور اس سے جاہلانہ حرکتیں بھی برابر سرزد ہوتی رہتی تھیں غرض کہ وہ ایک ایسا عجیب وغریب انسان تھا جس کی مثال ہندوستانی تاریخ میں مفقود ہے۔

خوشحالی اور فارغ البالی کا دور:

محمد تغلق کو اتنی بڑی حکومت ورثہ میں ملی تھی جو کوہ ہمالیہ سے لے کر اس کماری تک اور گجرات سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔اس کی حکومت میں صوبے تھے جو سب کے سب خوشحال تھے اور ان صوبوں کا انتظام بھی نہایت چست تھا۔فوجی طاقت بھی کافی تھی جس کو محمد تغلق نے ترقی دے کر بہت زیادہ بڑھا لیا تھا۔گجرات، مالوہ، تلنگانہ، کنبیلہ، مالا بار، بنگال، چٹگار گاؤں، سنار گاؤں ترہٹ وغیرہ پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے بعد اس نے ان کا انتظام نہایت ہی عمدہ کر دیا تھا ملک کے ہر کونے سے خراج چلا آرہا تھا اور اس قدر آمدنی تھی کہ محمد تغلق کے اندھا دھند اخراجات کے باوجود بھی ملک نہایت خوشحال تھا۔مگر یہ خوشحالی کا دور صرف اس کی حکومت کے ابتدائی چند سال ہی تک رہا۔بعد میں سارا ملک محمد تغلق کی احمقانہ حرکتوں کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغلوں کو رشوت دے کر زیر کرنے کی کوشش:

محمد تغلق کے ابتدائی دور حکومت میں یعنی 727ھ میں مغل سردار ترش زین خاں جب ہندوستان کی تسخیر کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر پنجاب میں گھس آیا اور ملتان سے لوٹ مار کرتا ہوا دہلی کے دروازے پر آن پہنچا تو سلطان محمد تغلق نے تلوار کی بجائے زر سے اسے قابو میں لانے کی کوشش کی چنانچہ وہ بہت سا سونا، چاندی، اور جواہرات لے کر دہلی سے روانہ ہو گیا۔ اور ملتان، سندھ، اور گجرات میں لوٹ مار کرتا ہوا اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔ یہ درست ہے کہ اس تدبیر سے دہلی کو خونریزی سے نجات ضرور مل گئی لیکن رشوت دینے کے اس طریقہ کو سلطان کی کمزوری پر محمول کیا گیا اور واقعی یہ سلطان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔

محمد تغلق کی پے درپے کی حماقتیں:

محمد تغلق کیونکہ انوکھے دل و دماغ کا انسان تھا اس لئے اس کے دماغ میں جو نئی نئی تجویزیں پیدا ہوتی تھیں ان کی وجہ سے چند ہی روز میں حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں۔ محمد تغلق کی سیاسی اور ملکی حماقتوں کی تفصیل اگرچہ بہت طویل ہے لیکن ہم ذیل میں اس کی چند بڑی بڑی حماقتیں درج کرتے ہیں۔

1۔ محمد تغلق کو اس بات کی بڑی تمنا تھی کہ حضرت سلیمان کی طرح پیغمبری اور سلطانی دونوں صفات اس کی ذات میں جمع ہو جائیں اور وہ جن وانس پر فرماں روائی کر سکے۔ چنانچہ وہ دن رات اسی فکر میں مبتلا رہتا تھا کہ اسے کسی طرح سلیمان ثانی کا درجہ حاصل ہو جائے۔

2۔ محمد تغلق اتنا بڑا اخراج تھا کہ وہ ایک دن میں اتنا خرچ کر دیتا تھا جتنا کہ دوسرے بادشاہ ایک سال میں خرچ کرتے تھے چنانچہ اس کی اس بری عادت اور حماقت کی وجہ سے خزانہ خالی ہوتا چلا گیا اور حکومت کی مالی حالت بگڑ گئی۔

3۔ محمد تغلق ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس لئے اس کو تسخیر عالم کے لئے روپیہ جمع کرنے کی ہوس پیدا ہوئی اس مقصد کے لئے اس نے دوآبہ کے خراج کو تگنا اور چوگنا کر دیا۔ اس غیر معمولی خراج سے تنگ آ کر کاشتکاروں نے کاشت کرنی چھوڑ دی جس سے سارے ملک میں قحط پھیل گیا۔ کئی سال تک یہ قحط عام رہا جس کی وجہ سے لاکھوں آدمی مر گئے اور ملک میں افلاس پھیل گیا آخر بادشاہ نے مجبور ہو کر شہروں میں مفت غلہ تقسیم کرنا شروع کیا۔ لیکن ملک اس سے پہلے ہی تباہ ہو چکا تھا۔

4۔ غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں صرف سونے اور چاندی ہی کا سکہ چلتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خزانہ کو پر کرنے کے لئے تانبے کا سکہ چلایا۔ تاکہ تانبہ دے کر سونا اور چاندی خزانہ میں گھسیٹ لے۔ اس سکہ کی وجہ سے حکومت کی ساکھ بالکل ختم ہوگئی۔ جعلی سکہ بنانے والوں نے تانبے کے جعلی سکے بنا کر اپنے گھر سونے چاندی سے بھر لئے مگر شاہی خزانہ بدستور خالی رہا۔ آخر بادشاہ کو تانبے کا سکہ واپس لینا پڑا جس سے خزانہ اور بھی خالی ہوگیا اور حکومت کی اقتصادی حالت بالکل بگڑ گئی۔

5۔ محمد تغلق جس کو کہ ساری دنیا کو فتح کرنے کا شوق تھا۔ اس نے عراق اور خراسان سے امرا کو بلا کر بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھا تاکہ ان کے ذریعہ مشرق وسطیٰ کو فتح کرے۔ ان امرا اور سرداروں کے ماتحت تین لاکھ اور ستر ہزار سوار نوکر رکھے۔ پہلے سال تو ان سب کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے ادا کردی گئیں لیکن بعد کو تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے یہ سارا لشکر منتشر ہوگیا اور خزانہ پر اور بھی بار پڑ گیا۔

6۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ ہمالیہ کے راستہ چین کو فتح کیا جائے۔ چنانچہ 738ھ مطابق 1338ء میں اپنے بھانجے خسرو ملک کی سرکردگی میں ایک لاکھ سواروں کا لشکر روانہ کردیا اور ہدایت کی کہ راستہ میں نئے نئے قلعے بناتے جاؤ اور فتح حاصل کرتے رہو۔ امرائے سلطنت نے اس ارادہ سے ہر چند باز رکھنا چاہا مگر بادشاہ کو یقین تھا کہ اس طرح چین سے بے اندازہ دولت ہاتھ آسکے گی۔ چنانچہ اس لشکر کا ایک حصہ تو چین تک جاتے جاتے مر گیا۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ ناکام واپس آتے ہوئے ختم ہوگئے۔

7۔ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ ہندوستان کا دارالسلطنت دہلی کی بجائے ہندوستان کے بالکل وسط میں ہونا چاہئے تاکہ سارے ملک پر قابو رکھا جاسکے۔ اس خیال کے آتے ہی دیوگیر (دکن) کو دارالسلطنت قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے بعد دلی والوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ دیوگیر میں جا کر آباد ہوں۔ لوگوں کو دیوگیر پہنچنے کے لئے سفر خرچ بھی دیا گیا۔ غرض کہ تبدیل آبادی کی یہ مہم پورے زور شور کے ساتھ شروع ہوگئی جس میں بے شمار افراد راستہ میں مر گئے جو زندہ بچے وہ بیکاری اور افلاس کی وجہ سے ختم ہوگئے۔ دلی کی حالت یہ تھی کہ بالکل اجاڑ ہوگئی۔ دیوگیر کا نام بادشاہ نے دولت آباد رکھا مگر اس دولت آباد میں افلاس تنگ دستی اور مصیبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ بادشاہ کی اس حماقت سے خزانہ بالکل خالی ہوگیا اور رعایا برباد ہوگئی۔

غرض کہ محمد تغلق کی اس نوعیت کی حماقتوں کی وجہ سے سارا ملک تباہ اور برباد ہوگیا۔ رعایا کی بری طرح مٹی پلید ہوئی۔ خزانہ خالی ہوگیا اور حکومت کی ساکھ بالکل ختم ہوگئی۔

محمد تغلق نے دہلی کو ویران کردیا:

محمد تغلق کی حماقتوں کے سلسلہ میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ محمد تغلق نے دلی والوں کو دلی خالی کر کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت آباد کو آباد نہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس حکم کے بعد دہلی کی کیا حالت تھی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ دہلی کے وہ باشندے جن کو اپنے وطن سے بے اندازہ محبت تھی اور دہلی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے انہوں نے تنگ آکر سلطان کو ایک خط لکھا جس میں سلطان کو جی بھر کر گالیاں دی گئیں اس پر سلطان نے مشتعل ہو کر دہلی کو تباہ کرنے کا قطعی ارادہ کر لیا۔ چنانچہ دلی والوں کے تمام مکانات بالجبر کوڑیوں کے مول خرید لئے گئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دولت آباد جا کر آباد ہوں جب اس پر بھی لوگوں نے دہلی نہیں چھوڑی تو حکم دیا گیا کہ تین روز میں دہلی خالی کر دو۔ تین دن کے بعد جو بھی آدمی دہلی میں دکھائی دے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ اس حکم کے بعد دہلی کی اکثریت نے شہر چھوڑ دیا۔ مگر پھر بھی کچھ اپاہج اور مجبور لوگ دلی میں پڑے رہ گئے۔ جن کو گرفتار کرایا گیا۔ چنانچہ ایک اپاہج کو بارود سے اڑا دیا گیا۔ اور ایک اندھے کے لئے حکم ہوا کہ اس کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اسے گھسیٹ کر دولت آباد لے جایا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ راستہ میں اندھے کے بدن کے ٹکڑے ہو گئے۔ صرف ایک پاؤں دولت آباد پہنچ سکا۔ غرض کہ لوگ اپنا سارا سامان چھوڑ کر دہلی سے جلاوطن ہو گئے۔ سلطان نے جب اپنے محل کی چھت پر چڑھ کر دیکھا کہ سارے شہر میں نہ دھواں اٹھتا ہے اور نہ روشنی ہے تو اس نے کہا اب میرے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی۔ اس کے بعد سلطان نے دوسرے ضلعوں کے آدمیوں کو دہلی میں آباد ہونے کے لئے بلایا مگر دہلی زمانہ دراز تک آباد نہ ہو سکی۔

ملک کے ہر گوشہ میں بغاوتوں کا طوفان:

محمد تغلق کے ظلم وستم اور حماقتوں سے جب رعایا تنگ آ گئی تو اس نے ملک کے کونے کونے میں بغاوتیں برپا کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ حکومت کے عمال بھی ان بغاوتوں میں شامل ہو گئے۔ بغاوتوں کی تفصیل اگرچہ بہت طویل ہے لیکن ذیل میں چند اہم بغاوتوں کی کیفیت مختصر الفاظ میں پیش کی جاتی ہے۔

مالوہ کی بغاوت:

سب سے پہلے بادشاہ کے بھانجے گرشاسپ نے 739ھ میں مالوہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ یہ مالوہ سے دکن آیا اور دکن کے امراء کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا، بادشاہ نے خواجہ جہاں کو ایک لشکر دے کر اس کے مقابلے کے لئے بھیجا دیو گیر میں خواجہ جہاں اور گرشاسپ کا مقابلہ ہوا۔ اتفاق سے گرشاسپ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور گرشاسپ مع اہل وعیال کے کنپلہ چلا گیا۔ جہاں شاہی لشکر سے سخت مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا اور بادشاہ کے پاس لایا گیا۔ بادشاہ نے اس کی کھال کھنچوا دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملتان کی بغاوت:

غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بھائی ملک بہرام ایبہ حاکم ملتان جس کو کشلو خاں کا خطاب حاصل تھا۔اس کو محض اس جرم میں بادشاہ کے آدمیوں نے پریشان اور ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ وہ اپنا گھربار چھوڑ کر بادشاہ کی خوشنودی کے لئے دولت آباد نہیں گیا تھا ملک بہرام ایبہ ان ذلتوں کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے ملتان میں بغاوت برپا کر دی۔بادشاہ خود اس بغاوت کو دبانے کے لئے دولت آباد سے ملتان آیا۔بہرام کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا بہرام کی جگہ قوام الملک کو ملتان کا حاکم بنا دیا گیا۔

ہمالیہ کی تباہ کن مہم:

بادشاہ نے چین کی طرح ہمالیہ کے پہاڑی ہندو راجاؤں کو مطیع کرنے کے لئے ایک نئی مہم اسی زمانہ میں شروع کر دی۔سلطانی لشکر جوں توں کر کے بعض پہاڑی راجاؤں کے علاقوں پر قابض تو ہو گیا لیکن برسات شروع ہوتے ہی لشکر میں بیماری پھیل گئی۔بیشتر سپاہی مر گئے جو باقی رہے وہ واپس آنے کی کوشش میں ہندو راجہ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔آخر بادشاہ کی پہاڑی راجاؤں سے صلح ہو گئی۔

ملیبار کی بغاوت:

شریف جلال الدین شاہ حاکم معبر نے بھی باغی ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا،سلطان ایک بڑا لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے جا پہنچا،شریف جلال الدین بادشاہ کے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر تلنگانہ کے دارالسلطنت بدرکوٹ میں چلا گیا۔بادشاہ کے لشکر میں وبا پھیل گئی جس سے بے شمار سپاہی امراء سلطنت مر گئے۔بادشاہ ناکام و نامراد دولت آباد واپس آ گیا۔راستہ میں وہ خود بھی بیمار ہو گیا۔اور اس کے مرنے کی افواہ پھیل گئی۔

بنگال کی بغاوت:

740ھ مطابق 1340ء میں بیرم خاں حاکم سنارگاؤں (بنگال) کے انتقال پر وہاں بھی شدید ہنگامہ برپا ہو گیا۔ملک فخر الدین نے بغاوت برپا کر کے سنارگاؤں پر قبضہ کر لیا۔پھر لکھنوتی (ڈھاکہ) کے حاکم قدر خاں کو قتل کیا،اس کے بعد چٹ گاؤں پر قابض ہو گیا۔اس طرح سنار گاؤں چٹ گاؤں اور لکھنوتی پر فخر الدین نے قبضہ کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔بادشاہ یہ علاقہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے واپس نہ لے سکا۔

دیو گیر کی بغاوت:

یکا یک بادشاہ کو اطلاع ملی کہ دیو گیر میں شدید بغاوت برپا ہو گئی ہے۔ باغی سرداروں نے شاہی عمال اور امرائے سلطنت کو قتل کر دیا بادشاہ دلی آیا اور لشکر لے کر دیو گیر روانہ ہوا، بڑی مصیبت اٹھانے کے بعد دیو گیر پہنچا۔ اور وہاں بغاوت دبانے کے بعد احمد ایاز کو حاکم مقرر کیا۔

لاہور میں بغاوت:

بادشاہ جس زمانہ میں کہ دیو گیر کی بغاوت کو دبانے میں لگا ہوا تھا، اسی زمانہ میں لاہور اور پنجاب کے بعض علاقوں میں شدید بغاوت پھیل گئی، اس بغاوت کو دبانے کے لئے بادشاہ نے احمد ایاز کو لاہور بھیجا۔ احمد ایاز نے بمشکل تمام اس ہنگامہ کو فرد کیا۔

ملتان میں شاہو افغان کی بغاوت:

بادشاہ کو اطلاع ملی کہ شاہو افغان نے بغاوت کر کے، ملتان پر قبضہ کر لیا ہے۔ نائب حاکم بہزاد کو مار ڈالا اور حاکم ملتان قوام الملک فرار ہو گیا۔ بادشاہ ایک بڑا لشکر لے کر ملتان پہنچا۔ وہاں کی بغاوت کو دبا دیا۔ شاہو افغان نے اطاعت قبول کر لی اسی مہم کے دوران میں بادشاہ کی ماں مخدومہ جہاں دولت آباد میں فوت ہو گئی جس سے بادشاہ کو بے حد رنج ہوا۔

گھکڑوں کی بغاوت:

743ھ مطابق 1343ء میں گھکڑوں کے سردار ملک چند نے علم بغاوت بلند کر کے لاہور کے حاکم تاتار خاں کو قتل کر دیا۔ بادشاہ نے خواجہ جہاں کو سرکشوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور یہ بغاوت بھی دب گئی۔

تلنگانہ اور کرناٹک میں بغاوت:

کرناٹک کے راجہ لادیو اور لدر دیو کے بیٹے کشنا مانک نے مل کر یہ طے کیا کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کرناٹک اور تلنگانہ کو سلطان کے قبضہ سے نکال لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں بغاوت برپا کرنے کے بعد اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح 744ھ مطابق 1344ء میں یہ علاقہ مسلمانوں کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ راجہ کرناٹک نے اپنے بیٹے بیجین رائے کے نام پر بیجین نگر آباد کیا جو بعد کو بیجاپور کے نام سے مشہور رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کٹرہ مانک پور میں بغاوت:

745ھ مطابق 1345ء میں علاء الدین نامی ایک شخص نے کٹرہ میں بغاوت کر کے سر پر تاج رکھا اور سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کیا۔ حاکم اودھ عین الملک اور اس کے بھائی نے جا کر اس بغاوت کو دبایا اور علاء الدین کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

بیدر دکن میں بغاوت:

اسی سال بیدر کے حاکم نصرت خاں نے حکومت کا لاکھوں روپیہ غبن کر کے بغاوت برپا کر دی۔ قتلغ خاں دیوگیر سے اور بعض افسر دہلی سے اس بغاوت کو دبانے کے لئے گئے۔ نصرت خاں گرفتار ہو گیا جسے بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

گلبرگہ میں بغاوت:

امیر سلطنت علی شاہ جو شاہی محصول وصول کرنے کے لئے دوست آباد سے گلبرگہ گیا ہوا تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ خطہ عمال اور فوج سے خالی ہے تو اس نے 746ھ مطابق 1346ء میں گلبرگہ کے صوبیدار کو قتل کر کے غدر مچا دیا۔ گلبرگہ پر قبضہ کر لیا، اور لوٹ مار کرتا ہوا بیدر تک آن پہنچا، بادشاہ نے قتلغ خاں اور مالوہ کے لشکر کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ علی شاہ سلطانی لشکر سے سخت مقابلہ کرنے کے بعد گرفتار ہوا اسے اور اس کے بھائیوں کو بادشاہ نے قتل کرا دیا۔

اودھ کے صوبیدار کی بغاوت:

اودھ اور ظفر آباد کے صوبیدار عین الملک نے اگرچہ اپنے علاقہ میں اس نازک زمانہ میں بھی پوری طرح امن قائم رکھا تھا۔ لیکن بادشاہ اس سے فروعی باتوں پر بدظن ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے بغاوت برپا کر دی اور مرگ دواری آنے کے بعد بادشاہ کے تمام ہاتھی اور گھوڑوں کو پکڑ کر لے گئے۔ بادشاہ اس بغاوت سے بہت گھبرایا، اس نے فوراً سمانہ، امروہہ برن (بلند شہر) اور کوتل سے لشکر منگایا اور عین الملک کی سرکوبی کے لئے قنوج کی جانب روانہ ہو گیا سخت مقابلے کے بعد عین الملک کو شکست ہوگئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا بادشاہ نے اسے معافی دے کر پھر منصب جلیلہ پر سرفراز کر دیا اور اس طرح یہ بغاوت بھی دب گئی۔

محمد شاہ تغلق کی حکومت کے خلاف ان بے شمار بغاوتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بادشاہ کی بے عقلیوں نے کس طرح نظام حکومت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ بغاوتوں کا سلسلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف مندرجہ بالا بغاوتوں ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اور بھی اسی قسم کی لاتعداد بغاوتیں جابجا برپا ہوتی رہیں لیکن یہ بغاوتیں چونکہ زیادہ اہم نہیں تھیں۔ اس لئے ہم نے طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مگر آگے چل کر ہم ''امیران صدہ'' کی جس بغاوت کا تذکرہ کریں گے وہ ایک ایسی بغاوت ہے جس نے کہ نہ صرف سلطان محمد تغلق کی حکومت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا بلکہ اس بغاوت کے صدمے نے سلطان کی جان بھی لے لی۔

دہلی والوں کو دہلی میں آباد ہونے کی اجازت:

740ھ مطابق 1340ء میں جب محمد تغلق دیوگیر کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد دہلی آیا تو اس شہر کو اجاڑ دیکھ کر اس کے دل پر بے حد اثر ہوا۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ محمد تغلق نے دہلی والوں کے لئے تو دہلی میں رہنا جرم قرار دیدیا تھا، لیکن دوسرے ضلع کے باشندوں کو اس نے دہلی میں آباد کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ لیکن ان کوششوں کے باوجود دہلی آباد نہ ہو سکی۔ اب محمد تغلق کو اپنی حماقت کا احساس ہوا اور اس نے دہلی کو دوبارہ آباد کرنے کے خیال سے دہلی والوں کو پھر دہلی واپس آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن جو لوگ کہ دولت آباد یا دوسرے شہروں میں آباد ہو چکے تھے۔ دہلی کیوں واپس آنے لگے تھے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو لوگ دوسرے ضلعوں سے آ کر دہلی میں آباد ہو گئے تھے، وہ بھی دہلی کی قحط سالی سے تنگ آ کر دہلی چھوڑنے لگے۔ سلطان نے ان کو بالجبر دہلی میں رکھنے کی غرض سے دہلی سے باہر جانا قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ لیکن بعد میں جب لوگ فاقہ کشی سے دہلی میں مرنے لگے تو یہ پابندی اٹھالی گئی۔ اس پابندی کے اٹھنے کے بعد وہ لوگ بھی یہاں سے چلے گئے۔ جو دوسرے ضلعوں سے آ کر آباد ہو گئے تھے یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی دہلی چھوڑ کر دریائے گنگا کے کنارے قصبہ کھور کے پاس ایک شاداب مقام پر جا کر آباد ہو گیا، اس مقام کا نام شودگ دواری یعنی جنت کا دروازہ رکھا گیا یہاں اچھی خاصی آبادی قائم ہو گئی تھی۔ غرض کہ بادشاہ نے پہلے تو دہلی چھوڑ کر دولت آباد کو اپنی قیام گاہ بنایا پھر دولت آباد سے دہلی آ کر قیام کرنا چاہا اور جب یہاں بھی جی نہ لگا تو ''شورگ دواری'' کے ویرانہ کو اپنی قیام گاہ تجویز کیا۔

امیران صدہ کی بغاوت:

ملک عزیز حمار حاکم مالوہ کو جب محمد تغلق نے دھار میں حاکم مقرر کر کے متعین کیا تو ہدایت کی کہ دھار اور مالوہ میں جتنی بھی بغاوتیں ہوتی ہیں ان کے بانی مبانی امیران صدہ ہیں۔ لہٰذا امیران صدہ میں سے جو بھی سر اٹھائے اس کو فوراً کچل دیا جائے۔ امیران صدہ وہ امیر تھے جن کو سو سوار رکھنے کی اجازت تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک عزیز حمار ایک کمینہ فطرت انسان تھا۔ جس کو امراء اور شرفا سے فطری عداوت تھی، اس نے بادشاہ کی شہ پا کر دھار آتے ہیں ستر اسی امیران صدہ کو ایک دعوت کے بہانے بلایا، مجمع عام میں ان کی خوب تذلیل کی۔ اوران کو اسی دعوت میں قتل کر دیا۔ ملک عزیز کے اس ظلم وستم کا بادشاہ کو علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کو خلعت عنایت کی لیکن اس واقعہ نے دھار اور مالوہ کے سیکڑوں امیران صدہ میں بغاوت کی لہر دوڑا دی اور یہ بغاوت برابر بڑھتی چلی گئی۔

دھار اور مالوہ کے بعد امیران صدہ کی یہ بغاوت دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنی شروع ہوگئی چنانچہ اسی زمانہ میں وزیر گجرات بادشاہ کے لئے گھوڑے اور خزانہ لے کر بڑودہ سے گزر رہا تھا کہ بڑودہ کے امیران صدہ نے جو باغی ہو چکے تھے اس پر حملہ کر کے یہ گھوڑے اور خزانہ چھین لیا، اس کے بعد باغی امیر صدہ نے جمیعت فراہم کر کے کھمبات پر حملہ کر دیا، رفتہ رفتہ یہ بغاوت سارے گجرات میں اس طرح پھیلی کہ تمام علاقہ تہہ وبالا ہوگیا۔

بادشاہ نے امیران صدہ کی ان شورشوں کا حال سنا تو دہلی میں اپنی جگہ اپنے چچازاد بھائی ملک فیروز کو چھوڑنے کے بعد خود 748ھ مطابق 1347ء میں گجرات کے لئے روانہ ہوگیا ابھی بادشاہ سلطان پور ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ مالوہ کے امیران صدہ نے حاکم مالوہ ملک عزیز تار کو قتل کر دیا ہے لیکن بادشاہ سیدھا گجرات چلا گیا۔ گجرات کے متصل کوہ آبو پر پہنچ کر باغیوں کی سرکوبی کی اس کے بعد بھروچ پہنچ کر ملک قبول اور عماد الملک کے ذریعہ امیران صدہ کا قتل عام کرایا اور ان کے بیوی بچوں کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر بادشاہ دولت آباد کی جانب متوجہ ہوا۔ چنانچہ زین الدین رند اور پسر رکن الدین تھا۔ تھانیسری کو کہ چھٹے ہوئے بدمعاش تھے دولت آباد کے امیران صدہ کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ لیکن امیران صدہ نے دولت آباد پر حملہ کر کے وہاں بھی اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعہ کی فوج کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ عالم الملک سپہ سالار کو قید کر لیا، اور تقریباً تمام حکام اور عمال کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد دولت آباد میں زیادہ سے زیادہ امیران صدہ کو جمع کر کے اسمٰعیل مامی امیر صدہ کو بادشاہ بنا کر اس کو نصیر الدین کا خطاب دے دیا اور رعایا کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا، بادشاہ کو جب اس فتنہ عظیم کا علم ہوا تو وہ دوڑا ہوا دولت آباد آیا، غرض کہ امیران صدہ اور بادشاہ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ مگر امیران صدہ کو شکست ہوگئی، اور انہوں نے اپنے آپ کو دیوگیر کے قلعہ میں محصور کر لیا۔ بادشاہ نے قلعہ کو فتح کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ابھی قلعہ فتح نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ ملک طغی نے امیران صدہ کے ساتھ مل کر حاکم گجرات کو قتل کر دیا ہے۔ شاہی عمال کو قید کر لیا ہے اور کھمبات کو غارت کر کے بھروچ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی بادشاہ دیوگیر کے محاصرہ کو ادھورا چھوڑ کر گجرات کی طرف بھاگا۔ ملک طغی بھی بادشاہ کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ احمد آباد میں جنگ ہوئی۔ ملک طغی شکست کھانے کے بعد ٹھٹھہ بھاگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ ابھی بادشاہ کو ملک طغی کے فتنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ امیران صدہ کے سرگروہ حسن گانگو نے جو کہ خود بھی امیر صدہ تھا۔ بادشاہ کے داماد عماد الملک کو قتل کر کے سارے دکن پر قبضہ جمالیا حاکم مالوہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور دیو گیر کے قلعہ پر حملہ کر کے اسمٰعیل اور ان امیران صدہ کو نکال لیا جو کئی ماہ سے محصور تھے۔ پھر اسمٰعیل کی بجائے جسے نصیر الدین کا خطاب دیا گیا تھا۔ سب امیران صدہ نے اتفاق رائے سے حسن گانگو کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اسے سلطان علاء الدین کا خطاب دے دیا۔ بادشاہ نے حسن گانگو کے مقابلہ کے لئے دہلی سے لشکر بھیج دیا۔ خود گجرات کی شورشوں کو دباتا رہا۔ پے در پے فتنوں اور بغاوتوں کی وجہ سے بادشاہ کی صحت پر بہت برا اثر پڑا۔ چنانچہ بادشاہ باغیوں کی سرکوبی کے سلسلہ میں ٹھٹہ میں تھا کہ بخار میں مبتلا ہو گیا اور اسی بخار میں 21 محرم 752ھ مطابق 20 مارچ 1351ء کو وفات پا گیا۔

محمد تغلق کو قتل اور خونریزی کا شوق:

محمد تغلق اپنے زمانہ کا ایک نہایت ہی تندمزاج حکمراں تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی دن ایسا [illegible]تا تھا کہ بادشاہ کے دروازے پر کسی نہ کسی کو قتل نہ کیا جاتا ہو وہ معمولی معمولی خطاؤں پر ہاتھیوں کے پیروں تلے لوگوں کو کچلوا دیتا تھا۔ اور زندہ جسم سے کھال اتروا کر بھس بھروا دیتا تھا۔ ہر روز سیکڑوں قیدی اس کے سامنے لائے جاتے تھے جن کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ سلطان اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی سخت سے سخت اذیتیں دیتا تھا۔ اس نے اپنے ایک بھائی مسعود خاں کو قتل کرا کے اس کی لاش بازار میں پھنکوا دی جو حسب دستور تین روز تک بازار میں پڑی رہی۔ بادشاہ کے ظلم اور جبر کا یہ عالم تھا کہ کوئی ہفتہ ایسا نہ جاتا تھا جس میں کوئی مولوی مفتی قاضی یا صوفی اس کے حکم سے قتل نہ ہوتا ہو۔ انسان کے مارنے کا اسے اتنا بھی افسوس نہ ہوتا تھا جتنا پاؤں تلے چیونٹی کے پس جانے کا ہوتا ہے۔ غرض کہ وہ اپنے دور کا بہت بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔

محمد تغلق ایک بے نظیر سپہ سالار تھا:

محمد تغلق کے ظلم جبر اور حماقتوں کے واقعات سے اگرچہ تاریخیں رنگی پڑی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس چیز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا سپہ سالار تھا۔ اس کی بے نظیر سپاہیانہ قابلیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتوں پر بغاوتیں پیدا ہوتی تھیں۔ لیکن وہ گھبرائے بغیر ہر بغاوت کو خود جا کر نہایت آسانی سے دبا دیتا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر وہ اتنا بڑا سپہ سالار نہ ہوتا تو ستائیس سال تو کیا شاید ستائیس دن بھی تخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نہیں رہ سکتا تھا۔ ذرا غور فرمائیے کہ پے در پے حماقتوں اور انتہائی ظلم و جبر کے باوجود کوئی متنفس بھی اس کو اپنی جگہ اور ارادہ سے نہیں ہلا سکا۔ حالانکہ ایسے الجھے ہوئے دماغ کے انسان کی حکومت صرف چند روزہ ہوا کرتی ہے مگر اس کی بے نظیر سپاہیانہ قابلیت قدم قدم پر اس کے لئے سپر بنی رہی۔ وہ جدھر بھی جاتا تھا اس کی خارا شگاف شمشیر مخالفتوں کے پہاڑوں کو کاٹتی چلی جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بے نظیر سپہ سلار ہونے کے ساتھ وہ سوجھ بوجھ کا بھی مالک ہوتا تو کوئی تعجب نہ تھا کہ اپنی بے نظیر سپاہیانہ قابلیت سے وہ براعظم ایشیا کے بیشتر حصہ کو فتح کر ڈالتا۔

محمد تغلق کی قابل قدر خوبیاں:

محمد تغلق میں صرف ایک یہی خوبی نہ تھی کہ وہ ایک بے نظیر سپہ سالار تھا۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ فیاضی میں وہ حاتم ثانی تھا۔ اس نے خزانے لٹادئے۔ عالموں فاضلوں اور ماہرین فن کو وہ لاکھوں روپیہ دیتا تھا۔ صاحب کمال دور دور سے اس کے دربار میں آتے تھے اور مالا مال ہو کر جاتے تھے۔ اس نے بیماروں کے لئے شفا خانے محتاجوں کے لئے محتاج خانے اور مسافروں کے لئے ہزاروں مسافر خانے بنوادئے تھے۔ قحط کے زمانہ میں لاکھوں من غلہ مفت تقسیم کراتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام بہترین تھا۔ دور دراز مقامات کی ڈاک بھی پانچ چھ روز میں پہنچ جاتی تھی۔

محمد تغلق اپنی تمام خامیوں کے باوجود نماز روزہ کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا اور رمضان کے روزے کبھی قضا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ رعایا کو نماز روزے کے لئے بالجبر مجبور کرتا تھا۔ شراب یا کسی نشیلی چیز کو اس نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ حرام کاری سے اس کو دلی نفرت تھی۔ قمار بازی اور لہولعب سے دور بھاگتا تھا۔

محمد تغلق کی علمی قابلیت:

سلطان محمد شاہ تغلق کا درجہ علمی اعتبار سے بھی کافی بلند تھا وہ عربی اور فارسی کا عالم تھا اپنے زمانہ کا بہترین خطاط تھا، تحریر و تقریر دونوں پر اس کو پوری طرح ملکہ حاصل تھا، فارسی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر تھا۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو بات ایک دفعہ سن لیتا، عمر بھر یاد رکھتا۔ ہزاروں اشعار اسے یاد تھے۔ کتابیں کی کتابیں ازبر تھیں۔ معقولات اور الہیات، طبعیات اور ریاضیات سے اس کی طبیعت کو بے حد لگاؤ تھا۔ فن طب میں بھی اسے کمال حاصل تھا، مریضوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ غرض کہ اس بادشاہ میں ایسی متضاد صفات تھیں جو مشکل سے کسی ایک انسان میں پائی جاسکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک عجوبۂ روزگار انسان تھا۔ جس میں عیوب بھی بے انتہا تھے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبیاں بھی بے اندازہ تھیں۔

محمد تغلق کی موت کے بعد خونیں ہنگامہ:

سلطان محمد تغلق کی موت دارالسلطنت سے دور ٹھٹہ (سندھ) میں واقع ہوئی تھی۔ سلطان کا چچازاد بھائی ملک فیروز سلطان کی طلب پر بیماری کے زمانہ میں ہی اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے آخری وقت میں بادشاہ کی بڑی توجہ کے ساتھ تیمارداری کی تھی۔ بادشاہ جو پہلے ہی سے اس پر مہربان تھا اس کی اطاعت شعاری اور خدمت سے اور بھی گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ کی موت کا وقت جب قریب آیا، تو اس نے وصیت کی کہ میرے بعد فیروز کو بادشاہ بنایا جائے۔ بادشاہ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس لئے بادشاہ ملک فیروز سے اولاد کی طرح محبت کرتا تھا۔ اس نے ملک فیروز کی اپنی اولاد کی طرح تربیت کی تھی، لیکن جس غریب الوطنی اور پریشان کن حالات میں بادشاہ کی موت واقع ہوئی، وہ ایسے حالات تھے کہ ملک فیروز کی فوراً ہی تخت نشینی عمل میں نہ آ سکی۔

بادشاہ جس وقت مرا ہے تو ٹھٹہ میں سلطانی لشکر کے علاوہ مغلوں کا بھی ایک بہت بڑا لشکر موجود تھا۔ جو سلطانی لشکر کے ساتھ ساتھ بغاوتوں کے دبانے میں نمایاں حصہ لے رہا تھا۔ اور بادشاہ کا اطاعت شعار تھا۔ لیکن بادشاہ کی آنکھ بند ہوتے ہی مغل لشکر کے سرداروں کی نیت بگڑ گئی، انہوں نے سوچا کہ ایسی حالت میں جب کہ اس ملک کا بادشاہ کوئی نہیں ہے۔ کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے چنانچہ عین اس وقت جب کہ سلطانی لشکر کے سپاہی دہلی واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اور بالکل غیر مسلح اور بے ترتیب تھے۔ مغل لشکر نے اچانک ان پر حملہ کر دیا، خزانے کے اونٹ چھین لئے۔ دل کھول کر لوٹ مار کی اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ٹھٹہ کے باغی بھی مغل لشکر کے ساتھ مل گئے۔ غرض کہ مغل لشکر نے اچھا خاصہ خونیں ہنگامہ برپا کر دیا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق

محمد تغلق کی غریب الوطنی میں موت کی وجہ سے ملک میں جب ابتری اور خانہ جنگی بڑھنے لگی۔ اور امرائے سلطنت نے دیکھا کہ محض بادشاہ اور سرداروں کے نہ ہونے سے بد نظمی بڑھتی جا رہی ہے۔ نیز یہ بھی اندیشہ ہوا کہ کہیں مغل موقع پا کر حکومت پر قبضہ جمانے کی کوشش نہ شروع کر دیں۔ تو سب نے متفق ہو کر ملک فیروز سے کہا کہ بادشاہ نے آپ کو ولی عہد مقرر کیا ہے آپ حکومت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ مگر ملک فیروز نے سلطنت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امراء کے زیادہ زور دینے پر ملک فیروز راضی ہو گیا۔ تخت پر بیٹھنے سے قبل ملک فیروز نے شکرانہ کے دو نفل گڑگڑا گڑگڑا کر ادا کر کے بارگاہ الٰہی میں سلطنت کی کامیابی کے لئے دعا مانگی۔ اس کے بعد 24 محرم 752ھ مطابق 23 مارچ 1351ء کو ٹھٹہ میں تاج شاہی سر پر رکھا اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے خطاب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ فیروز تغلق کا تخت نشین ہونا تھا کہ تمام شہر میں شادیانے بجنے لگے اور مخالفین میں گھبراہٹ پھیلنی شروع ہو گئی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کی ابتدائی زندگی:

فیروز شاہ تغلق سلطان غیاث الدین تغلق کے چھوٹے بھائی سپہ سالار رجب کا بیٹا تھا، جو ایک نو مسلم راجپوت خاتون بی بی نائلہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ بی بی نائلہ دیپالپور کے راجپوت سردار رانا مل بھٹی کی لڑکی تھی۔ سپہ سالار رجب اور بی بی نائلہ کی شادی اس زمانہ میں ہوئی تھی۔ جس زمانہ میں کہ غیاث الدین تغلق دیپالپو کا گورنر تھا۔ غیاث الدین تغلق ہی کی کوشش سے یہ بین الملی شادی انجام پائی تھی۔ فیروز شاہ جب پیدا ہوا تو دیپالپور میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ غیاث الدین تغلق نے بھائی کے گھر بیٹا پیدا ہونے کی خوشی میں بے اندازہ انعام و اکرام تقسیم کیا۔ لیکن ابھی فیروز شاہ تغلق سات ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بھائی کی موت کے بعد غیاث الدین تغلق نے بھاوج کی ہر ممکن دلداری کی اور فیروز شاہ تغلق کو اپنی اولاد کی طرح پالا۔ غیاث الدین تغلق کو اپنے اس بھتیجے سے اس قدر محبت تھی کہ کبھی اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب غیاث الدین تغلق بادشاہ بن گیا۔ تو جنگی معرکوں میں بھی فیروز شاہ تغلق کو برابر اپنے ساتھ رکھتا۔ اور اسے قدم قدم پر جہانبانی اور شہر یاری کی عملی تعلیم دیتا۔ جب غیاث الدین تغلق مرا تو اس وقت فیروز شاہ تغلق کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ غیاث الدین کے مرنے کے بعد محمد تغلق نے فیروز شاہ تغلق کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اور اس سے بے اندازہ محبت کرنے لگا۔ وہ برابر فیروز شاہ تغلق کو حکمرانی کے اصول بتاتا رہتا۔ محمد تغلق کے چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے وہ اپنے اس چچازاد چھوٹے بھائی ہی کو اولاد سمجھتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کو بھی اپنے سرپرست اور بڑے بھائی محمد تغلق سے بے اندازہ محبت تھی۔ چنانچہ اسے محمد تغلق کی موت کا بے حد رنج ہوا۔ وہ اتنا رنجیدہ تھا کہ جب اسے شاہی لباس پہنایا گیا تو اس نے ماتمی لباس پر ہی یہ شاہی لباس زیب تن کیا۔ جب امراء نے کہا کہ اب اس ماتمی لباس کو تو اتار دیجئے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے محض مصالح ملکی کی خاطر یہ شاہانہ لباس پہن لیا ہے۔ مگر میں ماتمی لباس ہرگز نہیں اتاروں گا کیونکہ یہ اس شخص کے ماتم کا لباس ہے جو میرا محسن، میرا استاد، میرا آقا اور میرا رہنما اور میرا باپ تھا۔

www.KitaboSunnat.com

فیروزشاہ کو مغلوں پر فتح:

حکومت کے اختیارات سنبھالنے کے فوراً ہی بعد فیروزشاہ تغلق نے ان مغلوں کی سرکوبی کے لئے فوج کو ترتیب دیا۔ جنہوں نے کہ ابھی تک ہنگامہ برپا کرر کھا تھا۔ چنانچہ فیروزشاہ پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔ مغلوں نے شروع میں تو مقابلہ کیا لیکن چند ہی گھنٹوں کے بعد ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسے بھاگے کہ بے اندازہ سامان میدان جنگ میں چھوڑ گئے، اس کے بعد فیروزشاہ نے ٹھٹھہ کے باغیوں کی جانب متوجہ ہو کر اس بغاوت کو فرد کیا، جو مغلوں کے ساتھ مل کر انہوں نے برپا کر رکھی تھی۔ ان دو اہم معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔

دہلی میں ایک دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی:

جس وقت کہ ٹھٹھہ میں فیروزشاہ تغلق کی تخت نشینی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ عین اسی وقت محمد تغلق کے نائب اور وزیر اعظم خواجہ جہاں نے ایک مجہول النسب چھ سالہ لڑکے کو غیاث الدین محمود شاہ کے لقب کے ساتھ دہلی کے تخت پر بٹھا دیا اور یہ مشہور کیا کہ یہ لڑکا محمد تغلق کا بیٹا ہے حالانکہ ساری دنیا جانتی تھی کہ محمد تغلق کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس نام نہاد بادشاہ کو دہلی کے تخت پر بٹھانے کے بعد خواجہ جہاں نے خوب دولت لٹائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خزانہ جو پہلے ہی خالی تھا اس پر بالکل جھاڑو پھر گئی۔ جب خواجہ جہاں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹھٹھہ میں فیروزشاہ تخت نشین ہو گیا تو اسے اپنی جان کی فکر ہوئی چنانچہ اس نے فیروزشاہ کے مقابلے کے لئے بیس ہزار سواروں کا لشکر فوراً تیار کیا تاکہ موقع آنے پر فیروزشاہ کو ترکی بہ ترکی جواب دے سکے۔

فیروزشاہ کا پرجوش خیر مقدم:

فیروزشاہ کو اگرچہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خواجہ جہاں نے ایک کٹھ پتلی بادشاہ کو دہلی کے تخت پر بٹھا کر اس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ لیکن اس نے نہ تو اپنے چہرے سے کسی پریشانی کا اظہار کیا اور نہ فوج ہی پر یہ راز ظاہر ہونے دیا تاکہ فوج میں کسی قسم کی بددلی یا شرارت نہ پیدا ہونے پائے۔ وہ اطمینان کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا دہلی کی جانب بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ دیپالپور اور ملتان ہوتا ہوا دہلی کے قریب جا پہنچا۔ دہلی کے باشندوں کو اور امراء کو جب یہ اطلاع ملی کہ بادشاہ دہلی آرہا ہے تو دہلی کے بے شمار امراء اور باشندے خوشی خوشی راستہ ہی میں بادشاہ کے پاس پہنچ کر شاہی جلوس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کی بادشاہ کے پاس پہنچنے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ یہ تھی کہ اول تو دہلی کے عوام اور امراء کو فیروز شاہ سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ دوسرے یہ کہ خواجہ جہاں کے اس تازہ فتنہ سے دہلی کے باشندوں کو اور امراء کو یہ خوف ہو گیا تھا کہ دہلی میں بادشاہ کی آمد پر بڑی خون ریزی ہو گی۔ اس لئے اس خون ریزی سے بچنے کے لئے اور بادشاہ کی اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے عوام اور امراء کا ایک جم غفیر راستہ ہی میں بادشاہ سے آن ملا۔ اس جم غفیر میں امراء اور دلی کے خوش حال باشندوں کے اہل وعیال تک شامل تھے جو لوگ کسی وجہ سے دہلی سے نہیں جا سکے تھے۔ وہ بادشاہ کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔ ابھی بادشاہ راستہ ہی میں تھا کہ خواجہ جہاں کا قاصد فیروز شاہ کے پاس دہلی کے کٹھ پتلی بادشاہ کا فرمان لے کر پہنچا جس میں فیروز شاہ کو کٹھ پتلی بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ فیروز شاہ نے اس فرمان کو چاک کر دیا یہی فیروز شاہ کا جواب تھا۔ فیروز شاہ منزلیں طے کرتا ہوا جب دہلی کے قریب پہنچا تو خواجہ جہاں کا دست راست قوام الملک بھی معہ اہل وعیال کے بادشاہ سے آن ملا اور اس طرح خواجہ جہاں کی بالکل کمر ٹوٹ گئی۔

خواجہ جہاں کی فیروز شاہ کی خدمت میں حاضری:

قوام الملک اور تمام امراء کے قابو سے نکل جانے کے بعد خواجہ جہاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اب اسے بغاوت کے جرم میں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ اب اس کے لئے بچنے کی آخری صورت یہی تھی کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد کسی نہ کسی طرح اپنا قصور معاف کرالے۔ بادشاہ فتح آباد میں ظہر کی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ خواجہ جہاں مجرموں کی ہیئت بنائے چلا آ رہا ہے خواجہ جہاں کی پگڑی اتری ہوئی گلے میں پڑی تھی۔ سر منڈا ہوا تھا۔ ننگی تلوار گلے میں لٹک رہی تھی۔ بادشاہ نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور حکم دیا کہ اسے سبزہ پر لے جائیں اس کے بعد امرائے سلطنت سے خواجہ جہاں کے بارے میں مشورہ کیا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ اس اسی سالہ بوڑھے کو معاف کر دیا جائے۔ مگر امرائے سلطنت کی رائے تھی کہ اس کو معاف کرنا باغیوں کی ہمت افزائی کرنے کے ہم معنی ہے۔ آخر یہ طے ہوا کہ خواجہ جہاں کو وزارت عظمٰی کے عہدے سے معزول کر کے سامانہ بھیج دیا جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق خواجہ جہاں کو سامانہ کی جانب روانہ کر دیا گیا، لیکن ابھی خواجہ جہاں راستہ ہی میں تھا کہ شیر خاں نے اسے قتل کر دیا۔ اب فیروز شاہ کے راستے سے سارے کانٹے ہٹ چکے تھے۔ فیروز شاہ بڑے تزک واحتشام کے ساتھ دار السلطنت دہلی میں داخل ہوا۔ سارا شہر دلہن بنا ہوا تھا۔ ہر طرف شادیانے بج رہے تھے۔ غرض کہ برابر اکیس دن تک دہلی میں بادشاہ کی آمد پر جشن منایا جاتا رہا۔

www.KitaboSunnat.com

فیروز شاہ کو جنگ اور خونریزی سے نفرت:

سلطان محمد تغلق جتنا کہ جنگ اور خونریزی کا شوق تھا اتنی ہی فیروز شاہ کو قتل وخوں سے نفرت تھی۔ چنانچہ دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد جدید فتوحات کی طرف متوجہ ہونا تو درکنار اس نے سلطنت اسلامیہ کے ان علاقوں کے واپس لینے کی بھی کوئی خاص کوشش نہیں کی جن کو کہ باغیوں نے دبالیا تھا فیروز شاہ کہا کرتا تھا کہ حکومت کو وسعت دینے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ جو حکومت قبضہ میں ہو اس کا انتظام بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی جائے۔ فیروز شاہ ساری عمر اسی اصول پر عامل رہا اس کی تمام تر کوشش یہی رہی کہ اس کی رعایا خوش حال رہے اور ملک میں جنگ اور خونریزی نہ ہو لیکن پھر بھی اسے متعدد لڑائیوں میں مجبوراً حصہ لینا پڑا۔

فیروز شاہ کا بنگال پر پہلا حملہ:

تخت نشینی کے ابتدائی تین سال میں تو فیروز شاہ نے اپنی جدو جہد کو صرف سلطنت کے اندرونی انتظام تک محدود رکھا۔ لیکن تین سال کے بعد 754ھ مطابق 1353ء میں اسے مجبوراً اس لئے بنگال پر حملہ کرنا پڑا، کیونکہ بنگال کے باغی الیاس نے سارے بنگال میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ اس نے شمس الدین کا لقب اختیار کرنے کے بعد خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اور بنارس تک قابض ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ اگر اس فتنہ کو نہ روکا گیا تو یہ آگے بڑھ کر ساری حکومت کو درہم وبرہم کر سکتا ہے۔ لہٰذا فیروز شاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر شمس الدین پر حملہ آور ہوا۔ شمس الدین بادشاہ کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جزیرہ اکدولہ میں پناہ گزیں ہو گیا، فیروز شاہ نے جب یہ دیکھا کہ شمس الدین اس جزیرہ سے باہر ہی نہیں آتا تو بادشاہ جنگی چال چلتے ہوئے اس طرح اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر لے گیا جیسے وہ ناکام ونامراد واپس جا رہا ہے۔ شمس الدین دھوکہ میں آگیا اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سلطانی لشکر بھاگا جا رہا ہے۔ جزیرہ سے نکل کر سلطانی لشکر کا تعاقب کیا۔ سلطانی لشکر فوراً پلٹ پڑا اور ذرا سی دیر میں شمس الدین کی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ بادشاہ کو فتح ہوئی اور شمس الدین جان بچا کر بھاگ گیا اور قلعہ اکدولہ میں پناہ لی۔ سلطانی لشکر نے قلعہ اکدولہ کا سختی سے محاصرہ شروع کیا تو ہزاروں عورتیں اور بچے آہ وفغاں اور فریاد کرتے ہوئے موت کے خوف سے کوٹھوں پر آگئے۔ بادشاہ کو ان پر رحم آگیا اور حکم دیا کہ اس طرح قلعہ فتح کیا جائے کہ کسی بے گناہ کو گزند نہ پہنچے۔ اسی موقعہ پر جب بادشاہ کے سامنے بنگالی سپاہیوں کے سروں کا انبار پیش کیا گیا تو بادشاہ ان کو دیکھ کر رو دیا۔ اور رو کر کہا کہ یہ سب بے چارے بے قصور تھے۔ محض پیٹ اور اہل وعیال کی پرورش کے جرم میں مارے گئے۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندوہ میں آیا، اور اس کا نام بدل کر اپنے نام پر فیروز رکھا اور وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہو گیا، دہلی میں جب وہ داخل ہوا تو 47 ہاتھی جو اس جنگ میں ہاتھ آئے تھے آگے آگے تھے بادشاہ کا دہلی میں نہایت ہی پرجوش طریقہ پر استقبال کیا گیا۔

بادشاہ کو نئے شہر بنانے کا شوق :

بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ نے دہلی سے کچھ فاصلہ پر حصار فیروزہ کے نام سے ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی اور امراء کو حکم دیا کہ وہ بھی اس جدید شہر میں اپنے مکانات تعمیر کرائیں۔ بادشاہ نے خود اپنے لئے بھی یہاں ایک محل بنوایا، پانی کے لئے نہر نکالی گئی اور اسی حصار فیروزہ کو ہانسی کے بجائے تحصیل مالگزاری کا صدر مقام قرار دیا۔ اسی طرح بادشاہ نے فتح آباد کے نام سے بھی ایک شہر تعمیر کیا، پھر بادشاہ نے جمنا کے کنارے دہلی سے پانچ میل کے فاصلہ پر فیروز آباد کے نام سے ایک نیا شہر تعمیر کیا، ان شہروں کے علاوہ شہر جونپور بھی اسی بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ ابتداء میں اس شہر کا نام سلطان محمد تغلق جونا خاں کے نام پر ''جونا پور'' رکھا گیا تھا جو کثرت استعمال سے جونپور بن گیا۔

فیروز شاہ کا بنگال پر دوسرا حملہ :

بنگال کی پہلی مہم کے بعد جب فیروز شاہ دہلی واپس چلا گیا تو شمس الدین نے اکدولہ کے قلعہ سے نکل کر لشکر فراہم کیا اور سنار گاؤں پر حملہ کر کے وہاں کے بادشاہ فخر الدین کو قتل کر دیا، اور سارا ملک دبا بیٹھا۔ فخر الدین زمانہ دراز سے اس علاقہ میں حکومت کر رہا تھا اس حادثہ کے بعد فخر الدین کا داماد خضر خاں بادشاہ کی مدد حاصل کرنے کے لئے حصار فیروزہ پہنچا، اور بادشاہ کو اپنے خسر اور اپنے خاندان کی تباہی کی ساری داستان سنائی۔ بادشاہ نے خضر خاں کو زر و جواہر دے کر مالا مال کر دیا، اور حکم دیا کہ بنگال کے لئے فوراً لشکر تیار کیا جائے۔ چنانچہ 760ھ مطابق 1359ء میں بادشاہ خود لشکر لے کر بنگال جا پہنچا لیکن بنگال جا کر معلوم ہوا کہ شمس الدین مر چکا ہے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان سکندر شاہ حکومت کر رہا ہے۔ سکندر شاہ کو جب پتہ چلا کہ بادشاہ ایک بڑا لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے تو وہ مقابلہ کئے بغیر اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جزیرہ اکدولہ میں جا چھپا اور اپنے آپ کو قلعہ میں محصور کر لیا۔ سلطان لشکر نے اس قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ابھی محاصرہ کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ اتفاقاً قلعہ کا ایک برج جو کمزور تھا، آدمیوں کے بوجھ سے گر گیا اور قلعہ میں ایک بہت بڑا خلا ہو گیا، سپہ سالار حسام الملک نے اس کو تائید غیبی سمجھتے ہوئے بادشاہ کو عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو قلعہ کے شکستہ حصے کے راستے قلعے کو فتح کر لیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جب قلعہ میں لشکر جائے گا تو ہزاروں پردہ نشین عورتوں کی بے پردگی اور آبروریزی ہوگی اور نا اہلوں کے ہاتھوں ان کی عزت برباد ہو جائے گی۔ ابھی توقف کرو دیکھو خدا کیا کرتا ہے، فوجی افسر خاموش ہو گئے اور بنگالیوں نے اس برج کو فوراً تعمیر کر لیا۔ لیکن قلعہ میں کیونکہ خورد ونوش کا سامان نہیں رہا تھا۔ اس لئے سلطان سکندر شاہ نے بادشاہ سے صلح کی درخواست کی جو بادشاہ نے اس شرط کے ساتھ منظور کر لی کہ سنار گاؤں کے تخت پر ظفر خاں کو بٹھا دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نذرانہ کے چالیس ہاتھی لے کر دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ سفر سے قبل بادشاہ نے جب سنار گاؤں کی حکومت ظفر خاں کو پیش کی تو ظفر خاں نے اس حکومت کے مقابلہ میں بادشاہ کی مصاحبت کو ترجیح دی۔ غرض یہ کہ بادشاہ اپنی رحم دلی کی بدولت اپنی اس دوسری مہم سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکا حالانکہ اگر وہ چاہتا تو بنگال کے سارے علاقہ کو فتح کر کے اسے دہلی کی حکومت میں شامل کر سکتا تھا۔

فیروز شاہ کی گمشدگی :

بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ نے برسات کا موسم ارجن پور میں گزارا، اس کے بعد جاج نگر (اڑیسہ) میں آیا۔ جاج نگر کا راجہ بادشاہ کی آمد کی اطلاع سن کر کشتی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ بادشاہ شاہی محل میں گیا محل بہت شاندار تھا۔ اسی محل میں ایک بت خانہ بھی تھا۔ جس میں کہ جگن ناتھ کی مورتی رکھی ہوئی تھی بادشاہ نے اس مورتی کو دہلی بھیج دیا۔ اس کے بعد سلطانی لشکر نے جب راجہ کا تعاقب کیا تو 761ھ مطابق 1360ء میں راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور بیس ہاتھی بادشاہ کو نذر کئے۔ جب بادشاہ جاج نگر سے دہلی واپس ہونے لگا تو راستہ بھول گیا اور بادشاہ کا لشکر نامعلوم جنگلوں اور پہاڑوں میں پھنس کر رہ گیا۔ جس کی وجہ سے نہ تو کوئی اطلاع دہلی بھیجی جا سکتی تھی اور نہ دہلی سے بادشاہ کے پاس کوئی اطلاع آ سکتی تھی۔ بادشاہ کو دہلی سے نکلے ہوئے ڈھائی سال ہو چکے تھے اور چند ماہ سے تو خان جہان وزیر اعظم اور امرائے سلطنت کو بادشاہ اور اس کے لشکر کی کوئی اطلاع بھی نہیں ملی تھی۔ بادشاہ کی اس گمشدگی سے دہلی کے امرائے سلطنت میں بڑی تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے سلطانی لشکر جنگلوں اور پہاڑوں سے نکلا اور دہلی کے لئے روانہ ہوا۔ فوراً ڈاک کے ہرکارے دہلی دوڑائے گئے۔ دہلی میں جب بادشاہ کی خیریت کی اطلاع پہنچی تو خوشیاں منائی گئیں اور بادشاہ کی آمد پر کئی روز تک دہلی میں اچھا خاصہ جشن رہا۔

فیروز شاہ کا نگرکوٹ پر حملہ :

راجہ نگرکوٹ جس کو محمد تغلق اپنے زمانہ میں باجگزار بنا چکا تھا۔ مدت سے اس نے اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ فیروز شاہ نے بنگال کی مہم سے واپس آنے کے بعد اس سرکش راجہ پر حملہ کر دیا۔ راجہ نگر کوٹ سے بھاگ کر ایک پہاڑی قلعہ میں چلا گیا۔ شاہی لشکر نے اس کی تمام ریاست کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ بادشاہ نے نگر کوٹ میں جوالہ مکھی کے اس تاریخی مندر کو بھی دیکھا جس کی بڑی شہرت تھی اس کے بعد بادشاہ نے اس قلعہ پر حملہ کر دیا جس میں کہ راجہ محصور تھا۔ راجہ نے 763ھ مطابق 1362ء میں اطاعت قبول کر لی۔ فیروز شاہ نے اس کو چتر و خلعت دے کر نگر کوٹ کی حکومت پر بدستور بحال رکھا۔ لیکن نگر کوٹ کا نام تبدیل کر کے محمد تغلق کے نام پر محمد آباد رکھ دیا۔

فیروز شاہ کا سندھ پر حملہ :

فیروز شاہ تغلق ان مصائب اور تکالیف کو نہیں بھولا تھا جو اس کو اور سلطان محمد تغلق کو سندھیوں کے ہاتھوں ٹھٹھہ میں اٹھانی پڑی تھیں۔ چنانچہ اس نے نوے ہزار سوار اور ساڑھے چار سو ہاتھیوں کے لشکر سے ٹھٹھہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ٹھٹھہ میں جام اور بابنیا جو چچا اور بھتیجے تھے، حکومت کر رہے تھے جام اور بابنیا کو ابتدا میں تو شکست ہوئی لیکن سلطانی لشکر میں ایسی بیماری پھیلی کہ ہزاروں سپاہی مر گئے تین چوتھائی گھوڑے ہلاک ہو گئے، آخر بادشاہ کو مجبوراً اس مہم کو نامکمل چھوڑ کر گجرات کی طرف جانا پڑا، تا کہ گجرات سے نئی فوج لے کر اور تازہ دم ہونے کے بعد ٹھٹھہ پر حملہ کیا جائے لیکن بادشاہ کو راستہ میں ایک نئی مصیبت پیش آئی کہ راجپوت رہبروں نے دھوکہ دے کر "کچھ کارن" کے اس بنجر علاقہ میں بادشاہ اور اس کے لشکر کو پہنچا دیا جہاں نہ پانی تھا اور نہ دانہ چنانچہ شاہی لشکر کا بیشتر حصہ اس بنجر علاقہ میں آ کر مر گیا۔ بادشاہ بمشکل تمام اپنے بچے ہوئے مٹھی بھر آدمیوں کو لے کر گجرات پہنچا اور وہاں سے نئی فوج تیار کر کے ٹھٹھہ پر حملے کے لئے روانہ ہوا۔ گجرات کی اس فوج کے علاوہ سلطانی لشکر کی امداد کے لئے دہلی سے بھی ایک بڑی فوج اور بے اندازہ سامان جنگ آ گیا تھا۔ جام اور بابینا نے جب مسلمانوں کا یہ بے پناہ لشکر دیکھا تو انہوں نے لڑے بغیر اپنے آپ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور 771ھ مطابق 1372ء میں اطاعت قبول کر لی۔ بادشاہ نے جام اور بابینا دونوں کو حکم دیا کہ وہ مع اہل و عیال اس کے ساتھ دہلی چلیں اور ٹھٹھہ کی حکومت پر جام کے بیٹے اور بابینا کے بھائی تماچی کو حاکم مقرر کر دیا۔ تماچی نے چار لاکھ روپیہ بطور نذر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور ہر سال معقول خراج دینے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ جام اور بابینا کو ساتھ لئے ہوئے دہلی آیا تو دہلی میں بادشاہ کی آمد پر حسب معمول خوشیاں منائی گئیں۔ دہلی آنے کے بعد بادشاہ نے جام اور بابینا کے رہنے کے لئے ایک محل دے دیا اور شاہی خزانے سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور ان دونوں کو شاہی دربار میں کرسی دی گئی۔ چند روز کے بعد جب ٹھٹھہ کے حاکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تماچی نے سرکشی کی تو جام خود اس سرکش کی تادیب کے لئے ٹھٹھہ گیا اور تماچی کو دہلی بھیج دیا۔

گجرات اور اٹاوہ میں بغاوت :

778ھ مطابق 1377ء میں خواجہ شمس الدین حاکم گجرات فیروز شاہ سے باغی ہو گیا۔ عمال گجرات جو اس سے جلے بیٹھے تھے انہوں نے امیران صدہ کے ساتھ مل کر اسے قتل کر دیا اور اس کا سر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ فیروز شاہ کے عہد حکومت میں سوائے اس حاکم گجرات کے کسی نے بادشاہ سے بغاوت نہیں کی۔ بادشاہ نے شمس الدین کی جگہ فرحت الملک کو گجرات کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد 779ھ مطابق 1378ء میں جب اٹاوہ کے چند زمینداروں نے شورش برپا کی تو اس نے خود جا کر اس بغاوت کو دبا دیا اور مفسدوں کو سزا دی۔ 782ھ مطابق 1381ء میں کٹھیر میں کھمر کو نامی ایک مقدم نے حاکم بدایوں سید محمد کو بھائیوں سمیت مہمان بلا کر قتل کر دیا۔ جب فیروز شاہ کو اس بزدلانہ قتل کی اطلاع ملی تو وہ خود اس مفسد کی سرکوبی کے لئے کٹھیر گیا اور شرارت پسندوں کو تہ تیغ کیا۔ اس مہم کے بعد بادشاہ دہلی واپس چلا گیا۔

فیروز شاہ کو آخری عمر میں صدمے پر صدمے :

فیروز شاہ تغلق کی حکومت کا بیشتر زمانہ تو بڑے امن اور سکون کے ساتھ گزر گیا، لیکن حکومت کے آخری دور میں اس بادشاہ کو طرح طرح کی پریشانیوں اور صدموں کا سامنا کرنا پڑا۔ فیروز شاہ کو سب سے پہلا صدمہ یہ پہنچا کہ اس کا وزیر اعظم خان جہاں مقبول 772ھ مطابق 1371ء میں مر گیا۔ خان جہاں مقبول تلنگانہ کا ایک ہندو مدبر تھا۔ جس نے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام مقبول رکھ لیا تھا۔ سلطان محمد تغلق ہی کے زمانہ میں مقبول کو حکومت میں نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن فیروز شاہ کے دور حکومت میں مقبول کو خان جہاں کا خطاب دے کے وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ خان جہاں مقبول فیروز شاہ کا دست راست تھا۔ جس نے کہ فیروز شاہ کی حکومت کا کامیاب بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ اس لائق وزیر کی موت سے فیروز شاہ کو انتہائی صدمہ پہنچا۔

فیروز شاہ ابھی خان جہاں کے صدمہ کو فراموش نہ کر سکا تھا کہ فیروز شاہ کا بڑا بیٹا اور ولی عہد سلطنت فتح خاں 776ھ مطابق 1375ء میں مر گیا۔ یہ لڑکا بڑا ہونہار اور لائق تھا۔ اس کے بعد فیروز شاہ کا دوسرا بیٹا محمد خاں بیمار ہوا اور اس کی بھی موت واقع ہو گئی۔ محمد خاں بھی فتح خاں کی طرح بڑا لائق تھا۔ غرض کہ ان پے در پے صدموں نے بادشاہ کی کمر توڑ دی ان حادثات کے بعد بادشاہ دن بدن کمزور ہوتا چلا گیا اور اس کی صحت نے قطعی جواب دے دیا۔ بادشاہ کی کمزوری اور حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے بے توجہی کی بناء پر فیروز تغلق کے بیٹے شہزاد محمد شاہ اور نئے وزیر اعظم میں جنگ چھڑ گئی۔ وزیر اعظم یہ چاہتا تھا کہ ساری حکومت اس کے ہاتھ میں رہے اور شہزادہ محمد شاہ کی خواہش یہ تھی کہ خود سر وزیر اعظم کا اقتدار ختم کیا جائے۔ آخر شہزادہ کو کامیابی ہوئی اور وزیر اعظم مارا گیا۔ بادشاہ نے اپنے اندر حکومت کی طاقت نہ دیکھتے ہوئے جیتے جی اپنے بیٹے محمد شاہ کو ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور خود حکومت سے دستبردار ہونے کے بعد یاد الٰہی میں مصروف ہو گیا۔

ناصر الدین محمد شاہ کی چند روزہ حکومت:

فیروز شاہ نے جیتے جی بیٹے کو اس لئے تخت پر بٹھایا تھا تاکہ آخری عمر میں حکومت کی الجھنوں سے اسے نجات مل جائے لیکن ناصر الدین محمد شاہ 789ھ مطابق 1387ء میں تخت پر بیٹھتے ہی عیش وعشرت میں مبتلا ہو گیا۔ اس میں حکومت کا کام چلانے کی ذرہ برابر بھی صلاحیت نہ تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ باپ کے زمانہ کے آزمودہ کار امراء کو علیحدہ کرنے کے بعد اس نے اپنے نالائق دوستوں کی بھرتی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تمام امراء بگڑ گئے دوسری طرف ملک بہاء الدین اور کمال الدین جو محمد شاہ کے چچا زاد بھائی تھے کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان دونوں نے شاہی غلاموں کو جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اب ان کی محمد شاہ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ بیچارہ بوڑھا بادشاہ جس نے کہ حکومت کی الجھنوں سے نجات پانے کے لئے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا۔ اس کی پریشانیاں اس نالائق بیٹے کی وجہ سے اور بھی بڑھ گئیں۔

آپس کا یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ محمد شاہ اور ملک بہاء الدین وغیرہ میں ایسی خوفناک جنگ ہوئی کہ ہزاروں مارے گئے۔ اس جنگ میں جب ملک بہاء الدین اور کمال الدین کو شکست ہوئی تو یہ دونوں بوڑھے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کو پالکی میں بٹھا کر اپنی حمایت کے لئے لے آئے بادشاہ کا آنا تھا کہ محمد شاہ کے لشکر نے محمد شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور سارا لشکر بوڑھے بادشاہ کے پاس چلا آیا، محمد شاہ نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہ سرمور بھاگ گیا۔ محمد شاہ کے بھاگنے کے بعد بادشاہ نے غلاموں کے کہنے پر اپنے بڑے بیٹے اور ولی عہد فتح خاں مرحوم کے لڑکے تغلق شاہ کو فیروز آباد میں تخت پر بٹھا دیا اور اپنے داماد سید حسن کے قتل کا حکم دے دیا۔ غرض کہ یہ بوڑھا بادشاہ جس کا دماغ جواب دے چکا تھا دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ لوگ اسے جس طرح چاہتے تھے نچاتے تھے۔ بادشاہ کی حالت قابل رحم تھی۔ چنانچہ اس ہنگامے کے تھوڑے ہی دن بعد 3 رمضان المبارک 790ھ مطابق 23 اکتوبر 1388ء کو فیروز شاہ نے چالیس سال حکومت کرنے کے بعد اس دنیا کو خیر باد کہہ دیا۔

www.KitaboSunnat.com

فیروز شاہ کی حکومت پر ایک نظر:

فیروز شاہ تغلق ایک نہایت ہی نیک دل بادشاہ تھا جس کو بنی نوع انسان کے خون بہانے سے انتہائی نفرت تھی۔ چنانچہ اس نے جتنی بھی لڑائیاں لڑیں ان میں محض اپنی نرم دلی کی وجہ سے اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ جب بھی پوری طاقت کے ساتھ وہ کسی علاقہ پر حملہ کرتا۔ اور لوگوں کے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتیں تو اس کا دل خوف خدا سے لرزنے لگتا۔ وہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا ہمدرد تھا، اس نے تخت پر بیٹھتے ہی رعایا کے ساتھ جس فیاضی اور نرمی کا سلوک کیا وہ بے حد قابل تعریف ہے۔ اس بادشاہ نے افسروں اور عہدہ داروں کو تنخواہیں دینے کی بجائے زمین دیہات اور جاگیریں دینے کا قاعدہ رائج کیا۔ جب کوئی ملازم مرجاتا تو مرنے والے کی جگہ اس کے بیٹے کو یا اس کے داماد کو یا غلام کو یا کسی قریبی رشتہ دار کو دی جاتی اس نے ایسے تمام سابقہ قوانین منسوخ کردئے جن کے ہوتے ہوئے رعایا کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔ یا جن کی وجہ سے رعایا پر غیر معمولی پابندیاں عائد کردی گئیں تھیں، اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اس کی حکومت میں جتنے بھی قوانین نافذ کئے جائیں وہ عین شرع اسلام کے مطابق ہوں۔

فیروز شاہ کی حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے دور حکومت میں زندگی کی اشیا کبھی گراں نہیں ہوئیں۔ رفاہ عام کے کاموں میں یہ سب سے زیادہ حصہ لیتا تھا۔ بیکار آدمیوں کو کارآمد بنانے کے لئے اس نے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا جس کی وجہ سے ملک میں بیکاری بڑی حد تک دور ہوگئی تھی۔ فیروز شاہ نے تیس کے قریب کارخانے قائم کئے تھے۔ جن میں سے بعض میں نہایت مفید اشیاء اور کپڑا تیار ہوتا تھا، غریب لڑکیوں کی شادی کے لئے روپیہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شفاخانے اور خیرات خانے بھی اس نے قائم کرر کھے تھے۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے کہ خطبوں اور سکوں پر اپنے نام کے ساتھ سابقہ بادشاہوں کے نام کو بھی برقرار رکھا۔

فیروز شاہ کو جدید شہر آباد کرنے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جونپور، فیروز آباد اور فتح آباد وغیرہ کئی شہر اس نے آباد کئے۔ جدید ایجادات سے بھی اس بادشاہ کو بڑی دلچسپی تھی، اس کے زمانہ کی عجیب و غریب ایجاد طاس گھڑیال تھا۔ جو نمازوں کے اوقات، روزہ کھولنے کا وقت، شب و روز کے گھٹنے اور بڑھنے کا حال بتاتا تھا۔ فیروز شاہ کو غلام جمع کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک لاکھ سے زیادہ غلام اس کے پاس تھے، اس بادشاہ کو بچپن ہی سے شکار کا شوق تھا۔ جو بڑھاپے تک رہا، فیروز شاہ نے ایک عجائب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں ایک بونا تھا جس کا سر تین آدمیوں کے سر کے برابر تھا۔ دو داڑھی والی عورتیں تھیں ایک دراز قد آدمی تھا جس کا قد دو آدمیوں کے برابر تھا۔ ایک لال چونچ کا سیاہ کوا تھا۔ ایک پانچ پاؤں کی گائے اور تین ٹانگ کی بکری تھی اور ایک ایسی گائے تھی جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔

اس بادشاہ کی درویشوں اور فقرا سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی مہم کے لئے جاتا تو بزرگان دین کے مزارات پر ضرور حاضری دیتا۔اس کے علاوہ فیروز شاہ قرآن مجید سے فال نکالے بغیر کوئی نیا کام نہیں شروع کرتا تھا۔خواب کی تعبیروں کے فن سے بھی اسے بے حد دلچسپی تھی۔تصنیف وتالیف سے بھی اسے فطری لگاؤ تھا۔اس نے بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں کرایا۔غرض کہ اس بادشاہ میں مجموعی طور پر اتنی خصوصیات تھیں کہ بہت کم بادشاہوں میں دیکھی گئی ہیں۔

شاہان تغلق کا زوال:

یوں تو سلطان فیروز شاہ تغلق کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد اس کی زندگی ہی میں تغلق حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا لیکن پھر بھی فیروز شاہ جب تک زندہ رہا۔حکومت کی ساکھ قائم رہی لیکن فیروز شاہ کے مرنے کے ساتھ ہی تغلق حکومت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔اس کے جانشین اتنی بڑی حکومت کو سنبھالنے کے لئے بالکل نا اہل ثابت ہوئے اور یہ مضبوط حکومت دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔

سلطان تغلق شاہ کی تخت نشینی:

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ فیروز تغلق نے اپنی زندگی ہی میں اپنے پوتے تغلق شاہ کو 790ھ مطابق 1388ء میں تخت پر بٹھا دیا تھا اور تغلق شاہ کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا تھا۔بوڑھے فیروز شاہ کے مرتے ہی نوجوان بادشاہ نے ملک تاج الدین کو وزیر اعظم کا عہدہ عطا کرنے کے بعد اسے خواجہ جہاں کا خطاب دیا،اور اس کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر حکم دیا کہ سرمور پر حملہ کر کے محمد شاہ کا کام تمام کر دے۔لیکن یہ لشکر جب سرمور پر حملہ آور ہوا تو شہزادہ محمد شاہ سرمور سے فرار ہو کر نگر کوٹ پہنچ گیا۔اور سلطانی فوج ناکام ونامراد واپس آ گئی۔

نوجوان بادشاہ تغلق شاہ کے تخت پر بیٹھنے کے بعد صرف دو کام تھے۔یہ بادشاہ یا تو عیش عشرت میں مست رہتا تھا یا اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں کی گردنیں اڑا دیا کرتا تھا،حکومت کا سارا کام اہل کاروں کے ہاتھ میں تھا،بادشاہ کی عیش پرستی اور ظلم وستم نے غلامان فیروز شاہ کو جن کا کہ حکومت اور محل میں بے حد اثر تھا،اس بادشاہ کا دشمن بنا دیا۔چنانچہ انہوں نے در پردہ یہ طے کیا کہ تغلق شاہ اور اس کے تمام حاشیہ نشینوں کو قتل کر دیا جائے۔سب سے پہلے مبارک کبیری امیر الامراء کو قتل کیا گیا۔جب بادشاہ کو اس سازش کا علم ہوا تو وہ خواجہ وزیر کو ساتھ لے کر جمنا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف نکل کر بھاگا۔لیکن غلامانِ فیروز شاہی اور نائب وزیر رکن الدین نے ان کو جا پکڑا اور قتل کر ڈالا۔اور اس طرح تغلق شاہی کی بادشاہی پانچ مہینے اور اٹھارہ روز کے بعد 21 صفر 791ھ مطابق 19 فروری 1389ء کو ختم ہوگئی۔

سلطان ابو بکر شاہی کی تاجپوشی:

غلامان فیروز شاہی نے تغلق شاہ کو ٹھکانے لگانے کے بعد 791ھ مطابق 1389ء میں فیروز شاہ کے ایک دوسرے پوتے ابو بکر شاہ کے سر پر تاج شاہی رکھا۔ابو بکر شاہ ظفر خاں کا بیٹا تھا۔پھر نائب وزیر رکن الدین کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کیا گیا۔رکن الدین نے وزارت ملنے کے ساتھ ہی شاہ گروں یعنی غلامان فیروز شاہی کے ساتھ ابو بکر شاہ کو قتل کرنے،اور خود بادشاہ بننے کی سازشیں شروع کردیں،ان سازشوں کا علم جب امرائے سلطنت کو ہوا تو انہوں نے رکن الدین اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرادیا۔

ناصر الدین محمد شاہ کا سامانہ پر قبضہ:

فیروز شاہ تغلق کا بیٹا اور ابو بکر شاہ کا چچا ناصر الدین محمد شاہ جو تخت و تاج چھوڑ کر سرمور بھاگ گیا تھا۔جب تغلق شاہ نے اسے سرمور میں قتل کرانا چاہا تھا تو وہ نگر کوٹ چلا گیا تھا محمد شاہ مدت سے اس فکر میں تھا کہ کسی طرح دہلی کے تخت پر قبضہ جمائے کہ اچانک اس کو نگر کوٹ میں اطلاع ملی کہ سامانہ کے امیران صدہ نے حاکم سامانہ سلطان شاہ کو قتل کردیا ہے تو وہ سیدھا سامانہ آیا اور سامانہ پر قبضہ جمالیا،سامانہ کے امراء اور امیران صدہ جو اس کے پرانے ہمدرد تھے ان کو ساتھ ملانے کے بعد محمد شاہ نے دہلی پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔دہلی میں جب یہ خبر پہنچی کہ محمد شاہ دہلی پر حملہ کرنے والا ہے تو دہلی کے بعض امراء بھی ابو بکر کو چھوڑ کر محمد شاہ کے ساتھ مل گئے غرض کہ جب محمد شاہ سامانہ سے دہلی کی جانب چلا تو اس کے پاس بیس ہزار سوار اور بہت سے پیادے تھے۔لیکن دہلی کے قریب پہنچتے تک پچاس ہزار سوار ہوگئے۔

ابو بکر شاہ اور محمد شاہ کی خانہ جنگی:

ابو بکر شاہ جو پہلے ہی سے محمد شاہ کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ایک بڑا لشکر لے کر آیا،اور دونوں چچا بھتیجوں میں جنگ چھڑ گئی۔اس جنگ میں محمد شاہ کو شکست ہوئی لیکن محمد شاہ نے دوبارہ لشکر جمع کر کے ابو بکر شاہ کے لشکر پر حملہ کردیا،غرض کہ فیروز آباد،کنڈالی اور پانی پت میں ابو بکر اور محمد شاہ میں کئی لڑائیاں ہوئیں لیکن ان سب لڑائیوں میں محمد شاہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔مگر محمد شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اب بھی ہمت نہ ہاری چنانچہ ایک دن جب محمد شاہ کو پتہ چلا کہ ابوبکر شاہ دہلی سے دور جلیسر گیا ہوا ہے تو وہ چار ہزار سوار لے کر دہلی میں داخل ہوگیا۔ اور قلعہ میں گھس گیا، لیکن ابوبکر نے جب پیچھے سے آ کر حملہ کیا تو محمد شاہ کو بھاگنا پڑا۔

محمد شاہ کو جب اس طرح کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے محل میں سازش کا جال پھیلایا۔ محل کے سب آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب ابوبکر شاہ کو اس سازش کا علم ہوا، اور اس نے یہ محسوس کر لیا کہ امرائے سلطنت اور محل کے لوگ اس کے مخالف ہو گئے ہیں۔ تو وہ 17 رمضان 792ھ مطابق 1390ء کو محل سے فرار ہوگیا، اس کے فرار ہوتے ہی محمد شاہ 19 رمضان کو دہلی پہنچ گیا اور فیروز آباد میں آ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ملک مبشر کو وزارت کا عہدہ دیا اور اسلام خاں کے خطاب سے بھی سرفراز کیا، یعنی اس خانہ جنگی کی بدولت آٹھ مہینے کے بعد ابوبکر شاہ کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔

ناصر الدین محمد شاہ کی دوبارہ حکومت:

ناصر الدین محمد شاہ جو رمضان 792ھ مطابق فروری 1390ء میں دوبارہ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ ابتدائی دو تین مہینے خاموش رہا۔ لیکن اس کے بعد اس نے چن چن کر ان غلامان فیروز شاہی کو قتل کرنا شروع کیا۔ جو بادشاہ گر بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد محمد شاہ نے اسلام خاں کو ایک فوج دے کر ابوبکر شاہ اور اس کے ساتھیوں کو زیر کرنے کے لئے مہندواڑی بھیجا۔ ابوبکر شاہ اور اس کے ساتھی اس حملہ کی تاب نہ لا کر معافی کے درخواست گار ہوئے۔ ابوبکر کے ساتھی بہادر ناہر کو تو معافی دے دی گئی۔ مگر ابوبکر شاہ کو میرٹھ کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں وہ چند ماہ کے بعد مر گیا یا مار ڈالا گیا۔ دہلی کی سلطنت کیونکہ کمزور ہو چکی تھی اور فیروز شاہ تغلق کے بعد جو بادشاہ پے در پے تخت پر بیٹھتے رہے تھے، ان کا ملک پر کوئی اثر نہ تھا، اس لئے بعض علاقے تو خود مختار ہو گئے اور بعض علاقوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ چنانچہ 794ھ مطابق 1392ء میں ناہر سنگھ، ہرن سنگھ اور بیر بہان نے اٹاوہ میں بغاوت برپا کر دی، ان بغاوتوں کے دبانے میں اسلام خاں اور بادشاہ کو شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کو اس اطلاع سے اور بھی تشویش پیدا ہوگئی کہ وزیر اعظم اسلام خاں بھی بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر بادشاہ نے اسلام خاں کا کام تمام کر دیا۔ پھر اطلاع ملی کہ بہاتو گاؤں کے ہندو زمیندار بغاوت پر آمادہ ہیں، ان زمینداروں کو حیلے سے قتل کیا گیا، اسی زمانہ میں اطلاع آئی کہ گجرات کے راجاؤں نے بھی بغاوت برپا کر دی ہے۔ ناصر الدین محمد شاہ نے فوراً ظفر خاں کو مظفر خاں کا خطاب دے کر گجرات روانہ کر دیا۔ جس نے گجرات کی بغاوت کو پہنچتے ہی دبا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ میوات کی بغاوت کو دبانے کے لئے خود گیا۔ اور وہاں سے جلیسر آ کر بیمار ہو گیا جلیسر میں اس کو اطلاع ملی کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہادر ناہر دہلی کے مفصلات کو لوٹ رہا ہے چنانچہ بادشاہ کو بیماری ہی کی حالت میں بہادر ناہر کی سرکوبی کے لئے جانا پڑا۔ بہادر ناہر بادشاہ کے آتے ہی بھاگ گیا۔ بادشاہ کی علالت بڑھ گئی اور اسی بیماری میں 17 ربیع الاول 796ھ مطابق 1394ء کو چار سال سات ماہ حکومت کرنے کے بعد ناصرالدین محمد شاہ کا انتقال ہو گیا۔ محمد شاہ کے عہد حکومت کی اس کے علاوہ کوئی خاص بات نہیں کہ اس بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کو اہم فوجی عہدے دیئے گئے۔ مگر حکومت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

سلطان سکندر شاہ کی تخت نشینی:

سلطان ناصرالدین محمد شاہ کی وفات کے تیسرے دن محمد شاہ کا منجھلا لڑکا ہمایوں خاں 19 ربیع الاول 796ھ مطابق 1394ء کو سکندر شاہ کے لقب کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔ خواجہ جہاں وزیر ہوا لیکن سکندر شاہ کی بدنصیبی کہ وہ تخت نشین ہوتے ہی بیمار پڑ گیا اور ڈیڑھ ماہ بیمار رہنے کے بعد 5 جمادی الاول 796ھ مطابق 1394ء کو وفات پا گیا۔ حوض خاص کے پاس اسے سپرد خاک کر دیا گیا۔

سلطان ناصرالدین محمود شاہ کی تخت نشینی:

سکندر شاہ کی موت کے پندرہ دن بعد تک یہ طے نہ ہو سکا کہ دہلی کے تخت پر کس کو بٹھایا جائے۔ آخر پندرہ دن کے بعد محمد شاہ کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ چنانچہ 20 جمادی الاول 796ھ مطابق 1394ء کو محمود شاہ کو ناصرالدین محمود شاہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین کیا گیا۔ خواجہ جہاں عہدہ وزارت پر بدستور برقرار رہا۔ امرائے سلطنت کو خطابات اور عہدوں سے نوازا گیا لیکن ناصرالدین محمود شاہ کو جو سلطنت ملی تھی اس کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور بادشاہ کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ اس گرتی ہوئی حکومت کو سنبھال سکے۔ حالت یہ تھی کہ سلطنت کے مشرقی علاقوں میں ہندوؤں نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ جونپور اور اس کے نواح میں زمینداروں نے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ غرض یہ کہ دور دراز کے تقریباً تمام صوبے خود مختار ہو چکے تھے۔ بس دہلی کی حکومت برائے نام تھی۔

ملک میں بدنظمی اور طوائف الملوکی:

ملک کی اس بدنظمی اور طوائف الملوکی کو دیکھتے ہوئے محمود شاہ نے خواجہ جہاں وزیراعظم کو "ملک الشرق" کا خطاب دے کر قنوج سے بہار تک کا انتظام سپرد کیا اور ایک بڑا لشکر اس سارے علاقہ کے مفسدوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ملک الشرق نے 796ھ 1394ء میں اٹاوہ، کویل،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواح قنوج، جونپور، کٹرہ، اودھ، سندیلہ، بہرائچ، بہار اور ترہت کے باغیوں کو کچلنے کے بعد نئے سرے سے انتظام قائم کیا، اس کے علاوہ رائے جاج نگر اور لکھنوتی (ڈھاکہ) کو حسب سابق خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

اسی سال بادشاہ نے سارنگ خاں کو دیپالپور اور چند دوسرے علاقوں کی بغاوت کے فرو کرنے کا کام سپرد کیا۔ سارنگ خاں نے دیپال پور میں شیخ گکھڑ کی سرکوبی کی۔ شیخ لاہور آ گیا اور لاہور کے قریب ساموتھلا کے مقام پر سارنگ خان سے لڑا مگر اسے شکست ہوئی۔ سارنگ خاں نے لاہور پر قبضہ جمانے کے بعد اسے اپنے بھائی عادل خاں کے سپرد کیا اور خود دیپالپور چلا گیا۔

بادشاہ کو اسی سال گوالیار اور بیانہ کی بغاوت دبانے کے لئے جانا پڑا۔ وہ دارالسلطنت میں مقرب خاں کو اپنا جانشین بنا کر اور سعادت خاں باریک کو اپنے ساتھ لے کر گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ اس موقع پر سارنگ خاں کے بھائی ملوخاں، مبارک خاں اور علاء الدین نے سعادت کو راستہ ہی میں قتل کر دینے کی سازش کی جس کا پتہ چلنے پر مبارک خاں اور علاء الدین کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ مگر ملوخاں فرار ہو کر دارالسلطنت میں مقرب خاں کے پاس چلا گیا۔ جب بادشاہ اس مہم سے فارغ ہو کر تین مہینے کے بعد دہلی آیا تو مقرب خاں بادشاہ کے استقبال کے لئے گیا لیکن جب اسے یہ پتہ چلا کہ سعادت خاں کے مخالف اقبال خاں عرف ملوخاں کو پناہ دینے کی وجہ سے بادشاہ اس سے بدظن ہو گیا ہے تو اس نے دہلی آ کر لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی کہ مقرب خاں آمادۂ پیکار ہے تو اس نے سعادت خاں کی ہمراہی میں دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا لیکن اسی دوران میں مقرب خاں کے ہوا خواہوں نے بادشاہ کو سعادت خاں سے بدظن کر کے مقرب خاں سے بادشاہ کی صلح کرا دی اور بادشاہ مقرب خاں کے پاس چلا آیا۔

دہلی میں ایک کے بجائے دو بادشاہ :

سعادت خاں بادشاہ کی اس تلون مزاجی سے آزردہ خاطر ہونے کے بعد آمادۂ جنگ ہو گیا۔ اس نے دہلی پر حملہ کر دیا لیکن اسے شکست ہوئی۔ شکست کے بعد وہ فیروز آباد آیا اور اپنے ہوا خواہوں کے مشورے سے فیروز شاہ کے پوتے اور فتح خاں کے بیٹے "نصرت شاہ" کو ربیع الاول 797ھ مطابق 1295ء میں فیروز آباد کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور اس طرح دہلی اور نواحِ دہلی میں ایک کی بجائے دو حکومتیں قائم ہو گئیں اور دو بادشاہ حکومت کرنے لگے۔ یعنی "محمود شاہ" تو دہلی میں حکمرانی کر رہا تھا اور "نصرت شاہ" دہلی سے پانچ میل کے فاصلے پر فیروز آباد میں بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ سعادت خاں جس نے کہ نصرت شاہ کو تخت پر بٹھایا تھا اس کو چند ہی روز بعد امراء کی مخالفت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے فیروز آباد سے بھاگنا پڑا۔ چنانچہ وہ مقرب خاں کے پاس دہلی چلا آیا، جہاں اس کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا گیا۔ سعادت خاں کے خاتمہ کے بعد فیروز آباد کی حکومت میں جو لوگ برسر اقتدار آئے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ محمد مظفر وزیر اعظم جس کو تاتار خاں کا خطاب حاصل تھا۔ ملک فضل بلخی، شہاب ناہر، اسی طرح دہلی کی حکومت میں جن لوگوں کو اقتدار حاصل تھا۔ وہ یہ ہیں۔ مقرب خاں وزیر اعظم، بہادر ناہر، اقبال خاں عرف ملو خاں۔ غرضیکہ ان دونوں نام نہاد حکومتوں میں روزانہ خانہ جنگیاں برپا رہتی تھیں اور ان خانہ جنگیوں کی بدولت سب سے زیادہ ان پر امن شہریوں کو نقصان پہنچ رہا تھا جو ان حکومتوں میں آباد تھے۔ چنانچہ ہندو مسلم شہریوں کے خون سے روزانہ کوچہ و بازار سرخ دکھائی دیتے تھے۔ ان نام نہاد حکومتوں کی وسعت اور حیثیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دہلی کی حکومت صرف شہر دہلی تک محدود تھی اور فیروز آباد کی حکومت میں دوآبہ، سنبھل، پانی پت، جھجرا اور رہتک کا علاقہ شامل تھا۔ ان مختصر سی حکومتوں میں ایک دو مہینے نہیں بلکہ تین سال تک خانہ جنگی جاری رہی جس میں رعایا کا خون پانی کی طرح بہتا رہا۔

خضر خاں حاکم ملتان پر سارنگ خاں کا حملہ :

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ دہلی کی حکومت میں ایک شخص اقبال ملو برسر اقتدار تھا اسی اقبال ملو کا بھائی سارنگ خاں کہنے کو تو دیپالپور اور لاہور میں سلطان محمود کی طرف سے حاکم تھا لیکن حقیقت میں وہ خود مختار بن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی حکومت کو وسعت دینے کے لئے خضر خاں حاکم ملتان پر حملہ کر کے اسے وہاں سے نکال دیا اور 798ھ مطابق 1396ء میں ملتان پر بھی قبضہ جمالیا۔ اس کے بعد وہ حاکم سامانہ غالب خاں کو شکست دے کر سامانہ پر بھی قابض ہو گیا۔ لیکن نصرت شاہ کے وزیر تاتار خاں نے سارنگ خاں پر جوابی حملہ کر کے اسے ملتان بھگا دیا اور سامانہ کی حکومت پھر غالب خاں کے سپرد کر دی۔

دہلی کی دونوں حکومتوں پر اقبال ملو کا قبضہ:

ایک طرف تو سارنگ خاں نے یہ طوفان برپا کر رکھا تھا دوسری جانب سارنگ خاں کا بھائی اقبال خاں عرف ملو سیاسی جوڑ توڑ میں لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اقبال خاں نے فیروز آباد کے نام نہاد بادشاہ نصرت شاہ کو دہلی کی حکومت دلانے کا لالچ دے کر دہلی بلا لیا اور نصرت شاہ پر حملہ کر دیا۔ نصرت شاہ جان بچا کر بھاگا اور اپنے وزیر تاتار خاں کے پاس پانی پت چلا گیا۔ اقبال خاں نے فوراً جا کر فیروز آباد کی حکومت پر قبضہ جمالیا۔ اس کے بعد اقبال خاں ملو نے دہلی آ کر دھوکہ سے مقرب خاں وزیر اعظم کو بھی ختم کر دیا اور اس طرح وہ دونوں حکومتوں کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمود شاہ بیچارہ تو محض نام کا بادشاہ رہ گیا۔ گویا ملو نے بیک وقت دہلی کی دونوں نام نہاد حکومتوں پر قبضہ جمالیا۔ نصرت شاہ کے وزیر تاتار خاں نے اقبال خاں ملو سے انتقام لینے کے لئے دہلی پر حملہ کردیا۔ مگر اقبال خاں ملو نے پانی پت بھی فتح کرلیا اور تاتار خاں کو دہلی میں شکست دے دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتار خاں بے دست و پا ہونے کے بعد گجرات میں اپنے باپ ظفر خاں کے پاس چلا گیا اور اقبال ملو بدستور فیروز آباد اور دہلی کی حکومتوں پر قابض رہا۔

امیر تیمور کا ہندوستان کے خلاف جہاد :

عین اس وقت جب کہ تغلق حکومت دہلی میں دم توڑ رہی تھی۔ 800ھ مطابق 1398ء میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کر کے اور ہندوستان کو لوٹ کر اس بدنصیب ملک کی پشت میں ایک ایسا خنجر مارا کہ یہ ملک نصف صدی تک نہ سنبھل سکا۔

امیر تیمور کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ ماں کی طرف سے اس چنگیز خاں کی نسل سے تھا جس نے نہ صرف سارے مشرق کو تباہ کر ڈالا تھا بلکہ جس کے ہم قوم مغل قطب الدین ایبک کے دور حکومت سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت تک بار بار ہندوستان پر حملے کر کے ہندوستان کو لوٹتے رہے ہیں۔ امیر تیمور کے باپ کا نام امیر ترغی تھا۔ جو تاتاری ترکوں کا سردار تھا۔ تیمور 736ھ مطابق 1336ء میں سمرقند کے قریب کیش میں پیدا ہوا۔ اور 33 سال کی عمر میں چغتائی ترکوں کا سردار بن گیا، اس نے اپنی بینظیر جنگی قابلیت کی بنا پر چند سال کے اندر نہ صرف سمرقند میں ایک مضبوط حکومت قائم کرلی تھی بلکہ اپنے 36 سالہ دور حکومت میں ماوراء النہر، خوارزم، ترکستان، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، افغانستان، ماژندران، کرمان، دیار بکر، خوزستان، مصر، شام، روم اور روس کے بیشتر علاقوں کو فتح کرلیا تھا۔

امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ سے قبل اپنے بیٹوں اور سرداروں کو جمع کر کے یہ بتایا کہ ''قرآن مجید میں فال دیکھنے کے بعد مجھ کو ہدایت ہوئی ہے کہ میں کفار کو قتل کروں لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ہندوستان کے خلاف جہاد کروں، بت خانوں کو توڑوں اور اس ملک کے لوگوں کو کفر اور شرک سے نجات دلاؤں تا کہ میں خدا کے سامنے ایک غازی اور مجاہد کی حیثیت سے روز قیامت پیش ہوسکوں۔'' تیمور نے اس موقعہ پر فوجی سرداروں کے سامنے جہاد کے مسئلہ پر ایک نہایت ہی موثر تقریر کی جس کا واحد منشا یہ تھا کہ وہ اپنے فوجی سرداروں میں مذہبی جوش پیدا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن تیمور کا یہ ''اسلامی جہاد'' کس نوعیت کا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ہاتھوں ہندوؤں سے کہیں زیادہ مسلمان قتل ہوئے۔ مسجدیں ویران ہوئیں مسلمانوں کے شہر اجڑے اور ہندوستان کی اسلامی حکومت کا قصر زمین بوس ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان پر امیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیمور کا یہ حملہ کسی مذہبی غرض کے لئے نہیں تھا بلکہ صرف مال و دولت کی خاطر تھا۔ چنانچہ اسی جلسہ میں جس میں کہ تیمور "جہاں فی سبیل اللہ" کا وعظ سنا رہا تھا چغتائی شہزادوں نے جو کچھ کہا تھا وہ اس چیز کا کھلا ثبوت ہے کہ تیمور اور اس کے ساتھیوں کے ہندوستان پر حملہ کا واحد مقصد حصولِ زر تھا۔

مرزا شاہ رخ کے الفاظ یہ ہیں "ہم ایران اور توران کے شہنشاہ ہیں اگر ہم ہندوستان کے فرمانروا نہ ہوں تو یہ باعث شرم ہے۔ ہندوستان فتح کر کے ہم ساتوں اقلیم کے بادشاہ ہو جائیں گے۔" ایک دوسرے شہزادے محمد سلطان نے فرمایا کہ "ہندوستان سونے اور جواہرات سے بھرا پڑا ہے اس ملک میں سترہ کانیں سونے، چاندی، ہیرے، لعل، زمرد، فولاد، تانبے اور پارے کی ہیں۔" یعنی بقول ان شہزادوں کے ہندوستان کی فتح کا مقصد کوئی دینی یا مذہبی خدمت نہ تھی بلکہ اصل منشا یہ تھا کہ ساتوں اقلیم کی بادشاہت اسے مل جائے اور ہندوستان کا بے اندازہ زر و جواہر قبضہ میں آجائے۔ شہزادوں کے اس قول کے علاوہ خود تیمور کا عمل اس چیز کا شاہد ہے کہ وہ ہندوستان میں لوٹ مار کرنے کے لئے آیا تھا یا "خدمت اسلام" کے لئے۔ وہ اگر خدمت اسلام کے لئے آیا تھا تو اس کے ہاتھوں سب سے زیادہ مسلمانوں کا قتل عام کون سی اسلامی خدمت تھی۔

ہندوستان پر تیمور کا حملہ :

تیمور نے ہندوستان حملہ کرنے سے قبل اپنے پوتے پیر محمد گورنر کابل کو پہلے ہی سے ہندوستان بھیج دیا تھا تاکہ وہ ہندوستان میں اس کے حملے کے لئے زمین تیار کرنا شروع کر دے۔ چنانچہ پیر محمد نے 800ھ مطابق 1398ء میں معمولی لڑائیوں کے بعد دریائے سندھ کو پار کر لیا اور چھ مہینے کے اندر اندر اوچ اور ملتان پر اپنا قبضہ جما لیا۔ جب تیمور کو اپنے پوتے کی ان فتوحات کا علم ہو گیا تو 42 ہزار سواروں کا لشکر لے کر ہندوستان کی جانب چلا پڑا اور دریائے سندھ پار کر کے اپنے پوتے پیر محمد کی فوج سے آن ملا اور ملتان کے قریب مقام تلمبا پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ شہر والوں پر دو لاکھ روپیہ جرمانہ کیا۔ جب جرمانہ پورا وصول نہ ہوا تو شہر کو اچھی طرح سے لوٹا۔ اس لوٹ سے فارغ ہونے کے بعد تیمور نے شاہ پور پر حملہ کر دیا۔ شاہ پور کا امیر نصرت مقابلہ کی تاب نہ لا کر اور زخمی ہو کر بھاگ گیا۔ تیمور نے شاہ پور کو لوٹ کر مکانوں میں آگ لگا دی۔ یہ تھی تیمور کی پہلی "اسلامی خدمت"۔

اب تیمور پاک پٹن شریف کی طرف بڑھا تاکہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار مبارک پر حاضری دینے کے بعد جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کرے۔ جیسے ہی تیمور پاک پٹن میں آیا تو پاک پٹن اور دیپالپور کے باشندوں نے اس کے خوف کی وجہ سے بھاگنا شروع کر دیا اور بھاگ کر بیکانیر اور بھٹنیر میں پناہ لی۔ تیمور نے پاکپٹن کے بعد بھٹنیر پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے راجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائے دلی چند نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہاں تیمور کے لشکر نے دس ہزار آدمیوں کو تہ تیغ کیا، سارے شہر کو خوب لوٹا اور عمارتوں کو آگ لگا کر چلتا بنا۔ اس کے بعد سرستی، فتح آباد، ٹوہانہ، ساہانہ کیتھل اور اہروتی میں تیمور اور اس کے لشکر نے اچھی طرح سے غارتگری برپا کی اور ان تمام مقامات کو لوٹ کر برباد کر دیا۔ شہر کے باشندوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ تہ تیغ کیا۔ دو ہار کے قریب مسلمانوں کو اور جاٹوں کو قتل کیا۔ مکانوں کو آگ لگا دی اور ہزاروں کو غلام بنالیا۔ غرض یہ کہ تیموری لشکر اسی طرح تباہی مچاتا ہوا دہلی پر حملہ کی غرض سے پانی پت پہنچ گیا۔ تیمور اور اس کے سپاہیوں کے ظلم وستم نے شمالی ہند کے باشندوں کو اس قدر خوفزدہ کر دیا تھا کہ سارے شمالی ہند میں ایک قیامت برپا تھا۔ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے چھکڑوں پر اپنا سامان لادھ کر دیہاتوں کی جانب بھاگے جا رہے تھے اور شہر ویران نظر آتے تھے۔

امیر تیمور کا دہلی کے مفصلات پر حملہ :

پانی پت کو لوٹنے اور تباہ کرنے کے بعد امیر تیمور اور اس کا لشکر دہلی کی طرف روانہ ہوا، جب لشکر جہاں نما کے قریب آیا تو حکم دیا گیا کہ جہاں نما کو تاخت وتاراج کر دیا جائے۔ جہاں نما فیروز تغلق کی بنائی ہوئی ایک نہایت ہی خوش نما عمارت تھی جو دہلی سے 5 میل کے فاصلہ پر تھی۔ چنانچہ امیر کے حکم کے مطابق جہاں نما کے علاقہ کو تاخت وتاراج کر دیا گیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد تیمور قلعہ لونی کی جانب بڑھا۔ اس قلعہ کا حاکم میمون نامی ایک راجپوت تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک مکان میں بند کر کے اس میں آگ لگائی۔ پھر تیمور کا مقابلہ کیا اور اسی مقابلہ میں وہ مارا گیا۔ جب لونی کا قلعہ فتح ہو گیا تو لونی کے تمام مکانات کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دی گئی اور وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا گیا۔ لونی کی تباہی سے فارغ ہو کر تیمور اور اس کا لشکر دہلی کے قرب وجوار کے گاؤں اور قصبوں کی جانب متوجہ ہوا اور ان سب کو لوٹ کر اور آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا۔

خاص دہلی پر تیمور کا حملہ :

دہلی کے قرب وجوار کے تمام علاقوں کو برباد کرنے کے بعد جب امیر تیمور اور اس کا لشکر خاص دہلی پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا تو ایک جاسوس نے تیمور کو اطلاع دی کہ دہلی کی حکومت کا وزیر اقبال ملو چار ہزار سوار پانچ ہزار پیادے اور 27 جنگی ہاتھی لے کر جہاں نما کی طرف آرہا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی امیر تیمور کا لشکر مقابلے کے لئے آگے بڑھا دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ لیکن سلطانی لشکر کو جو تیمور کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا، شکست ہوگئی اور ملو فرار ہو کر دہلی کی فصیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

کے اندر چلا گیا۔

اب جب کہ امیر تیمور اور دہلی کے بادشاہ میں جنگ چھڑ چکی تھی تو تیموری کیمپ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان ایک لاکھ ہندوستانی غلاموں کا کیا کیا جائے جو تیموری لشکر کے ہمراہ ہیں کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ اگر ذرا بھی تیموری لشکر میں کمزوری پیدا ہوئی تو یہ ایک لاکھ غلام اپنے ہم وطن ہندوستانیوں کے ساتھ مل کر بڑی تباہی مچا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ ان ایک لاکھ غلاموں کو فوراً تہ تیغ کر دیا جائے اس فیصلہ کے بعد آن کی آن میں ایک لاکھ بے گناہ ہندوستانیوں کا خون بہا دیا گیا۔

امیر تیمور نے ہندوستانی غلاموں کے قتل عام کے بعد اپنے بے اندازہ لشکر کو دہلی پر حملہ کرنے کے لئے ترتیب دیا۔ ادھر سلطانی لشکر بھی مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ سلطانی لشکر بھی مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ سلطانی لشکر میں 125 ہاتھی، دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے تھے۔ اس کے مقابلے میں تیموری لشکر تقریباً 80 ہزار سواروں پر مشتمل تھا جب یہ دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو تیمور نے اپنے لشکر کے سرداروں کو حملہ کا حکم دے دیا۔ اور اس طرح دونوں لشکروں میں دہلی کے تخت کے لئے فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطانی لشکر نے قلت تعداد کے باوجود بڑی جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن ایسی حالت میں جب کہ تغلق حکومت کی خانہ جنگی اور زوال کی وجہ سے سلطانی لشکر کی ہمت پہلے ہی سے پست تھی، وہ تیمور کے بے اندازہ لشکر کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ سلطانی لشکر کے پاؤں اکھڑنے شروع ہو گئے غرضیکہ تغلق خاندان کے آخری بادشاہ محمود شاہ کو اس معرکہ میں بری طرح شکست ہوئی۔ بادشاہ گجرات بھاگ گیا اور اقبال ملو نے برن (بلند شہر) میں جا کر پناہ لی اور دہلی پر امیر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔

دہلی میں لوٹ مار اور غارت گری :

دوسرے دن امیر تیمور نے عیدگاہ میں اپنی فتح کی خوشی میں بہت بڑا جشن کیا۔ جس میں نائب وزیر فضل اللہ بلخی دہلی کے عمال حکومت علماء مشائخ اور عمائدین شہر نے بھی شرکت کی اور انہوں نے تیمور سے وعدہ لے لیا کہ شہر کے باشندوں کی جان اور مال محفوظ رہے گا لیکن اس وعدہ کے باوجود تیمور کے لشکر نے شہر میں لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی۔ چنانچہ خود امیر تیمور نے ظفر نامہ تیموری میں اس چیز کا اعتراف کیا ہے کہ دہلی میں فوج اس کے قابو سے باہر ہو گئی تھی اور فوج نے بری طرح سے لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم کر دیا تھا۔

دہلی کی تباہی اور بربادی کی داستان بیان کرتے ہوئے امیر تیمور ظفر نامہ تیموری میں لکھتا ہے کہ "جب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستانی مع اپنے زن و فرزند و بیش قیمت مال و اسباب کے دہلی میں جمع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں تو سرداروں کو فوج دے کر شہر کے اندر بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کی داد فریاد کچھ نہ سنیں۔ سب کو گرفتار کر کے میرے روبرو لائیں۔ جب سپاہیوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کیا تو وہ تلوار ہاتھ میں لے کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو گھروں میں بند کر کے جلا دیا اور پھر جان پر کھیل کر لڑے اور ہنگامہ کارزار خوب گرم ہو گیا۔ اس ہنگامہ کے دوران میں میری جہاں پناہ اور دہلی میں سب جگہ آگ لگ رہی تھی۔'' امیر تیمور کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود امیر تیمور کس طرح اس لوٹ مار اور غارت گری کا سب سے بڑا محرک تھا۔

اسی ظفر نامہ تیموری میں آگے چل کر تیمور لکھتا ہے کہ ''امیروں نے شہر کے دروازے اس لئے بند کر دیئے تھے کہ باہر کا لشکر اندر نہ آئے لیکن جمعرات کے دن اور شب جمعہ کو شہر میں پندرہ ہزار سپاہ موجود تھی جس کو قتل و غارتگری، آتش زنی او غلام بنانے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ جمعہ کے دن تو سارا لشکر شہر میں گھس کر لوٹ پر پل پڑا جس میں ہر شخص کا کام قتل اور آتش زنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جمعہ کے دن لوٹ بالکل عام تھی۔ جہاں پناہ اور سیری کے اکثر محلے بالکل ویران ہو گئے اور ہفتہ کو بھی یہی حال رہا۔''

تیمور کی فوج نے صرف قتل وخون، لوٹ اور غارتگری ہی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ دہلی کے لاکھوں نوجوانوں اور عورتوں کو لونڈی اور غلام بنالیا تھا۔ تیمور اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''لوٹ کا حال یہ تھا کہ لشکر میں کوئی سپاہی ڈیڑھ سو مرد و زن اور لڑکوں سے کم پکڑ کر اور غلام بنا کر نہیں لایا۔ بہت سے ادنیٰ آدمیوں کے پاس بھی بیس سے زیادہ ہی غلام موجود ہوں گے۔ اس کے علاوہ لوٹ کے مال میں طرح طرح کے جواہرات، موتی، یاقوت، الماس، قیمتی کپڑے، سونے چاندی کے برتن اور طلائی اشرفیاں بے حد وحساب تھیں۔ لوٹ میں جو عورتیں ہاتھ لگی تھی ان کے ہاتھ پاؤں سونے چاندی کے کنگنوں اور پازیبوں سے آراستہ تھے اور ان کی انگلیاں بیش قیمت انگوٹھی چھلوں سے لدھی ہوئی تھیں۔''

شہری عام عمارتوں کو چھوڑ کر خود تیمور کے حکم سے مسجدوں میں کس طرح قتل عام کیا گیا اس کی سرگزشت بھی خود تیمور ہی سے سن لیجئے۔ لکھتا ہے کہ ''اتوار کے دن جب یہ خبر ہوئی کہ پرانی دہلی کی جامع مسجد میں بہت سے ہندوستانی بھاگ کر جمع ہو گئے ہیں اور اپنے ساتھ ہتھیار اور کھانے پینے کا سامان بھی لے گئے ہیں اور اس کو اپنی پناہ گاہ بنا چاہتے ہیں تو امیر شاہ ملک اور علی سلطان لواچی کو پانچ سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا کہ خدا کے گھر کو ان سے پاک صاف کریں۔'' یعنی مسجد میں پناہ لینے والوں کے لئے بھی قتل عام کا حکم دے دیا گیا تھا۔

چار پانچ روز تک اس قتل وخون اور غارت گری کے بعد امیر تیمور محل سے باہر نکلا اور اس نے شہر کا گشت کیا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ شہر میں امن وامان ہو گیا اور ساری غارت گری بند ہو گئی، لیکن یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب کچھ اس وقت ہوا جب دہلی اجڑ چکی تھی۔ دہلی کی عورتوں کی آبرو برباد کی جا چکی تھی۔ لاکھوں پرامن باشندوں کو لونڈی اور غلام بنایا جا چکا تھا۔ شہر کو لوٹ کر اور آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ امیر تیمور کی مرضی کے خلاف ہوا تھا تو وہ اس سے قبل گشت کے لئے کیوں نہیں آیا تا کہ اس کے آتے ہی پانچ چھ دن کے بعد جو آگ بجھی وہ پہلے ہی روز بجھ جاتی۔

امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ سے قبل یہ کہا تھا کہ وہ بت شکنی اور بے دینی کو مٹانے کے لئے ہندوستان جا رہا ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں بت پرستوں کی حکومت نہیں تھی بلکہ اسی کے ہم مذہبوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد اس نے مسلم حکومت کی جڑیں ہلا دیں۔ اس کی شمشیر خارا شگاف سے ہندوؤں سے کہیں زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ دہلی جو مسلم امراء کا سب سے بڑا مرکز تھا وہاں سب سے زیادہ مسلمان ہی لٹے اور خانہ خراب ہوئے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تیمور کا ہندوستان پر حملہ کرنے کا اصل مقصد کیا تھا۔

دہلی کے بعد دوسرے شہروں کی باری :

دہلی میں پندرہ دن تک حکومت کرنے کے بعد امیر تیمور شمالی ہند کے دوسرے شہروں کی جانب متوجہ ہوا۔ چنانچہ یکم جنوری 1399ء مطابق 801ھ کو وہ دہلی سے کوچ کرنے کے بعد میرٹھ پہنچا اور میرٹھ کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔

الیاس افغان جو قلعہ میرٹھ کا حاکم تھا اس نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن اسے شکست ہوئی۔ قلعہ میرٹھ کی فتح کے بعد حسب دستور شہر کو لوٹا گیا اور قتل عام کیا گیا۔ اس کے بعد امیر تیمور دریائے گنگ کی جانب بڑھا۔ راستہ میں مبارک خاں سے مقابلہ ہوا پھر درہ کوپلہ (ہردوار) پہنچا تو ملک شیخہ نے تیمور پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مگر تیمور بچ گیا اور ملک شیخہ جان سے مارا گیا۔ درہ کوپلہ یعنی ہردوار کو خوب لوٹا گیا، شہر کو آگ لگا دی گئی اور بری طرح قتل عام برپا کیا گیا۔ یہاں سے تیموری لشکر سوالک کی جانب روانہ ہوا اور سوالک میں بھی خوب غارتگری مچائی۔ پھر نگرکوٹ کی جانب رخ کیا اور اس شہر کو بھی اچھی طرح لوٹا۔ نگرکوٹ سے فارغ ہونے کے بعد تیمور جموں پہنچا۔ لیکن جموں و کشمیر کے راجاؤں نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ یہاں سے بھی تیمور اور اس کے لشکر کے ہاتھ بہت سا مال لگا۔

امیر تیمور کی ہندوستان سے واپسی :

دہلی کو لوٹنے اور برباد کرنے کے بعد ہی امیر تیمور نے ہندوستان سے مراجعت کا فیصلہ کر لیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا کیونکہ جس مقصد کے لئے وہ ہندوستان آیا تھا وہ مقصد پورا ہو چکا تھا اگر امیر تیمور کا ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ ہوتا تو دہلی کی فتح کے بعد اس کے امکانات پیدا ہو چکے تھے لیکن اس کا مقصد تو صرف ہندوستان سے مال و زر جمع کرنا تھا اور اس مقصد میں اسے امید سے زیادہ کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن واپس جاتے جاتے بھی اس نے بہت سے شہروں پر ہاتھ صاف کر دیا تا کہ اس کی واپسی بھی نفع بخش ثابت ہو۔

امیر تیمور جب کشمیر سے سندھ کی جانب روانہ ہو رہا تھا تو اسے یہ مزید خوشخبری سنائی گئی کہ تیموری سرداروں نے لاہور کو بھی تسخیر کر لیا ہے اور وہ لاہور میں تحصیل وصول کے کام میں مصروف ہیں۔ یعنی لاہور بھی تیموری لشکر کی دستبردار سے محفوظ نہ رہ سکا۔ غرضیکہ امیر تیمور کشمیر سے سندھ ہوتا ہوا 19 مارچ 1399ء مطابق 801ھ کو ہندوستان کے تمام شمالی علاقوں کو ویران کر کے اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔

تیمور کا ہندوستانی وائسرائے خضر خاں :

تیمور جب ہندوستان سے جانے لگا تو اس نے خضر خاں کو ملتان، لاہور اور دیپالپور کے لئے اپنا نائب یعنی وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ خضر خاں وہی ملتان کا سابق حاکم تھا جس پر حملہ کر کے سارنگ خاں نے ملتان پر قبضہ جما لیا تھا۔ اور وہ ملتان سے نکلنے کے بعد سرگرداں پھر رہا تھا اتفاق سے اسی دوران میں تیمور آ گیا تو خضر خاں تیمور سے دہلی آ کر ملا اور تیمور کے ساتھ اپنی اطاعت کا اظہار کیا جس پر تیمور نے اسے لاہور، دیپالپور اور ملتان کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہ چیز بڑی عجیب ہے کہ تیمور نے دہلی کے لئے جو ہندوستان کا دارالسلطنت تھا کسی کو اپنا نائب مقرر نہیں کیا اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجودیکہ تیمور نے خضر خاں کو ملتان، دیپالپور اور پنجاب میں اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ لیکن اس نے تمام زندگی ان صوبوں کے بارے میں کبھی خضر خاں سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ اس کا مطلب یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کو ہندوستان کے کسی حصہ پر بھی حکومت کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ صرف بطور احتیاط خضر خاں کو اپنا نائب نامزد کر گیا تھا تا کہ اگر پھر کبھی ہندوستان میں لوٹ اور غارت گری کی ضرورت ہو تو خضر خاں اس کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔

تیمور کے حملہ کے بعد حکومت دہلی کی حالت :

یوں تو تیمور کے حملہ سے قبل ہی دہلی کی حکومت پاش پاش ہو چکی تھی لیکن تیمور کے حملے نے اس گرتی ہوئی حکومت کو بالکل فنا کر کے رکھ دیا۔ اس زمانہ میں دہلی کی حکومت کی بے کسی کا اندازہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو مہینوں تک دہلی کا تخت بالکل خالی پڑا رہا اور کسی کو اس تخت پر بیٹھنے کی ہمت تک نہ ہوئی۔ تیمور کے جانے کے بعد دہلی کی کیفیت یہ تھی کہ یہاں قحط اور وباؤں کا دور دورہ تھا۔ نہ کوئی حاکم تھا نہ کوئی منتظم۔ غرضیکہ دہلی ایک ویران اور اجاڑ خطہ بن کر رہ گئی تھی اور دہلی کے ماتحت صوبے سب کے سب خود مختار بن چکے تھے۔ خواجہ جہاں سلطان الشرق قنوج، اودھ، کٹرہ سندیلہ، جونپور، بہرائچ اور بہار کا مالک بنا ہوا تھا۔ دلاور خاں نے مالوہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ خضر خاں کو تیمور پنجاب، ملتان اور دیپالپور کا مختار مطلق بنا گیا تھا۔ گجرات میں ظفر خاں کا دور دورہ تھا۔ سامانہ پر غالب خاں کی حکومت تھی۔ بیانہ میں شمس خاں اوراوحدی اپنا سکہ چلا رہے تھے۔ کالپی اور مہوبہ پر محمود خاں حکمرانی کر رہا تھا۔ گوالیار، مارواڑ اور میواڑ خود مختار بن چکے تھے۔ یہاں راجپوتوں کا دور دورہ تھا۔ جو علاقے باقی رہ گئے تھے ان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ غرضیکہ دہلی کی حکومت بے شمار ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد پارہ پارہ ہو چکی تھی۔

نصرت شاہ کا دہلی کے تخت پر دوبارہ قبضہ :

دہلی کا بادشاہ نمبر 2 نصرت شاہ جس کی تخت نشینی فیروز آباد میں ہوئی تھی اور جو اقبال ملو کے خوف کی وجہ سے تخت چھوڑ کر تیمور کے حملہ سے قبل ہی بھاگ گیا تھا اس نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے دوبارہ دہلی کے خالی تخت پر 801ھ مطابق 1399ء میں قبضہ جما لیا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنے دشمن اقبال خان ملو کی سرکوبی کے لئے شہباز خان کو برن (بلند شہر) روانہ کیا۔ لیکن اقبال خاں ملو نے زمینداروں سے ساز باز کر کے شہباز خاں کو راستہ ہی میں ختم کر دیا۔ شہباز خاں کو ختم کرانے کے بعد اقبال خاں ملو کو بھی دہلی کی حکومت پر دوبارہ قبضہ جمانے کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے برن (بلند شہر) میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کرنے کے بعد دہلی پر یورش کر دی۔ نصرت شاہ جس کو کہ فرار ہونے کی پرانی عادت تھی۔ اقبال خاں ملو کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر میوات بھاگ گیا۔ نصرت شاہ کے فرار ہونے کے بعد اقبال ملو کا پھر ایک مرتبہ دہلی کی حکومت پر قبضہ ہو گیا۔

دہلی کا بے تاج بادشاہ اقبال ملو :

اقبال خاں ملو نے 801ھ مطابق 1399ء میں دہلی کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے دہلی کے ان باشندوں کو واپس لانے کا کام شروع کیا جو تیمور کے مظالم سے تنگ آ کر دہلی سے بھاگ گئے تھے چنانچہ اقبال ملو کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی میں پھر رونق دکھائی دینے لگی، اس کے بعد اقبال ملو نے ان عمال حکومت کی جانب توجہ کی جو خود مختار ہو گئے تھے اور ان پر فوجی یورش بھی شروع کر دی۔ ان فوجی حملوں میں کبھی تو اقبال ملو کو فتح ہو جاتی تھی اور کبھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خودمختار عمال فتح یاب ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ یہ تماشہ اسی طرح جاری رہا۔ اس کے علاوہ خودمختار عمال حکومت میں بھی آپس میں برابر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ غرضیکہ ایک بے تاج بادشاہ کی حکومت میں جو کچھ ہوسکتا تھا وہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

ناصرالدین محمود شاہ دوبارہ دہلی کا بادشاہ :

اقبال ملو دو تین سال تو دہلی کے بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے اس لئے کام چلاتا رہا کہ شاید اس کا اقتدار قائم ہو جائے اور وہ ہندوستان کا مستقل بادشاہ بن کر ملو خاندان کی ایک نئی حکومت قائم کر سکے لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی سلطنت دہلی اور دوآبہ سے آگے ہی نہیں بڑھتی تو پھر اسے ایک کٹھ پتلی بادشاہ کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وہ دہلی کے سابق بادشاہ نمبر 1 یعنی ناصر الدین محمود شاہ کو خوشامد درآمد کر کے مالوہ سے دہلی لے آیا اور اسے 804ھ مطابق 1402ء میں دہلی کے تخت پر بٹھاتے ہی خودمختار عمال کے خلاف محمود شاہ کے نام پر لشکر کشی شروع کر دی۔ مگر پھر بھی اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس نے خواجہ جہاں سلطان الشرق کے جانشین ابراہیم شرقی کو جو خودمختار ہو چکا تھا شکست دینے کے لئے بڑی تیاری کے بعد حملہ کر دیا مگر اقبال ملو کو شکست ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی اقبال ملو کے لئے یہ اور پریشانی پیدا ہوگئی کہ ناصرالدین محمود شاہ اقبال خاں ملو کی خودسری سے تنگ آ کر اور دہلی کی حکومت سے کنارہ کش ہو کر ابراہیم شرقی کی پناہ میں قنوج جا کر بیٹھ گیا۔ اب اقبال ملو کے لئے یہ صورت بھی باقی نہ رہی تھی کہ وہ کٹھ پتلی بادشاہ کے نام پر کارروائیاں کر سکے۔

اقبال خاں ملو کا قتل :

اقبال خاں ملو سلطان محمود شاہ کے قنوج چلے جانے کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھا۔ اس نے 805ھ مطابق 1403ء میں گوالیار پر حملہ کیا مگر شکست ہوئی۔ 807ھ مطابق 1405ء میں اٹاوہ پر حملہ کیا مگر کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ اسی سال ملو نے سلطان محمود شاہ کو زیر کرنے کے لئے قنوج پر حملہ کیا مگر ناکام ہو کر دہلی واپس آ گیا۔ اس کے بعد اقبال ملو نے فوج جمع کر کے 808ھ میں دیپالپور اور ملتان کے حاکم خضر خاں پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں اقبال ملو شکست کھا کر بھاگا۔ خضر خاں نے اس کا تعاقب کیا تو اقبال ملو کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا۔ اقبال ملو زخمی ہو گیا اور اسلام خاں لودھی نے اس کا سر کاٹ کر خضر خاں کے سامنے پیش کر دیا۔ غرضیکہ اس طرح اس ابن الوقت ملو کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کی شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں عجیب و غریب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناصر الدین محمود شاہ تیسری مرتبہ دہلی کے تخت پر:

اقبال ملو کے قتل کی خبر جب دہلی پہنچی تو دولت خاں لودھی اور دوسرے امرائے سلطنت نے سلطان محمود شاہ کو قنوج سے بلا کر 808ھ مطابق 1406ء میں تیسری مرتبہ دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد محمود شاہ قنوج پر قبضہ جمانے کے لئے قنوج جا پہنچا جہاں ابراہیم شرقی سے اس کی جنگ ہوئی مگر امراء نے صلح کرادی اور سلطان دہلی واپس چلا آیا۔ سلطان نے دولت خاں کو سامانہ کی تسخیر کے لئے بھیج رکھا تھا۔ سامانہ پر بیرم خاں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ بیرم خاں دولت خاں کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر سرہند چلا گیا۔ بیرم خاں جسے حاکم ملتان خضر خاں کی حمایت حاصل تھی۔ جب اسے بیرم خاں کی شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے ایک بڑا لشکر لے کر دولت خاں پر حملہ کر دیا۔ دولت خاں فرار ہو گیا۔ خضر خاں نے سامانہ کا علاقہ توزیرک خاں کو دے دیا اور سرہند کی حکومت بیرم خاں کے سپرد کر دی۔ 814ھ مطابق 1412ء میں خضر خاں رہتک، نارنول، میوات، تجارہ فتح کرتا ہوا دہلی آیا اور سیری کا محاصرہ کر لیا جہاں سلطان محمود موجود تھا۔ لیکن قحط کی پریشانی کی وجہ سے خضر خاں اس محاصرہ کو اٹھانے کے بعد 815ھ مطابق 1413ء میں پانی پت کی راہ سے فیروز پور چلا گیا۔ خضر خاں کے جانے کے بعد سلطان محمود شاہ بیمار ہوا اور اس نے وفات پائی اور اس طرح تغلق خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔ سلطان محمود شاہ اگرچہ روز اول ہی سے برائے نام بادشاہ تھا لیکن پھر بھی اس نے بیس برس اور دو مہینے حکومت کی۔

دولت خاں لودھی کی چند روزہ حکومت:

سلطان محمود کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے دولت خاں لودھی سے بیعت کر لی اور اس طرح دولت خاں لودھی دہلی کا بے تاج بادشاہ بن گیا مگر دولت خاں نے کبھی کوئی بادشاہی خطاب اختیار نہیں کیا اور نہ کبھی تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ کے سکوں میں یا تو فیروز شاہ کا یا فیروز شاہ کی اولاد کا نام ہوتا تھا۔ اس کی حکومت کو مشکل سے سوا سال ہوا تھا کہ خضر خاں نے ساٹھ ہزار کی جمعیت سے دہلی پر حملہ کر دیا اور سیری کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جہاں دولت خاں لودھی موجود تھا۔ دولت خاں چار مہینے تک تو اس محاصرہ کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر چار ماہ کے بعد نوبت خانہ کے دروازے پر خضر خاں کا قبضہ ہو گیا، دولت خاں نے جب سمجھ لیا کہ خضر خاں سے کسی طرح مفر نہیں تو اس نے خضر خاں سے امان چاہی۔ خضر خاں نے اس کی جان بخش دی اور حصار فیروزہ میں اسے قید کر دیا اور اس طرح دہلی کی حکومت پر 817ھ مطابق 1414ء میں خضر خاں حاکم پنجاب، ملتان و دیپال پور کا قبضہ ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

ہندوستان پر سیدوں کی حکومت

817ھ مطابق 1414ء تا 855ھ مطابق 1451ء

خضر خاں جس نے دہلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ہندوستان میں خاندان سادات کی حکومت کی بنیاد رکھی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آل رسولؐ میں سے تھا اور اس کی تصدیق سید السادات حضرت جلال بخاری نے بھی کی ہے۔

سلطان فیروز شاہ کے دور حکومت میں اس خاندان سادات کو سب سے پہلے عروج حاصل ہوا چنانچہ ملک مردان حاکم ملتان کا شمار فیروز شاہ کے امرائے کبار میں تھا۔ ملک مردان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شیخ جانشین ہوا۔ لیکن وہ جلد ہی مر گیا۔ ملک شیخ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی ملک سلیمان جانشین قرار دیا گیا۔ لیکن اس کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور اس کے مرنے پر فیروز شاہ تغلق نے ملک سلیمان کے بیٹے خضر خاں کو ملتان کا حاکم بنا دیا۔

خضر خاں ایک نہایت ہی لائق سپہ سالار تھا جس نے متعدد لڑائیوں میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے جن کی تفصیل اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے لیکن 798ھ مطابق 1396ء میں جب اقبال ملو کے بھائی سارنگ خان نے ملتان پر حملہ کر کے اسے ملتان کی حکومت سے محروم کر دیا، تو یہ سرگرداں اور پریشان پھرنے کے بعد دہلی میں امیر تیمور کے پاس چلا گیا، جس نے کہ پنجاب، دیپالپور اور ملتان کی حکومت دے کر خضر خاں کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ امیر تیمور کی بابت یہ مشہور ہے کہ وہ خاندان سادات کا بڑا قدر دان تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اسی لئے اس نے دوسروں کے مقابلہ میں ایک سیدزادہ کو ترجیح دینا زیادہ پسند کیا ہو۔

خضر خاں کا دورِ حکومت:

جہاں تک تغلق خاندان کا تعلق ہے وہ خضر خاں کی تخت نشینی سے ڈیڑھ سال قبل ہی سلطان محمود شاہ کی موت کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ لیکن سلطان محمود شاہ کے بعد چونکہ حکومت کا نظام دولت خاں لودھی نے سنبھال لیا تھا اس لئے وہ ڈیڑھ سال تک دہلی کی حکومت پر قابض رہا۔ خضر خاں نے 817ھ مطابق 1414ء میں دہلی پر حملہ کر کے اور دولت خاں کو شکست دے کر قید کر دیا اور اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد خود دہلی کا فرمانروا بن گیا۔

خضر خاں دہلی کے تخت پر بیٹھ تو گیا لیکن وہ امیر تیمور سے ایسا خوفزدہ تھا کہ اس نے اپنے نام کے ساتھ نہ تو بادشاہ کا لقب شامل کیا اور نہ سکوں ہی پر اپنا نام سکوک کرایا بلکہ اپنے نام کی جگہ سکہ و خطبہ میں امیر تیمور ہی نام رکھتا تھا۔ لیکن جب خضر خاں کو امیر تیمور کا اندیشہ کم ہو گیا تو اس کے آخری دور حکومت میں خطبوں میں خضر خاں کا نام پڑھا جانے لگا تھا۔

خضر خاں کا سارا کا سارا دور حکومت اندرونی بغاوتوں سے بھرا پڑا ہے۔ خضر خاں کی حالت یہ تھی کہ وہ بغاوتوں کو دبانے کے لئے ادھر سے ادھر دوڑا دوڑا پھرتا تھا، لیکن اگر ایک جگہ کی بغاوت دبتی تھی تو دوسری جگہ بغاوت کھڑی ہو جاتی تھی، الغرض دہلی کے سوا کوئی ضلع یا صوبہ بادشاہ کے تصرف میں نہ تھا۔ یہاں تک کہ صوبہ پنجاب دیپالپور اور ملتان جس پر کہ خضر خاں کا سب سے زیادہ اقتدار تھا، وہاں بھی شورشیں کھڑی ہو گئی تھیں۔

خضر خاں نے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی ملک الشرق ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دے کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ تفویض کیا۔ سید سالم سید سادات کو سہارنپور کا حاکم، ملک سلیمان کو ملتان اور فتح پور کا حاکم اور ملک سردار کو شہر کا کوتوال بنایا اور اپنی غیر حاضری کی صورت میں ملک خیر الدین کو اپنا قائم مقام تجویز کیا۔ اور ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد خضر خاں ملک کی اندرونی بغاوتوں کو دبانے کی جانب متوجہ ہوا۔

خضر خاں 817ھ مطابق 1414ء سے لے کر 824ھ مطابق 1421ء تک برابر ملک کی اندرونی بغاوتوں کے دبانے میں مصروف رہا۔ اس دوران میں خضر خاں برابر بدایوں، کٹھیر، کمپلہ، گوالیار، آوری، چندوار، کہور، اٹاوہ، بیانہ، سرہند، قلعہ ناگور سنبھل، میوات اور دوسرے علاقوں کی سرکوبی میں مصروف رہا۔ لیکن حالت تھی کہ جو علاقہ آج اطاعت قبول کرتا تھا وہی دوسرے دن باغی ہو جاتا تھا۔ بغاوت برپا کرنے والے یا تو پرانے شاہی عمال اور ان کی اولاد تھی یا راجپوت اور ہندو زمیندار تھے۔ جو کسی طرح بھی قابو میں نہیں آتے تھے۔

حکومت کے کام میں خضر خاں کا سب سے بڑا معاون وزیر اعظم ملک تاج الملک تھا، جو 824ھ مطابق 1421ء میں مر گیا۔ جس کے مرنے سے خضر خاں کی رہی سہی طاقت بھی ٹوٹ گئی۔ خضر خاں نے ملک تاج الملک کی جگہ اس کے بیٹے ملک الشرق ملک سکندر کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ لیکن وہ کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکا۔ حکومت کی الجھنوں اور پریشانیوں کی وجہ سے خضر خاں کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی لیکن پھر بھی وہ حکومت کے کاموں میں پورے انہاک کے ساتھ مصروف رہا۔ اسی سال جب وہ گوالیار اور اٹاوہ کی بغاوتوں کو دبانے گیا تو دوران سفر ہی میں وہ بیمار ہو گیا چنانچہ جب وہ دہلی پہنچا تو بے حد بیمار تھا چنانچہ اسی بیماری میں 17 جمادی الاول 824ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق 15 مئی 1421ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ خضر خاں نے سات سال دو مہینے اور دو دن حکومت کی لیکن اسے ایک دن بھی چین میسر نہ آیا۔

سلطان مبارک شاہ کی تخت نشینی :

خضر خاں نے اپنے بیٹے مبارک خاں کو پہلے ہی فیروز پور اور سرہند کی حکومت سپرد کر دی تھی۔ جب خضر خاں زیادہ بیمار ہوا تو اس نے اپنے اسی بیٹے کو ولی عہد مقرر کر دیا چنانچہ خضر خاں کے مرنے کے بعد 19 جمادی الاول 824ھ مطابق 1421ء کو امرائے سلطنت نے مبارک خاں کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا جس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ کا لقب اختیار کیا۔

خضر خاں کی زندگی ہی میں پنجاب میں شورش شروع ہو گئی تھی۔ لیکن خضر خاں کے مرنے کے بعد اس شورش نے باقاعدہ بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ پنجاب میں باغیوں کا سرغنہ شیخا گھکڑ کا بھائی جسرت گھکڑ تھا جو دہلی کی حکومت پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ ظفر خاں کے مرتے کے ساتھ اس نے پنجاب میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا کر دیا۔ شاہی کاروان کو یہ لوٹ لیتا تھا۔ لاہور اور لاہور کے مفصلات کے علاقوں کو اس نے لوٹ کر تباہ اور برباد کر دیا تھا۔ لاہور اور مشرقی پنجاب کے شہروں کے باشندے اس کے خوف سے شہر کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مبارک شاہ کو جب اس کی تباہ کاریوں کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے فوجی سرداروں کو بھیجا مگر جسرت گھکڑ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ مقابلہ کئے بغیر بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ جاتا تھا بادشاہ خود اس کی سرکوبی کے لئے لاہور تک گیا۔ لاہور کو دیکھا تو ویران پڑا تھا۔ بادشاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ مگر جسرت گھکڑ کا فتنہ بادشاہ کی کوشش کے باوجود زمانہ دراز تک نہ دب سکا۔ جسرت کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ لوٹ مار شروع کر دیتا تھا۔

خضر خاں کی طرح مبارک شاہ کی بھی ساری زندگی ملک کی اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہی۔ 824ھ مطابق 1421ء سے لے کر 837ھ مطابق 1433ء تک وہ برابر باغیوں کی سرکوبی کے لئے مارا مارا پھرا۔ اس مدت میں اس نے کھیڑا اور اٹاوہ کی مہمات میں حصہ لیا۔ جسرت گھکڑ کی بغاوت کو دبانے کی دوبارہ کوشش کی۔ گوالیار، میوات اور بیانہ کی جنگ میں حصہ لیا۔ جسرت گھکڑ کی تیسری بغاوت کو دبانے کی جدوجہد کی۔ اسی دوران میں تازہ مصیبت یہ نازل ہو گئی کہ امیر شیخ علی حاکم کابل نے تیمور کی سنت پر عمل کرتے ہوئے پنجاب اور ملتان کے علاقہ کو لوٹ کر تباہ اور برباد کر دیا۔ جسرت گھکڑ اور باغیوں نے اس لوٹ مار میں حاکم کابل کا ساتھ دیا۔ لیکن عمادالملک نے ملتان کے علاقہ میں امیر شیخ علی کا اس جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ حاکم کابل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سارا مال غنیمت چھوڑ کر کابل کو بھاگنا پڑا۔ لیکن جسرت گھڑک کی تحریک پر حاکم کابل امیر شیخ علی نے دوبارہ ہندوستان پر فوج کشی کر دی۔ پہلے جسرت نے پنجاب کے بعض علاقوں کو لوٹا۔ اس کے بعد حاکم کابل نے ملتان اور پنجاب میں آ کر تباہی اور غارت گری برپا کی۔ اس مرتبہ بادشاہ خود حاکم کابل کے مقابلہ کے لئے گیا اور سلطانی لشکر نے پھر ایک بار حاکم کابل امیر شیخ کو ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

مبارک شاہ جب سے تخت پر بیٹھا تھا برابر اسی قسم کی الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی بادشاہی کا کوئی لطف نہیں اٹھا سکا۔ اپنی حکومت کے آخری دور میں اس نے جمنا کے کنارے اپنے نام پر شہر مبارک آباد کی بنیاد رکھی تھی وہ اس شہر کی عمارتوں کے معائنہ کے بعد جمعہ کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ملک سرور الملک وزیر کے اشارہ پر اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا سب سے پہلے سدھ پال نامی ایک شخص نے بادشاہ کی پیشانی پر تلوار ماری اس کے بعد اس کے تمام ساتھی بادشاہ پر پل پڑے اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہ دردناک واقعہ 9 رجب 837ھ مطابق 1433ء کو پیش آیا تھا۔ اس بادشاہ نے تیرہ سال تین مہینے اور سولہ روز حکومت کی۔ یہ اپنے دور کا نہایت ہی نیک دل بادشاہ تھا۔ جس نے بڑے تدبر اور دانشمندی کے ساتھ حکومت کی لیکن حکومت کی بنیادیں اس قدر متزلزل ہو چکی تھیں کہ انتہائی جدوجہد کے باوجود بادشاہ ان کو مضبوط نہ بنا سکا۔ یہ پاکباز ہونے کے ساتھ بے حد انصاف پسند بھی تھا۔ اگر کوئی مضبوط حکومت اسے ملی ہوتی تو یہ بڑا نام پیدا کرتا۔ تاریخ مبارک شاہی اسی بادشاہ کے نام پر لکھی گئی تھی۔

سلطان محمد شاہ کی تخت نشینی :

مبارک شاہ کے قتل کے بعد اسی روز یعنی 5 رجب 837ھ مطابق 1433ء کو امرائے سلطنت نے محمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ محمد شاہ مبارک شاہ مرحوم کا متبنیٰ تھا جو فرید خاں کا بیٹا اور خضر خاں کا پوتا تھا۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کا سب سے بڑا محرک مبارک شاہ کا قاتل سرور الملک وزیر تھا۔ اس نے محمد شاہ کو یہ سوچ کر تخت پر بٹھایا تھا کہ وہ اس کٹھ پتلی بادشاہ کے پردہ میں بے دھڑک خود حکومت کر سکے گا۔ چنانچہ سرور الملک نے خزانہ اور سارے اہم محکمے اپنے قبضے میں لے لئے تاکہ وہ بادشاہ کو اپنے اشاروں پر نچا سکے۔

محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد وزیر سرور الملک نے پرانے امرائے سلطنت کی بیخ کنی شروع کر دی اور ان لوگوں کو خوب نوازا۔ جنہوں نے کہ بادشاہ مبارک شاہ کے قتل میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ بادشاہ کے قاتل نمبر 1 سدھپال اور قاتل نمبر 2 سدارن کھتری اور ان کے قرابتداروں کو بادشاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ، امروہہ، نارنول، کہرام اور دوآبے کے علاقے عطا ہوئے۔ اسی طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میراں صدر اور سید السادات کے بیٹے کو بادشاہ کے قتل میں معاونت کرنے کی بناء پر خطابات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔اس کے برخلاف جو لوگ مقتول بادشاہ کے حامی تھے ان کو دھوکہ سے بلا کر یا تو قتل کر دیا گیا یا قید میں ڈال دیا گیا۔

وفا شعار امرائے سلطنت کمال الملک، ملک اہار میاں، ملک اللہ داد کاکا، ملک جے من، ملک کھون راج، امیر علی گجراتی، ابتداء میں تو خاموشی کے ساتھ غدار وزیر سردار الملک کی حرکتوں کو دیکھتے رہے۔آخر انہوں نے سرور الملک کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔کمال الملک نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے دوسرے تمام امراء کی مدد سے ایک بڑی فوج برن (بلند شہر) میں جمع کر کے سرور الملک کے خلاف دہلی پر حملہ کر دیا۔سرور الملک مقابلے کی تاب نہ لا کر دہلی کے قلعہ سیری میں محصور ہو گیا اور تین مہینے تک لڑتا رہا۔سرور الملک کو بادشاہ سے بھی اندیشہ تھا۔چونکہ بادشاہ بھی کمال الملک اور دوسرے وفا شعار امراء کی جانب جھکا ہوا تھا۔اس لئے سرور الملک نے سوچا کہ کیوں نہ سب سے پہلے بادشاہ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ وہ قلعہ سیری میں اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر بادشاہ کے قتل کے لئے محل سرا میں گھس گیا۔بادشاہ کے محافظتی دستوں نے سرور الملک کا مقابلہ کیا۔اس مقابلہ میں غدار وزیر سرور الملک مارا گیا۔

غدار سرور الملک کے قتل کے بعد بادشاہ نے کمال الملک کو کمال خاں کا خطاب دے کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ سپرد کیا۔ملک جے من، ملک اللہ داد، ملک کھون راج، خان اعظم سید خاں جیسے وفا شعار امراء کو خطابات اور جاگیریں عطا کی گئیں۔دہلی کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ بغرض تفریح ملتان گیا اور چند روز ملتان میں قیام کرنے کے بعد پھر دہلی واپس آ گیا۔بادشاہ نے ابتداء میں تو سلطنت کے کاموں سے دلچسپی کا اظہار کیا لیکن بعد میں سلطنت کا تمام کام امیروں اور وزیروں کے سپرد کرنے کے بعد عیش و عشرت میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس نے مرتے دم تک حکومت کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ لی۔

اس بادشاہ کی بے عقلیوں اور حماقتوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرہند کا حاکم ملک بہلول بغاوت کرنے کے بعد دیپال پور اور لاہور پر قابض ہو گیا۔بادشاہ نے اس کے مقابلے کے لئے حسام خاں کو بھیجا تو اسے شکست ہو گئی۔بادشاہ نے ملک بہلول سے صلح کرنا چاہی تو بہلول نے مطالبہ کیا کہ حسام خاں کو قتل کر دیا جائے اور حمید خاں کو وزیر بنا دیا جائے۔چنانچہ باغی بہلول کے مطالبہ پر وفا شعار حسام خاں بغیر جرم کے قتل کر دیا گیا اور بہلول کا پھوحمید خاں وزیر بن گیا۔اسی طرح ملاوہ کے حکمران سلطان محمود خلجی نے جب 844ھ مطابق 1440ء میں حملہ کر کے دہلی کے نواحی علاقہ پر قبضہ جما لیا تو بادشاہ نے بہلول خاں کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔محمود خلجی اور بہلول خاں میں جنگ چھڑ گئی تو بادشاہ نے چپکے سے اپنا قاصد بھیج کر محمود خلجی سے صلح کر لی جس سے بہلول خاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دہلی کی حکومت کی بے حد تذلیل ہوئی۔ مگر بہلول خاں نے بادشاہ کی صلح کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محمود خلجی کی فوجوں پر حملہ کر کے اسے بری طرح نقصان پہنچایا۔

بادشاہ 845ھ مطابق 1441ء میں جب سامانہ میں آیا ہوا تھا تو اس نے ملک بہلول کا لاہور اور دیپالپور کی حکومت پر قبضہ محض اس لئے تسلیم کرلیا تا کہ ملک بہلول جسرت کھکھڑ کا دماغ درست کر سکے۔ لیکن جسرت گھکڑ جو بے حد چالاک تھا اس نے ملک بہلول سے فوراً صلح کرلی اور بہلول کو مشورہ دیا کہ وہ بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دہلی پر حملہ کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ چنانچہ جسرت گھکڑ کے مشورہ کے مطابق ملک بہلول نے دہلی پر حملہ کر دیا مگر ناکام رہا۔ ملک بہلول کی اس جسارت کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ بادشاہ چوکنا ہو جاتا لیکن وہ بدستور عیش پرستیوں میں ڈوبا رہا اور حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ بیمار ہو کر 849ھ مطابق 1445ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ برس اور چند مہینے حکومت کی۔

سلطان علاء الدین کی تخت نشینی :

سلطان محمد شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین 849ھ مطابق 1445ء میں تخت پر بیٹھا جو نہایت ہی بزدل اور حکومت کے کاموں سے قطعی نا آشنا تھا۔ اس بادشاہ کی بزدلی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ 850ھ مطابق 1446ء میں جب یہ بیانہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا تو کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ جونپور کا حاکم دہلی فتح کرنے آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس کے دل پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ یہ راستہ ہی سے بھاگ کر دہلی واپس آ گیا۔

اس بادشاہ کو بدایوں بے حد پسند تھا۔ چنانچہ 851ھ مطابق 1447ء میں جب یہ بدایوں گیا تو وہیں رہ پڑا اور بڑی مدت کے بعد دہلی واپس آیا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں سارے ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی یہاں تک کہ دہلی کے اکثر علاقے بھی اس کی حکومت سے نکل گئے تھے۔ بس اس بادشاہ کی حکومت دہلی میں بارہ میل کے اندر اندر تھی۔ گجرات، سندھ، مالوہ، ملتان، پنجاب، دکن، بنگال، جونپور، گوالیار، دھولپور، بھدورا، سنبھل، نارنول، بیانہ، اودھ، بہار غرضیکہ ہندوستان کے ہر کونے اور ہر شہر میں بے شمار خود مختار بادشاہ اور راجہ حکومت کر رہے تھے۔ اور یہ بادشاہ دہلی کی صرف بارہ میل کی حکومت پر قانع تھا۔ بادشاہ کی اس کمزوری کو دیکھتے ہوئے ملک بہلول نے 851ھ مطابق 1447ء میں دوبارہ دہلی پر حملہ کیا مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

بادشاہ کا ایک منہ چڑھا امیر رائے پرتاب وزیر سلطنت حمید خاں کا اس لئے مخالف تھا کہ حمید خاں کا باپ اس کے ملک کو تاراج کر کے اس کی بیوی پر قابض ہو گیا تھا۔ چنانچہ رائے پرتاب نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراس کے چند ہمنوا امراء نے بادشاہ سے کہا کہ ملک میں یہ بغاوتیں اس وقت تک بند نہیں ہوں گی جب تک کہ حمید خاں کو وزارت کے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا۔ اگر حضور اس کو معزول کر کے قید کردیں تو سب مطیع ہو جائیں گے اور بہت سے علاقے دہلی کی حکومت کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس احمق بادشاہ نے فوراً وزیر حمید خاں کو گرفتار کر کے قید کردیا۔

بادشاہ کو چونکہ بدایوں بے حد پسند تھا، اس لئے اس نے دہلی کی بجائے بدایوں کو دارالسلطنت بنانے کا ارادہ کیا۔ جب امراء نے اس کی مخالفت کی تو خفا ہو گیا اور 852ھ مطابق 1448ء میں اپنی بیوی کو لے کر بدایوں چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ بادشاہ کے بدایوں جانے کے بعد دہلی میں آئے دن قتل وخون ہونے لگے یہاں تک کہ بادشاہ کے دو سالے بھی قتل ہو گئے۔ مگر بادشاہ بدستور بدایوں میں رنگ رلیاں مناتا رہا۔ بادشاہ کے بدایوں میں قیام کے دوران میں رائے پرتاب نے بادشاہ کو پٹی پڑھائی کے حمید خاں کو قید کرنے سے تو کام چلا نہیں اگر قتل کردیا جائے تو کام بن جائے اور سب فوراً مطیع ہو جائیں۔ بادشاہ نے فوراً حمید کے قتل کا حکم دے دیا۔

حمید خاں وزیر کے بھائیوں اور ہوا خواہوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حملہ کر کے حمید خاں کو قید سے نکال لیا۔ حمید خاں رہا ہونے کے بعد اپنی جمعیت لے کر حرم شاہی میں گھس گیا۔ بادشاہ کی بہو بیٹیوں کی خوب بے عزتی کی۔ چن چن کر بادشاہ کے بیٹوں، بیٹیوں، بیویوں اور خاندان کی عورتوں کو محل سے برہنہ سر کر کے نکال دیا اور شاہی سامان وخزانہ پر قبضہ جما لیا اور ملک بہلول حاکم سرہند کو دہلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دے دی تا کہ وزیر حمید خاں بہلول جیسے مضبوط آدمی کو تخت پر بٹھانے کے بعد اس کے پردہ میں خود حکومت کر سکے۔

ملک بہلول جو پہلے ہی سے دہلی کی حکومت کی تاک میں تھا شہ پاتے ہی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ دہلی کی جانب بڑھا اور دہلی کی حکومت پر 854ھ مطابق 1450ء میں قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد اپنے بڑے بیٹے بایزید کو دہلی میں چھوڑ کر پنجاب اور دیپالپور گیا تا کہ اپنی طاقت کو مستحکم کرے۔ اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پھر دہلی واپس آ گیا۔ دہلی میں اسے بادشاہ کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس رشتہ سے تم میرے بڑے بھائی ہو میں سلطنت تم کو دیتا ہوں اور آپ بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔ اس خط کے ملنے پر 855ھ مطابق 1451ء میں ملک بہلول نے اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ علاء الدین بدایوں میں پڑا رہا اور زمانہ دراز تک زندہ رہا۔ 883ھ مطابق 1478ء میں بدایوں ہی میں اس کا انتقال ہوا۔ یہ خاندان سادات کا آخری بادشاہ تھا جس نے کہ دہلی میں سات سال اور چند ماہ بادشاہی کی اور بدایوں میں اٹھائیس سال زندہ رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدوں کی حکومت پرایک نظر :

سیدوں کے خاندان نے ہندوستان میں تقریباً چھتیس سال حکومت کی لیکن سیدوں کی حکومت ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں کی تاریخ میں کمزور ترین حکومت شمار کی جاتی ہے۔سید خاندان کی حکومت کا بانی خضر خاں جب تخت پر بیٹھا تھا۔اسوقت بھی یہ حکومت نہ ہونے کے برابر تھی لیکن آخر میں جا کر تو یہ حکومت صرف چند میل کے اندر محدود ہو کر رہ گئی تھی اس حکومت کے پہلے دو بادشاہ خضر خاں اور مبارک شاہ ساری عمر اندرونی بغاوتوں کے مٹانے میں مصروف رہے۔ان کے بعد جو دوسرے دو بادشاہ محمد شاہ اور علاء الدین ہوئے وہ برائے نام بادشاہ تھے۔ چنانچہ اس حکومت کے آخری بادشاہ علاء الدین ہی کی زندگی میں سیدوں کی حکومت ختم ہو گئی اور اس پر ملک بہلول نے بڑی آسانی کے ساتھ قبضہ جمالیا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارہواں باب

ہندوستان پر شاہان لودھی کی حکومت

855ھ مطابق 1451ء تا 933ھ مطابق 1526ء

شاہان لودھی جنہوں نے کہ سیدوں کی حکومت کے بعد ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی، ان افغان تاجروں میں سے تھے جو اس ملک میں تجارت کی غرض سے آتے رہتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے ہندوستان میں فوجی ملازمت کرنے کے بعد یہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ بہلول لودھی جو لودھی خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ ہوا ہے۔ اس کا دادا الملک بہرام فیروز تغلق کے عہد حکومت میں ملتان میں آ کر آباد ہوا تھا اور اس نے حاکم ملتان مردان کی ملازمت کر لی تھی۔ ملک بہرام کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک بیٹا اسلام خاں بھی تھا جو حاکم ملتان خضر خاں (سیدوں کی حکومت کا بانی) کے زمانہ میں افغان فوج کا سردار بنا دیا گیا تھا۔ یہ وہی اسلام خاں ہے جس نے اقبال ملو کا سر کاٹ کر خضر خاں کے سامنے پیش کیا تھا اور خضر خاں نے خوش ہو کر اسے سرہند کی حکومت دے دی تھی۔ اسلام خاں کے علاوہ اسلام خاں کے دوسرے چاروں بھائی ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد ار ملک خواجہ بھی فوج میں افسر تھے۔

بہلول لودھی کا باپ اور اسلام خاں کا بڑا بھائی ملک کالا جو دورالہ میں حاکم تھا اس کی مقامی افغانوں سے جنگ چھڑ گئی اور اس لڑائی میں ملک کالا مارا گیا۔ ملک کالا کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی جو ملک کالا کی موت کے وقت حاملہ تھی۔ یعنی باپ کے حادثہ قتل کے وقت بہلول لودھی بطن مادر میں تھا۔ ملک کالا کی موت کے بعد ملک کالا کی بیوہ پر ایک نئی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اس کے مکان کی چھت اس پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئی مگر اس کے پیٹ میں بچہ زندہ رہا جسے پیٹ چاک کر کے نکالا گیا اور اس کا نام بہلول رکھا گیا۔ ابھی بہلول ایک مہینہ کا ہی تھا کہ لوگوں نے اس بچہ کو اس کے چچا اسلام خاں حاکم سرہند کے پاس پہنچا دیا۔ جس نے اسے پالا پوسا اور اس کی پرورش کی۔

بہلول لودھی کی ابتدائی زندگی :

بہلول لودھی اپنے چچا اسلام خاں کی زیر نگرانی تربیت پانے کے بعد ایک نہایت ہی لائق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سپاہی ثابت ہوا۔ چنانچہ ایک لڑائی میں بہلول نے ایسی شجاعت دکھائی کہ اس کے چچا اسلام خاں نے خوش ہو کر اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اسلام خاں کو اپنے اس بھتیجے اور داماد کی فوجی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب اسلام خاں کی رحلت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو محروم کر کے بہلول لودھی ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا لیکن اسلام خاں کے مرنے کے ساتھ ہی اسلام خاں کے خاندان میں سرہند کی حکومت کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

بہلول خاں لودھی جسے اسلام خاں نے جانشین مقرر کیا تھا اپنے آپ کو سرہند کی حکومت کا سب سے بڑا مستحق سمجھتا تھا۔ لیکن اسلام خاں کا بیٹا قطب خاں یہ کہتا تھا کہ میں جائز وارث ہوں، ان دونوں کے علاوہ اسلام خاں کا بھائی ملک فیروز الگ ہی اس کوشش میں تھا کہ سرہند کی حکومت اسے مل جائے۔ آپس کی اس خانہ جنگی سے اسلام خاں کے خاندان کو بے حد نقصان پہنچا۔ چنانچہ بہلول خاں کو پہاڑوں کی خاک چھاننی پڑی۔ ملک فیروز کو جسرت گھکڑ نے دھوکہ دے کر اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ قطب خاں جسے بادشاہ کی حمایت حاصل تھی وہ بھی سرگرداں ہی رہا۔ آخر بہلول لودھی نئے سرے سے افغانوں کی ایک جمعیت فراہم کرنے کے بعد سرہند پر قبضہ جما لیا۔ اب قطب خاں اور ملک فیروز بھی اس سے آن ملے۔

دہلی کے بادشاہ سلطان محمد کو جب معلوم ہوا کہ بہلول سرہند پر قابض ہو گیا ہے تو بادشاہ نے بہلول کی سرکوبی کے لئے وزیر حسام خاں کو بھیجا۔ حسام خاں کو بہلول کے مقابلہ میں شکست ہو گئی۔ بہلول لودھی کی شاہی فوج کے مقابلہ میں یہ پہلی فتح تھی۔ حکومت دہلی پر بہلول لودھی کی دوسری فتح اس کو سمجھنا چاہئے۔ جب بادشاہ کو مجبوراً بہلول سے بہلول کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ اس کے بعد بہلول لودھی سلطان محمد شاہ اور سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں بار بار دہلی کی حکومت پر حملے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ 854ھ مطابق 1450ء میں وزیر حمید خاں کی تحریک پر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ دہلی پر حملہ کر کے حکومت پر قابض ہو گیا۔

سلطان بہلول لودھی کی تخت نشینی :

بہلول لودھی نے دہلی کی حکومت پر قبضہ تو جما لیا لیکن اس کا ایک دوسرا حریف وزیر حمید خاں بھی موجود تھا۔ جو دہلی کی حکومت میں برابر شریک بنا ہوا تھا۔ اس لئے بہلول کے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے تخت نشین ہو جاتے چنانچہ دہلی پر بہلول لودھی کا قبضہ ہو جانے کے باوجود اس وقت تک دہلی کا تخت خالی رہا جب تک کہ بہلول لودھی نے موقعہ پا کر وزیر حمید خاں کو قید نہیں کر لیا۔ وزیر حمید خاں کو قید کرنے کے بعد بہلول سلطان کا لقب اختیار کرنے کے بعد 17 ربیع الاول 855ھ مطابق 1451ء کو تخت پر بیٹھا اپنے نام کا سکہ چلایا اور خطبہ جاری کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہلول لودھی پر شاہ جونپور کا حملہ :

یہ بتایا جاچکا ہے کہ دہلی کی مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کے بعد ہندوستان کے کونے کونے میں خودمختار حکومتیں قائم ہوگئی تھیں۔ ان ہی خودمختار حکومتوں میں سے ایک جونپور کی حکومت بھی تھی جو بڑی طاقتور حکومت شمار کی جاتی تھی۔ اس حکومت کا بادشاہ سلطان علاء الدین کا داماد محمود شاہ مشرقی تھا یہ بادشاہ اول تو سلطان علاء الدین کا داماد ہونے کی وجہ سے دہلی کی حکومت پر اپنا حق سمجھتا تھا۔ دوسرے دہلی کے وہ امرائے سلطنت جو لودھی خاندان کے مخالف تھے انہوں نے محمود شاہ مشرقی کو دہلی پر حملہ کرنے اور دہلی کی حکومت پر قبضہ جمانے کے لیے ابھارا تھا۔ چنانچہ محمود شاہ مشرقی نے ایک ہزار ہاتھی اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر دہلی پر اس نازک وقت میں حملہ کردیا جبکہ بہلول لودھی دیپالپور میں تھا۔ اس حملہ کی تاب نہ لاکر بہلول لودھی کا بیٹا خواجہ بایزید اور لودھی خاندان کی عورتیں اور تمام افراد دہلی کے قلعہ میں محصور ہوگئے۔ چونکہ قلعہ میں مرد کم تھے اس لئے عورتوں نے مردانہ لباس پہن کر قلعہ کے اندر سے محمود شاہ کا مقابلہ کیا۔ جب بہلول لودھی کو دیپالپور میں اس حملہ کا علم ہوا تو افغانوں کی ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے دہلی کی طرف دوڑا۔ محمود شاہ کو جب معلوم ہوا کہ بہلول لودھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ دہلی کی جانب آرہا ہے تو اس نے سلطان بہلول لودھی کو راستہ ہی میں روکنے کے لئے پانی پت کی جانب ایک بہت بڑا لشکر بھیج دیا غرضیکہ اس جنگ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور وہ جونپور واپس چلا گیا۔

محمد شاہ مشرقی اور بہلول لودھی میں جنگ :

کچھ روز کے بعد محمود شاہ شرقی اٹاوہ کے نواح میں بہلول لودھی کے ساتھ لڑنے کے لئے پھر آموجود ہوا۔ لیکن معمولی سی جھڑپ کے بعد دونوں میں صلح ہوگئی اور محمود شاہ جونپور لوٹ گیا لیکن چند ہی روز کے بعد جب سلطان بہلول لودھی نے شمس آباد کا شہر اور قلعہ جونا خان سے لے کر رائے کرن کو دے دیا تو محمود شاہ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی اور وہ بہلول لودھی کے مقابلے کے لئے شمس آباد پہنچ گیا، دونوں لشکروں میں لڑائی چھڑ گئی۔ بہلول لودھی کا سالہ قطب خاں گرفتار ہوگیا۔ اس لڑائی کے دوران میں محمود شاہ بیمار ہوکر مرگیا اور اس کا بیٹا محمد شاہ شرقی تخت پر بیٹھا۔ محمد شاہ کی ماں جو بے حد عقلمند عورت تھی اس نے دونوں لشکروں میں صلح کرادی۔ دونوں لشکر اپنی اپنی حکومتوں کو واپس لوٹ رہے تھے کہ سلطان بہلول لودھی کی ملکہ نے اپنے شوہر کو پیغام بھیجا کہ اگر میرے بھائی قطب خاں کو رہا کرائے بغیر دہلی واپس آؤ گے تو مجھ کو زندہ نہ پاؤ گے۔ سلطان نے اس پیغام کے پاتے ہی محمد شاہ سے لڑنے کے لئے اپنے لشکر کا رخ پھیر دیا۔ محمد شاہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بھی سلطان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مقابلہ کے لئے آگیا اور پھر دوبارہ دونوں لشکروں کا مقابلہ پرگنہ راپری میں ہوا۔ کئی دن تک جنگ ہوتی رہی لیکن بہلول لودھی کی خوش قسمتی سے محمد شاہ شرقی اور اس کے بھائیوں میں جونپور کے تخت کے لئے شکر رنجی شروع ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد شاہ شرقی نے اپنے بھائی حسن شاہ کو قتل کرادیا۔ اس کے علاوہ محمد شاہ شرقی کا دوسرا بھائی شہزادہ جلال لودھیوں کے ہاتھ پڑ کر گرفتار ہوگیا اور محمد شاہ شرقی کا تیسرا بھائی شہزادہ حسین خاں تخت پر قبضہ جمانے کے لئے جونپور بھاگ گیا۔ اب محمد شاہ شرقی کو اپنی بادشاہت کی فکر ہوئی۔ غرضیکہ وہ مورچہ کو ناتمام چھوڑ کر اور فوج ساتھ لے کر بھائی کے تعاقب میں دوڑا لیکن محمد شاہ شرقی جب جونپور پہنچا تو حسین خاں جونپور کا بادشاہ بن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے محمد شاہ شرقی کا کام تمام کردیا۔ حسین خاں نے جونپور کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطان بہلول لودھی سے تین سال کے لئے صلح کرلی۔ قطب خاں کو رہا کر کے عزت کے ساتھ بھیج دیا۔ اس کے جواب میں بہلول لودھی نے بھی حسین خاں کے بھائی شہزادہ جلال کو رہا کردیا۔

حسین شاہ اور بہلول لودھی کی لڑائیاں :

جونپور کے نئے بادشاہ حسین شاہ اور بہلول لودھی میں حسب وعدہ تین سال تک تو صلح رہی لیکن تین سال کے بعد ان دونوں میں پھر جنگ چھڑ گئی چنانچہ جس زمانہ میں کہ بہلول لودھی پنجاب اور ملتان کی بدنظمیوں کے دور کرنے میں مصروف تھا اسے اطلاع ملی کہ حسین شاہ ایک بڑا لشکر لے کر دہلی کی جانب آرہا ہے۔ سلطان بہلول لودھی مقابلہ کے لئے فوج لے کر پنجاب سے دہلی کی جانب چلا اور موضع چندوار میں حسین شاہ کے لشکر پر حملہ کردیا۔ سات دن لڑائی ہوتی رہی لیکن بعد میں تین سال کے لئے دوبارہ صلح ہوگئی۔ مگر تین سال گزرنے کے بعد ان دونوں میں پھر جنگ چھڑ گئی۔ پہلے تو حسین شاہ نے اٹاوہ پر حملہ کیا، اس کے بعد اٹاوہ سے دہلی کی تسخیر کے لئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا لیکن امرائے سلطنت نے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی۔ مگر ان کی لڑائیوں کا سلسلہ پھر بھی جاری رہا۔ چنانچہ ایک لڑائی دہلی کے قریب سنکرہ میں ہوئی جو صلح پر ختم ہوگئی۔ 883ھ میں حسین شاہ نے پھر دہلی پر حملہ کیا مگر ناکامی ہوئی اور بہلول لودھی نے آگے بڑھ کر حسین شاہ کے اکثر علاقے دبالئے۔ اس کے بعد تقریباً ہر لڑائی میں حسین شاہ کو بہلول لودھی کے مقابلے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہلول لودھی نے سلطنت جونپور پر حملہ کر کے 883ھ مطابق 1478ء میں اسے فتح کرلیا، اور جونپور کی حکومت جو یوپی کے بیشتر حصہ میں پھیلی ہوئی تھی پھر زمانہ دراز کے بعد حکومت دہلی کے ساتھ شامل ہوگئی۔ سلطان بہلول لودھی اور شاہ جونپور کی یہ لڑائیاں برابر 26 سال تک جاری رہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہلول لودھی کے بیٹوں میں حکومت کی تقسیم :

جونپور کی فتح کے بعد بہلول لودھی کو خیال پیدا ہوا کہ حکومت کو اپنے تمام بیٹوں اور عزیزوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ کوئی بھی حکومت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ جونپور کا علاقہ بڑے بیٹے شہزادہ باربک کو دے دیا۔ شہزادہ عالم خاں کو کڑہ مانک پور عطا کر دیا۔ اپنے بھانجے شیخ محمد فرملی کو بہرائچ اور اپنے پوتے اعظم ہمایوں بن خواجہ بایزید کو لکھنؤ کالپی اور خان جہاں جو معتمد امراء میں سے تھا اس کو بدایوں عطا ہوا اور شاہزادہ نظام خاں (سکندر لودھی) کو دہلی اور دوآبہ کا بہت سا علاقہ دینے کے بعد اسے ولی عہد سلطنت مقرر کر دیا۔

سلطان کی صحت برابر کئی سال سے گرتی چلی جا رہی تھی۔ چنانچہ 894ھ مطابق 1488ء میں جب وہ اٹاوہ سے دہلی آ رہا تھا تو راستہ میں بیمار ہو گیا۔ اس موقع پر امرائے سلطنت نے سلطان پر زور دیا کہ وہ سکندر لودھی کے بجائے جو ایک سنارن کا لڑکا ہے اپنے پوتے اعظم ہمایوں کو ولی عہد نامزد کر دے۔ بادشاہ جو امرائے سلطنت کے ہاتھ میں تھا راضی ہو گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ بادشاہ اعظم ہمایوں کی ولی عہدی کا اعلان کرے اس کی حالت زیادہ بگڑ گئی۔ چنانچہ 894ھ مطابق 1488ء میں بھدالی کے قریب ضلع سکیت میں بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ سلطان بہلول لودھی نے 38 برس 8 مہینے 7 دن حکومت کی۔ جب وہ مرا ہے تو اس کی حکومت شمال میں جمنا سے کوہ ہمالیہ تک مشرق میں صوبہ بہار تک اور مغرب میں پنجاب اور ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔

بہلول لودھی ایک نہایت ہی فیاض طبع اور وسیع نظر بادشاہ تھا وہ شریعت اسلامیہ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ اس کا سلوک برادرانہ تھا چنانچہ رائے کرن اور ہندو امراء کو اس نے مسلمان امراء کے مقابلہ میں ہمیشہ ترجیح دی اور ہندو امراء کو شاہان جونپور کی دستبرد سے بچانے کے لئے اس نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اس نے بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ جب بعض امرائے سلطنت اس سے خفا ہو جاتے تو وہ ان کے گھر جا کر ان کو منا لاتا۔ پٹھان امرائے سلطنت جو زیادہ تر اس کے ہم وطن اور رشتہ دار تھے جب اس کے پاس آتے تھے تو وہ تخت چھوڑ کر ان کے برابر آن بیٹھتا تھا تاکہ چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹ جائے۔ وہ بڑا ہی منکسر المزاج بادشاہ ہوا ہے۔ حتی المقدور لڑائی سے بچتا تھا لیکن جب لڑائی میں کود پڑتا تھا تو دشمن کو شکست دیئے بغیر کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں دہلی کی گرتی ہوئی حکومت کو سنبھالنے کے بعد اسے ایک مضبوط حکومت کی شکل دے دی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان سکندر لودھی

اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ امرائے سلطنت نظام خاں (سکندر لودھی) کی بجائے سلطان کے پوتے اعظم ہمایوں کو دہلی کے تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ نظام خاں (سکندر لودھی) کی ماں بی بی زیبا جو سلطان کی موت کے وقت سلطانوں کے پاس تھی اس نے یہ رنگ دیکھا تو فوراً اپنے بیٹے کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر جلد آؤ گے تو باپ کے تخت پر بیٹھ جاؤ گے اور اگر دیر کرو گے تو رہ جاؤ گے۔ ماں کا یہ پیغام پاتے ہی نظام خاں فوراً روانہ ہو گیا۔

سلطان کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو نظام خاں (سکندر لودھی) کے حق میں تھا کیونکہ بادشاہ اسے ولی عہد بنا چکا تھا۔ دوسرا گروہ بادشاہ کے بڑے بیٹے باربک شاہ کا حامی تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پٹھانوں کے تخت پر ایک معمولی سنار کی لڑکی کا بیٹا یعنی سکندر لودھی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس تخت پر تو باربک شاہ ہی بیٹھے گا جو ایک معزز پٹھانی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ امراء کا تیسرا گروہ بہلول لودھی کے پوتے اعظم ہمایوں کے حق میں تھا۔ غرضیکہ امرائے سلطنت میں یہ رسہ کشی جاری ہی تھی کہ نظام خاں (سکندر لودھی) پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی اس کے حامی امراء کی طاقت بڑھ گئی اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ نظام خاں ہی دہلی کے تخت پر بیٹھے گا۔ چنانچہ جمعہ کے دن 7 شعبان 894ھ مطابق 1488ء کو کالی ندی کے کنارے نظام خاں کی تخت نشینی کی رسم انجام دی گئی۔ نظام خاں نے سکندر لودھی کے خطاب کے ساتھ اپنے دور حکومت کی ابتدا کی۔ سکندر لودھی جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔

سکندر لودھی کی جنگی سرگرمیاں:

سکندر لودھی ایک لائق سپہ سالار تھا جس نے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ایک طرف تو ملک کی اندرونی بغاوتوں کو دبا دیا اور دوسری جانب نئی فتوحات سے اپنے ملک کو ترقی دی۔ سکندر لودھی کو اپنے ابتدائی دور حکومت میں سب سے زیادہ اپنے بھائیوں کی مخالفت اور فوجی یورشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ 895ھ مطابق 1489ء میں اس کو اپنے بھائی باربک شاہ سے جو شاہ جونپور بن چکا تھا جنگ کرنی پڑی۔ اس جنگ میں باربک شاہ کو شکست ہوئی اور جونپور کی حکومت بھی دہلی کے ساتھ ملحق ہو گئی۔ لیکن سلطان نے اپنے بھائی باربک شاہ کو بدستور جونپور کا حاکم رہنے دیا۔ صرف فرق اتنا ہو گیا کہ اب باربک شاہ سلطان کا مطیع بن گیا۔ اس کے بعد سکندر لودھی نے اپنے ان دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائیوں اور عزیزوں کو اطاعت کے لئے مجبور کیا جو بہلول لودھی کی حکومت کے بعض حصوں پر خودمختارانہ حیثیت سے قابض ہو گئے تھے۔ سکندر لودھی نے بیانہ اور بیدر پر حملہ کر کے ان کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ سلطان حسین شرقی سے بھی سکندر لودھی کی کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں کہ شرقی کو شکست ہوئی۔ 923ھ مطابق 1517ء میں سلطان بیمار ہوا اور 7 ذیقعد 923ھ مطابق 1517ء کو آگرہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے دہلی کے تخت پر 8 سال اور 5 مہینے حکومت کی۔

سکندر لودھی کی زندگی پر ایک نظر:

سکندر لودھی کی سب سے بڑی یادگار شہر آگرہ ہے۔ جس کی بنیاد اس بادشاہ نے 911ھ مطابق 1505ء میں رکھی تھی۔ آگرہ کی تعمیر کے لئے جمنا کے کنارے دو برابر کے ٹیلوں میں سے ایک اونچا ٹیلہ تجویز کیا گیا تھا جب بادشاہ اس ٹیلے کو دیکھنے گیا اور اس نے تعمیرات کے مہتمم سے پوچھا کہ شہر کی تعمیر کے لئے کون سا ٹیلہ تجویز کیا گیا ہے تو اس نے کہا کہ ''اگرا'' یعنی اگلا۔ سلطان نے کہا کہ اس شہر کا نام ''اگرا'' ہی رکھا جائے۔ یہ ہے اس شہر کے نام کی وجہ تسمیہ۔

سکندر لودھی جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے سیکڑوں من سونا علماء اور غرباء میں تقسیم کرایا۔ وہ عاقبت کے خوف سے بے حد ڈرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھ کو عاقبت میں شراب نوشی اور ان گناہوں کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی جو میں نے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں کیے ہیں۔ یہ بادشاہ عدل و انصاف کا بے حد دلدادہ تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کی رعایا کے کسی فرد کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو وہ امرائے سلطنت کا سچا دوست تھا اور ان کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا تھا۔ باپ کی طرح اس میں بھی انکسار کی خوبی نمایاں تھی۔ مساکین اور غرباء کی امداد کے لئے اس نے ایک خاص محکمہ قائم کر رکھا تھا جس سے محتاجوں کو ہر قسم کی مالی امداد دی جاتی تھی وہ مساجد کے بنانے کا بے حد شائق تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی میں بے شمار مسجدیں تعمیر کرائیں۔

وہ توہمات اور بدعتوں کا شدید مخالف تھا۔ اس نے سالارِ مسعود کی چھڑیاں حکماً بند کر دی تھیں۔ تعزیہ داری کا بھی وہ مخالف تھا اور اس نے عورتوں کی مزارات پر حاضری کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ سکندر لودھی نے ان ہندوؤں کو بھی سنگین سزائیں دیں جو اس کے دور حکومت میں شدھی کی تحریک لے کر اٹھے تھے۔

سکندر کے دور میں ہندوؤں نے فارسی پڑھنی شروع کی:

سلطان سکندر ہی وہ مسلمان بادشاہ ہے جس کے عہد حکومت میں ہندوؤں نے فارسی پڑھنا شروع کی۔ اسی بادشاہ کے زمانہ میں سنسکرت کی کتابوں کے تراجم فارسی زبان میں کیے گئے۔ سکندر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لودھی کی خواہش تھی کہ سرکاری دفتروں میں مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو بھی اہم عہدے دیئے جائیں لیکن ہندو کیونکہ فارسی زبان سے نا آشنا تھے اس لئے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی آخر اس نے ہندوؤں کے نمائندوں کو بلا کر زور دیا کہ وہ فارسی پڑھیں۔ برہمنوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم کو دھرم کرم کے کام سے فرصت نہیں۔ چھتریوں نے کہا کہ ہم سپاہی ہیں ہم کو علم وفن سے کیا غرض۔ ویشوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی تجارت کے کاموں میں اس قدر منہمک ہیں کہ ادھر توجہ ہی نہیں کر سکتے۔ صرف کایت یعنی کایست جو پہلے سے سنسکرت کی کتابت کا علمی کام کرتے تھے فارسی پڑھنے کے لئے تیار ہوئے۔ چنانچہ کایستوں میں عربی فارسی کے بہت بڑے بڑے علماء ہوئے ہیں اور ان کو اپنی فارسی دانی کی بناء پر اسلامی حکومتوں میں بڑا عروج حاصل ہوا ہے سکندر فن طب کا بھی بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس نے ہندوستان اور سیستان کے لائق اطباء سے "طب سکندری" کے نام سے ایک کتاب مرتب کرائی تھی جو فن طب میں ایک نہایت ہی مستند تالیف شمار کی جاتی تھی۔

سلطان ابراہیم لودھی

آگرہ میں سلطان سکندر لودھی کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت اور افغانوں نے یہ طے کیا کہ سکندر لودھی کی حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی بڑا بیٹا ابراہیم لودھی دہلی کے تخت پر بیٹھے اور جونپور کی حکومت ابراہیم لودھی کے بھائی جلال خاں کے سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق 7 ذی الحجہ 923ھ مطابق 1517ء کو سلطان ابراہیم لودھی کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ آگرہ میں تخت نشین کیا گیا اور اس کے بعد امرائے سلطنت نے ابراہیم لودھی کے بھائی جلال الدین کو سلطان جلال الدین کا خطاب دے کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جونپور روانہ کر دیا۔ تاکہ وہ جونپور پہنچنے کے بعد وہاں کی مسند حکومت کو سنبھالے۔ یعنی امرائے سلطنت نے جو ابراہیم لودھی سے خوش نہیں تھے، اس طرح نہایت ہوشیاری کے ساتھ حکومت کے دو ٹکڑے کر کے ابراہیم لودھی کی طاقت کو ابتداء ہی میں تقسیم کر دیا۔

ابراہیم لودھی کی بھائی کے خلاف سازشیں :

سلطنت کی یہ تقسیم اگرچہ ابراہیم لودھی کو ناپسند تھی لیکن ابتداء میں اس نے اس لئے مخالفت نہیں کی کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں امرائے سلطنت اور افغان سردار اسے ایک سرے ہی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت سے محروم کر کے جلال الدین کو دہلی کے تخت پر نہ بٹھا دیں لیکن جونہی وہ تخت نشین ہو گیا، اس نے ایک منٹ ضائع کئے بغیر اپنے بھائی جلال الدین کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور نہایت ہوشیاری سے امرائے جونپور کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد ان سب کو جلال الدین کی مخالفت کے لئے کھڑا کر دیا۔ چنانچہ امرائے جونپور کھلم کھلا جلال الدین کے خلاف آمادۂ پیکار ہو گئے۔ جلال الدین نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے سب سے پہلے تو سلطنت جونپور کی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرایا اور پھر اپنے ساتھ اعظم ہمایوں کو ملا کر یہ طے کیا کہ پہلے تو جونپور کے ان امرائے سلطنت کو کچلا جائے جو سلطان ابراہیم لودھی کے حامی ہیں اور اس کے بعد آگرہ کی جانب رُخ کیا جائے۔ سلطان ابراہیم لودھی کو جب اپنے بھائی جلال الدین کے ان ارادوں کا علم ہوا تو وہ ایک بڑا لشکر لے کر قنوج جا پہنچا۔ ابراہیم لودھی کی خوش قسمتی سے اعظم ہمایوں جلال الدین سے برگشتہ ہو کر ابراہیم لودھی کے پاس چلا آیا۔ جس سے کہ سلطان کی طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ سلطانی لشکر نے سب سے پہلے کالپی پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔ ادھر جلال الدین ایک بڑا لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا لیکن سلطانی لشکر سے مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور نہایت ہی ذلت آمیز شرائط کے ساتھ سلطانی لشکر کے سپہ سالار ملک آدم سے صلح کر لی اور واپس لوٹ گیا۔ جب اس صلح کا علم ابراہیم لودھی کو ہوا تو اس نے اس صلح کو تسلیم نہیں کیا اور جلال الدین کے مقابلہ کے لئے خود بڑھا۔ لیکن جلال الدین نے بھاگ کر راجہ گوالیار کے پاس پناہ لے لی۔ ابراہیم لودھی نے گوالیار پر بھی حملہ کر دیا۔ گوالیار فتح ہو گیا اور جلال الدین گرفتار ہونے کے بعد قید ہوا اور قید خانے میں اسے قتل کرا دیا گیا۔ جلال الدین کے علاوہ ابراہیم لودھی نے اپنے دوسرے بھائیوں یعنی اسمٰعیل خاں، حسین خاں، محمود خاں اور دولت خاں کو اس سے قبل ہی ہانسی کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ غرضیکہ اس طرح ابراہیم لودھی کا کوئی مدمقابل میدان میں باقی نہیں رہا۔

ابراہیم لودھی کی رعونت اور غرور :

باپ کی پوری سلطنت پر قابض ہونے کے بعد ابراہیم لودھی کی رعونت اور غرور میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ افغان سرداروں کے ساتھ اس نے ادنیٰ نوکروں جیسا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ وہ افغان امیر جو بہلول لودھی اور سکندر لودھی کی مجلس میں ان بادشاہوں کے برابر بیٹھتے تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ وہ دربار میں دست بستہ کھڑے ہوا کریں۔ سکندر لودھی کے زمانہ کے جو امرائے سلطنت تھے ان کو ایک مکان میں دھوکہ سے بلا کر بارود سے اڑا دیا۔ اعظم ہمایوں جس کی وجہ سے ابراہیم لودھی کو جلال الدین پر فتح حاصل ہوئی تھی اسے دہلی بلا کر پہلے تو قید کر دیا اور پھر قتل کروایا۔

بادشاہ کی ان ظالمانہ حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ افغان جن کے بل پر بہلول لودھی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں لودھی خاندان کی بنیاد رکھی تھی سب کے سب ابراہیم لودھی کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے اور انہوں نے سلطان کے خلاف بغاوتیں شروع کر دیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود افغان ہی اپنے دوسرے افغان بھائیوں کا خون بہانے لگے۔ بعض افغان سرداروں نے سلطان کے دشمن رانا سنگا والی چتوڑ سے ساز باز کر لی۔ رانا سنگا نے افغانوں کی مدد حاصل ہونے کے بعد سلطانی لشکر پر چڑھائی شروع کر دی۔ پہلے تو سلطانی لشکر کو شکست ہوئی مگر بعد میں سلطانی لشکر رانا سنگا کی فوج پر غالب آ گیا۔ رانا سنگا کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ میدان سے فرار ہو گیا۔

اسی دوران میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ بہادر خان نے بہار میں بغاوت برپا کر دیا ہے۔ بادشاہ نے ہر چند اس بغاوت کو دبانا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور صوبہ بہار بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بابر کو ہندوستان آنے کی دعوت :

امرائے سلطنت پر سلطان کے مظالم انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ جن امراء سے بادشاہ ناراض ہو جاتا تھا۔ ان کو قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ دولت خاں لودھی حاکم پنجاب سے بھی ناراض ہو گیا اور اس کے بیٹے دلاور خاں سے کہا کہ اگر تیرا باپ میرے پاس فوراً دہلی نہ پہنچ گیا تو اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو دوسرے امرائے سلطنت کا ہوا ہے۔ دلاور خاں کسی طرح دہلی سے بھاگ کر باپ کے پاس پنجاب پہنچ گیا۔ اور بادشاہ کے مظالم کے تمام واقعات بیان کرنے کے بعد باپ سے کہا کہ اپنی حفاظت کا انتظام کر و ورنہ بادشاہ کے ہاتھوں بڑی ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ دولت خاں لودھی کے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ابراہیم لودھی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے۔ چنانچہ بادشاہ کے خلاف اس نے پنجاب میں بغاوت برپا کر دی اور اپنے بیٹے دلاور خاں کو کابل بھیجنے کے بعد ظہیر الدین بابر شاہ سے التجا کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر کے ہندوستان کے باشندوں کو ابراہیم لودھی کے ظلم سے نجات دلائے۔

بعض مورخوں کا بیان ہے کہ صرف دولت خاں لودھی ہی نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ ابراہیم لودھی کا چچازاد بھائی عالم خاں جس کو علاء الدین بھی کہتے ہیں وہ بھی اس حملہ کا بہت بڑا محرک تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ابراہیم لودھی کی قید سے بھاگ کر بابر کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس نے بابر کو بتایا کہ ابراہیم لودھی کے مظالم حد سے بڑھ چکے ہیں۔ اس نے 23 امراء سلطنت کو بلاوجہ قتل کرا دیا ہے اور ان کے خاندانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اس بادشاہ کی حالت یہ ہے کہ یہ امیروں کو لٹکا دیتا ہے اور ان کو زندہ جلا دیتا ہے۔ ان مظالم سے تنگ آ کر امرائے سلطنت نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے وہ سب آپ کی تشریف آوری کے منتظر بیٹھے ہیں۔ حاکم پنجاب دولت خاں ارا ابراہیم لودھی کے چچازاد بھائی علاء الدین کے علاوہ چتوڑ کے راجہ رانا سنگا نے بھی بابر کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور بابر کو یقین دلایا تھا کہ اگر بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ فوج اور روپیہ سے اس حملہ میں بابر کی زیادہ سے زیادہ امداد کرے گا۔ رانا سنگا نے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ ہندوستان کا ہر راجپوت بچہ اس معرکہ میں بابر کے ساتھ اپنی جان قربان کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہے۔

بابر کا ہندوستان پر حملہ :

بابر جو خود ہی ہندوستان کی فتح کا جذبہ اپنے دل میں لئے ہوئے تھا۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہندوستان پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے قبل علاء الدین (عالم خاں) کے ساتھ پانے سرداروں کو لشکر لے کر روانہ کر دیا تا کہ وہ پہلے ہی سے ہندوستان کی تسخیر کا کام شروع کر دیں۔ چنانچہ یہ لشکر امرائے سلطنت کو تابع بناتا ہوا لاہور جا پہنچا اور اس کے بعد دولت خاں لودھی اور علاء الدین نے دہلی پر حملہ کا اہتمام شروع کر دیا لیکن مغل لشکر بابر کے آنے سے قبل دہلی کی فتح کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر علاء الدین مغل لشکر سے علیحدہ ہو کر خود ہی دہلی پر حملے کے لئے بڑھا۔ ابراہیم لودھی بھی مقابلے کے لئے آ گیا۔ دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر ان دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ لیکن اس معرکہ میں علاء الدین کو شکست ہوئی اور وہ پنجاب بھاگ گیا۔

اسی دوران میں بابر بھی مزید لشکر کے ساتھ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ 933ھ مطابق 1526ء میں وہ خود ہی ابراہیم لودھی کے مقابلہ کے لئے لشکر لے کر پانی پت کے میدان میں آ ڈٹا۔ دونوں لشکروں میں زبردست معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بابر کو فتح نصیب ہوئی اور سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا۔ اور اس طرح بابر کے ہاتھوں اس لودھی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس کی بنیاد بہلول لودھی نے رکھی تھی۔ ابراہیم لودھی نے ہندوستان میں بیس سال حکومت کی اور شاید خاندان لودھی کی حکومت کا چراغ ابھی گل نہ ہوتا اگر اس خاندان میں ابراہیم لودھی جیسا ظالم، مغرور، ناعاقبت اندیش بادشاہ پیدا نہ ہوا ہوتا۔

لودھیوں کی حکومت پر ایک نظر :

لودھی خاندان نے ہندوستان میں تقریباً 68 سال حکومت کی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی تھا جس کی تقریباً ساری عمر شاہان جونپور سے لڑنے میں گزری۔ جونپور کی فتح کے بعد بہلول لودھی کی حکومت ایک مضبوط حکومت بن گئی جس کو اس خاندان کے دوسرے بادشاہ سکندر لودھی نے اور بھی زیادہ وسیع کر لیا تھا۔ بہلول لودھی اور سکندر لودھی نہایت ہی نیک دل اور منکسر

www.KitaboSunnat.com

المزاج بادشاہ تھے۔ جنہوں نے اپنے ہم قوم افغانوں کی خوب سرپرستی کی اور ان افغانوں کے بل پر برابر ترقی کرتے رہے۔ لیکن اس خاندان کے آخری بادشاہ ابراہیم لودھی نے اپنی رعونت اور ظالمانہ کارروائیوں سے خود اپنی ہی قوم کو یعنی افغانوں کو اپنا دشمن بنالیا، چنانچہ ان افغانوں نے مغلوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دے کر ہمیشہ کے لئے لودھی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کرادیا۔

شاہان لودھی کے دور حکومت کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ سلطان بہلول لودھی کے زمانہ سے لے کر ابراہیم لودھی کے دور حکومت تک ضروریاتِ زندگی نہایت ہی ارزاں تھیں۔ اناج ایک روپیہ کا دس من ملتا تھا۔ گھی روپے کا پانچ سیر تھا اور کپڑا چھ پیسے گز تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء کی ارزانی کا بھی یہی حال تھا۔ رعایا خوش حال اور فارغ البال تھی۔ مورخوں کی رائے ہے کہ اگر اس خاندان میں ابراہیم لودھی جیسا ظالم اور ناعاقبت اندیش بادشاہ نہ پیدا ہوا ہوتا تو لودھی حکومت جس سے کہ رعایا خوش تھی شاید کئی صدی تک قائم رہتی لیکن ابرہیم لودھی کی بے عقلیوں نے ان مغلوں کو ہندوستان میں اپنی حکومت جمانے کا موقع دے دیا۔ جو قطب الدین ایبک کے زمانے سے لے کر تیمور کے حملے تک بار بار ہندوستان پر حملے کر کے لوٹ مار کرتے رہے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارہواں باب

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا پہلا دور

933ھ مطابق 1526ء تا 947ھ مطابق 1540ء

ظہیر الدین بابر نے 633ھ مطابق 1526ء میں پانی پت کے میدان میں سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد ہندوستان سے ان بہادر پٹھانوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جو ہندوستان میں صدیوں سے فرمانروائی کر رہے تھے اور جنہوں نے کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی اپنے مقابلہ پر جمنے نہیں دیا تھا۔ ظہیر الدین بابر کی اس تاریخی فتح کے بعد سے ہندوستان میں ان روسی ترکوں کی حکومت کا دور شروع ہو گیا جو مغلوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ حالانکہ ظہیر الدین بابر اور اس کی اولاد مغل سے کہیں زیادہ ترک کہلانے کی مستحق تھی کیونکہ ظہیر الدین بابر ددھیال کی طرف سے روسی ترک تھا اور ننھیال کی طرف سے مغل تھا۔ لیکن شاید ان روسی ترکوں کو اس لئے مغل کہا گیا کیونکہ صدیوں سے ان میں آپس میں رشتے ہونے کے بعد ان کا خون مخلوط ہو چکا تھا۔

ظہیر الدین بابر کی ابتدائی زندگی :

قبل اس کے کہ ہم ظہیر الدین بابر کی فتوحات پر روشنی ڈالیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حوصلہ مند اور مصیبتوں سے نہ گھبرانے والے سپاہی کی ابتدائی زندگی کے کچھ حالات پیش کر دیں۔ تا کہ ان سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اس لائق سپہ سالار نے کتنی مصیبتوں اور ٹھوکروں کے بعد ہندوستان کا تخت حاصل کیا تھا۔

ظہیر الدین بابر کا باپ عمر شیخ مرزا امیر تیمور کا پوتا تھا۔ امیر تیمور کے مرنے کے بعد کیونکہ اس کی وسیع حکومت اس کے بے شمار بیٹوں اور پوتوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس لئے بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کو صرف فرغانہ کی چھوٹی سی حکومت مل سکی جس کا پایہ تخت اندجان تھا۔ اور جس میں تاشقند، شاہرخیہ، بیرون، اخسی، کاشان اور چند دوسرے چھوٹے چھوٹے علاقے شامل تھے اور یہ علاقے بھی محفوظ نہ تھے۔ کیونکہ آئے دن امیر تیمور کی اولاد میں آپس میں ملک گیری کے لئے جنگ ہوتی رہتی تھی۔

بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کی عمر 35 سال کی تھی کہ وہ اچانک ایک بلند عمارت سے گر کر مر گیا۔

www.KitaboSunnat.com

اس کے مرنے کے بعد 899ھ مطابق 1493ء میں ظہیر الدین بابر بارہ برس کی عمر میں بمقام اندجان حکومت فرغانہ کے تخت پر بیٹھا۔ ابھی اسے تخت پر بیٹھے دیر نہیں ہوئی تھی کہ معلوم ہوا کہ بابر کے چچا سلطان احمد مرزا نے حکومت فرغانہ پر فوج کشی کر دی ہے اور اکثر مقامات کو فتح کرنے کے بعد چچا کی فوجیں دارالسلطنت اندجان کی جانب بڑھ رہی ہیں لیکن بابر کی خوش قسمتی کہ اس کے چچا کی فوج میں بیماری پھیل گئی اور چچا کو بھتیجے سے صلح کرنے کے بعد سمرقند واپس جانا پڑا۔ سمرقند جاتے ہوئے سلطان مرزا راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔ بابر کو ابھی اس مصیبت سے بمشکل نجات ملی تھی کہ معلوم ہوا کہ بابر کے ماموں محمود خاں احسنی نے علاقہ کا محاصرہ کرلیا ہے اور کاشان پر قبضہ جمالیا ہے لیکن محمود خاں چونکہ قلعہ احسنی کو فتح نہ کرسکا۔ اس لئے وہ بھی واپس چلا گیا۔

بابر کو چچا اور ماموں سے فرصت ملی تو عمال حکومت نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ بابر نے باغیوں کو شکست دے دی اور 902ھ مطابق 1496ء میں اپنے چچا کے علاقہ پر حملہ کر کے سمرقند کو بھی فتح کرلیا۔ لیکن بابر نے چونکہ سمرقند کی فتح کے بعد فوج کو شہر لوٹنے کی اجازت نہیں دی تھی اس لئے فوج بگڑ کر گھروں کو واپس چلی گئی اسی دوران میں سمرقند میں بابر بیمار ہو گیا اور اسے مجبوراً سمرقند چھوڑ کر اندجان کے لئے روانہ ہونا پڑا لیکن اسے راستہ میں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی جہانگیر خاں نے اس کی غیر موجودگی میں فرغانہ کی حکومت پر قبضہ جمالیا ہے اور اندجان کا محاصرہ کر رکھا ہے یعنی بابر کو سمرقند بھی نہیں ملا اور اپنی حکومت بھی ہاتھ سے نکل گئی بس پھر کیا تھا فوج نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف سوڈیڑھ سوسپاہی اس کے پاس رہ گئے۔ غرضیکہ بابر بے یارومددگار رہ گیا۔

بابر ٹھوکریں کھاتا ہوا اپنے ماموں کے پاس خجند چلا گیا جہاں اس کی ماں اور نانی بھی اندجان سے جان بچا کر پہنچ گئی تھیں۔ چندروز تو وہ اپنے عزیزوں میں رہا لیکن اس کے بعد پھر وہ قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود محض اپنی فطری شجاعت کی بناء پر فرغانہ کے علاقہ مرغینان پر قبضہ جمالیا۔ فرغانہ کی رعایا چونکہ بابر کے بھائی جہانگیر مرزا اور اس کے ساتھی اوزون حسن اور احمد تنبل کے ظلم وستم سے بیزار تھی۔ اس لئے جب اس نے بابر کے آنے کی خبر سنی تو بابر کی ساتھی ہوگئی اور ان کی امداد سے بابر نے دوبارہ فرغانہ کی حکومت حاصل کرلی۔ لیکن بابر مغل سپاہیوں سے بدظن تھا۔ جب اس نے چاہا کہ مغلوں کو فرغانہ سے نکال دے تو پانچ ہزار مغل سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ سخت خونریزی ہوئی ور بابر کی حکومت پھر اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے بھائی جہانگیر اور احمد تنبل کے قبضہ میں چلی گئی۔

بابر نے اب بھی ہمت نہ ہاری اس نے صرف ڈھائی سو سپاہیوں کی مدد سے سمرقند کا قلعہ فتح کرلیا۔ لیکن جب شیبان خان نے سمرقند پر حملہ کیا تو بابر اس کا مقابلہ نہ کرسکا اور گرفتار کرلیا گیا۔ آخر بابر کو اس شرط پر رہائی ملی کہ وہ اپنی بہن خان زاد بیگم کا شیبان خاں سے نکاح کر دے اور اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جان بچا کر جدھر منہ اٹھے نکل جائے۔ بابر سمرقند اور اپنی بہن کو ہاتھ سے کھونے کے بعد آدھی رات کو سمرقند سے نکلا اور دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرا نہ اس کے پاس کھانے کو تھا نہ بدن پر کپڑا تھا اور نہ پاؤں میں جوتی۔ مدتوں برہنہ پا رہنے سے بابر کو ننگے پاؤں پھرنے کی ایسی عادت ہوگئی تھی کہ وہ پہاڑوں اور پتھروں پر بلا تکلف سینکڑوں میل برہنہ پا سفر کر لیتا تھا۔ ان مصائب کے باوجود بابر نے ہمت نہ ہاری اس نے پھر ایک بار محض اپنی جرأت کی بنا پر فرغانہ کے بعض علاقوں کو فتح کر لیا۔ لیکن اس کے پاس چونکہ فوج نہیں تھی اس لئے ان علاقوں کو بھی چھوڑنا پڑا اور وہ پھر جنگلوں کی خاک اڑانے لگا۔ کبھی کبھی تو حالت یہ ہوتی تھی کہ بابر اپنی بے بسی پر بے اختیار رو پڑتا تھا۔

بابر کا بلخ اور کابل پر قبضہ :

بابر جس زمانہ میں حیران و پریشان پھر رہا تھا تو اس کے بعض ہمدردوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ترکستان کو خیر باد کہہ کر افغانستان میں قسمت آزمائی کرے۔ چنانچہ بابر بلخ کی جانب روانہ ہوا، جہاں بابر کے چچا کا ایک دوست خسرو شاہ فرمانروائی کر رہا تھا۔ خسرو شاہ ایک ظالم بادشاہ تھا۔ رعایا اور فوج اس سے متنفر تھی۔ جونہی بلخ والوں کو معلوم ہوا کہ بابر آیا ہوا ہے بلخ کے امراء اور بلخ کی آٹھ ہزار فوج بابر کے ساتھ آن ملی۔ بابر کی قسمت نے پلٹا کھایا، بابر نے بلخ پر قبضہ جمالیا اور خسرو شاہ بھاگ گیا۔ وہی بابر جس کے پاس جوتی تک نہ تھی اب اسے فوج، قلعہ اور حکومت سب کچھ مل گیا۔ بلخ کا انتظام مکمل کرنے کے بعد بلخ کی فوج لے کر بابر کابل پر حملہ آور ہوا۔ کابل میں الغ خاں کی نالائقی سے بڑی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ بابر کو کابل پر فتح حاصل ہوگئی۔ غرضیکہ محض اپنی ہمت اور شجاعت کے بل پر بابر نے افغانستان میں اپنی ایک نئی حکومت قائم کر لی۔

کابل اور بلخ کی حکومت ملنے کے باوجود بھی بابر کی مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ بابر کی شامت جو آئی تو وہ اپنے مخالفوں سے انتقام لینے کے لئے پھر ترکستان چلا گیا۔ بابر کے ترکستان جانے کے بعد افواہ پھیل گئی کہ بابر مر گیا۔ بس پھر کیا تھا بابر کے ایک رشتہ کے بھائی نے کابل پر قبضہ جمالیا۔ بلخ بھی بابر کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب بابر حیران و پریشان تھا کہ کیا کرے۔ کبھی وہ ہندوستان پر حملہ کا ارادہ کرتا تھا اور کبھی کابل کی تسخیر کے لئے سوچتا تھا۔ آخر 914ھ مطابق 1508ء میں اس نے مٹھی بھر سپاہیوں کے ذریعہ محض اپنی جرأت کی بناء پر کابل پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت بڑھانے کے بعد ایرانیوں سے مدد لے کر بابر نے پھر ایک بار سمرقند فتح کر لیا۔ بابر نے صرف آٹھ مہینے حکومت کی تھی کہ ازبکوں نے حملہ کر کے اسے پھر سمرقند سے نکال دیا۔ بیچارہ بابر پریشان حال کابل پہنچا۔ یہ غنیمت تھا کہ ابھی تک کابل اس کے قبضہ میں تھا لیکن کابل میں افغانی اس کے مخالف ہو گئے تھے۔ بابر نے ان کی اچھی طرح سے سرکوبی کی اور یہ سمجھتے ہوئے کہ افغانستان میں حکومت کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستحکم ہونا دشوار ہے۔ بابر نے خواجہ جہاں کو کابل میں چھوڑا اور خود ہندوستان کی جانب متوجہ ہوا۔

بابر کا ہندوستان پر حملہ :

بابر جس کو وطن سے نکالا جا چکا تھا اور کابل میں بھی جس کی حکومت متزلزل تھی اس کے پاس نہ فوج کے لئے روپیہ تھا اور نہ خوراک کے لئے غلہ، ایسی حالت میں بابر کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے بعد فوج کا پیٹ بھرنے کا کوئی بندوبست کرے۔ بابر کے ساتھیوں نے اگرچہ لاکھ سمجھایا کہ اس بے سروسامانی کی حالت میں ہندوستان جیسے وسیع ملک پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ لیکن بابر نہ مانا وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی فوج کو جمع کر کے 925ھ مطابق 1519ء میں ہندوستان کی سرحد میں داخل ہو گیا اور دریائے سندھ تک جا پہنچا۔ بابر کو اس مرحلے میں اس لئے کوئی خاص پریشانی اٹھانی نہیں پڑی کیونکہ ابھی تک سندھ، ملتان اور پنجاب میں امیر تیمور کے عمال موجود تھے۔ ان میں سے بعض تو لودھی خاندان کے مطیع ہو گئے تھے اور بعض ابھی تک تیموری خاندان کی نمک خواری کا دم بھرتے تھے۔ گو وہ پٹھان بادشاہوں کے ملازم تھے۔ اس کے علاوہ بعض تیموری عمال چھوٹے چھوٹے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے تھے۔ غرضیکہ بابر جدھر بھی گیا اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کو روپیہ بھی ملا اور خوب خاطر و مدارات بھی ہوئی۔ بابر عیش کرتا ہوا اور شراب و معجون سے دل بہلاتا ہوا برابر آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ کلدہ کہار پہنچا، پھر بہرہ آیا۔ اسی زمانہ میں بابر کو کابل سے اطلاع ملی کہ اس کو خدا نے ایک فرزند عطا کیا ہے۔ بابر نے ہند کی رعایت سے اس لڑکے کا نام مرزا ہندال رکھا۔ اس کے بعد بابر نے جاٹوں، گوجروں اور گکھڑوں کی خوب سرکوبی کی۔ اسی زمانہ میں بابر بیمار ہو گیا اور ہندوستان سے بدخشان واپس چلا گیا۔ اس حملہ کے بعد بابر متعدد بار ہندوستان پر تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد حملے کرتا رہا لیکن بابر نے اپنے ان حملوں میں لوٹ مار قطعی نہیں کی بلکہ اس نے نذرانوں اور محصولوں پر اکتفا کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے دادا تیمور کی طرح ہندوستان کو لوٹنے نہیں آیا تھا بلکہ وہ ہندوستان میں اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بابر کے اس رویہ کا ہندوستان کے عوام پر بہت اچھا اثر پڑا۔ بابر نے چار مرتبہ ہندوستان پر یورش کی اور ہر مرتبہ ہندوستان میں اس کی خوب خاطر و مدارات ہوئی۔

بابر کی ہندوستان میں فاتحانہ پیش قدمی :

بابر جو اپنے سابقہ چار حملوں میں ہندوستان میں اپنی حکومت کے لئے زمین تیار کر چکا تھا۔ جب اس کو حاکم پنجاب دولت خاں، ابراہیم لودھی کے بھائی علاء الدین اور چتوڑ کے راجہ رانا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنگا کی جانب سے ہندوستان آنے کا بلاوا ملا تو وہ فوراً ہندوستان کی فتح کے لئے 932ھ مطابق 1525ء میں روانہ ہوگیا، لیکن اتنے بڑے ملک کی فتح کے لئے اس کے پاس جو لشکر تھا۔اس کی مجموعی تعداد مشکل سے دس بارہ ہزار تھی۔ بابر پشاور سے ہوتا ہوا دریائے سندھ پر آیا۔سندھ سے روانہ ہونے کے بعد کوہ جود پر پہنچا یہاں غلہ جمع کرنے کے بعد جہلم کو عبور کیا۔لاہور اور پنجاب کے عمال کو ہموار کرنے کے لئے اس نے پہلے تو قاصد روانہ کئے اس کے بعد آگے بڑھ کر دریائے چناب کے کنارے خیمے ڈال کر محفل عیش آراستہ کی اور ایک دن کے آرام کے بعد سیالکوٹ پہنچ گیا۔جاٹ اور گوجر جب مقابلہ پر آئے تو ان کی خوب سرکوبی کی۔بابر کو سیالکوٹ میں اطلاع ملی کہ ابراہیم لودھی کا بھائی علاء الدین ابراہیم لودھی سے شکست کھانے کے بعد لاہور بھاگ آیا ہے یہ وہی علاء الدین ہے جو بابر کو بلانے کیلئے کابل گیا تھا اور بابر نے اس کو پہلے ہی سے ایک مختصر فوج دے کر ہندوستان بھیج دیا تھا تاکہ وہ بابر کی حکومت کے لئے یہاں زمین ہموار کرے۔بابر نے سیالکوٹ سے نکل کر ملوٹ کو فتح کیا،اور دولت خاں لودھی حاکم پنجاب کو جو کہ بابر سے منحرف ہوگیا تھا پکڑ بلوایا۔پھر اپنی فوج کو آراستہ کرنے کے بعد دہلی کے بادشاہ ابراہیم لودھی سے جنگ کے لئے روانہ ہوگیا اس معرکہ میں دولت خاں لودھی کا بیٹا دلاور خاں بھی بابر کے ہمراہ تھا۔علاء الدین عرف عالم خاں بھی بابر کے پاس پہنچ گیا۔اس کے علاوہ بہت سے ہندوستانی امرائے سلطنت بابر کے ہم رکاب ہوگئے۔بابر روپڑ اور سرہند سے ہوتا ہوا کرنال پہنچا۔ہمایوں نے حصار فیروزہ کی جانب رخ کر کے اسے فتح کرلیا۔بابر نے حصار فیروزہ کی فتح سے خوش ہوکر حصار فیروزہ کا محصول جو ایک کروڑ تھا اور ایک کروڑ زر نقد ہمایوں کو دے دیا،اس فتح کے بعد بہت سا روپیہ اور قیمتی تحائف کابل روانہ کئے گئے۔

پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست:

جب بابر کو یہ معلوم ہوا کہ ابراہیم لودھی کی بے اندازہ فوج مقابلہ کے لئے پانی پت میں جمع ہو رہی ہے تو بابر اور اس کی فوج کے سردار پانی پت کی جانب بڑھے۔بابر کے پاس اس وقت کل دس ہزار فوج تھی۔پانی پت کے قریب پہنچنے کے بعد بابر نے اپنے توپ خانہ کو ترتیب دیا۔بندوقچیوں کو توپوں کے پیچھے کھڑا کیا،اور سواروں کو علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں تقسیم کیا،پھر اس لشکر نے آگے بڑھ کر ابراہیم لودھی کی فوج پر جو ایک لاکھ سواروں اور ایک ہزار ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔تیر اندازی شروع کردی اور اس طرح پانی پت کی اس تاریخی جنگ کی ابتداء ہوگئی جس کے بعد ہندوستان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہونے والا تھا۔ابراہیم لودھی کی فوج اگرچہ بابر کی فوج کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ تھی۔لیکن اس کا بیشتر حصہ غیر تربیت یافتہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 933ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق 1526ء میں ابراہیم لودھی کو شکست ہوگئی خود ابراہیم لودھی اس جنگ میں مارا گیا۔ بابر نے اس فتح کے بعد فوراً سجدہ شکرادا کیا۔ بابر ابراہیم لودھی کے لشکر کی زیب و زینت کی تعریف کرتے ہوئے اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ ”ابراہیم کے لشکر کے خیمے ایسے نظر آتے تھے جیسے کسی کھیت میں زربفت کے تھانوں کو بچھا کر سونے کے درخت لگادیئے گئے ہوں۔ لیکن یہ سب ظاہری ٹیپ ٹاپ تھی۔ حقیقت میں یہ لشکر فن سپہ گری سے قطعی ناآشنا تھا۔ غرض کہ بابر کو پانی پت کے میدان میں وہ تاریخی فتح حاصل ہوگئی جس کے بعد ہندوستان میں مغلوں کا ستارہ اقبال خوب چمکا۔

پانی پت کی فتح کے بعد بابر نے شہزادہ ہمایوں کو تو آگرہ کی فتح کے لئے روانہ کردیا، اور خود دہلی کی جانب بڑھا اور دہلی کے قلعہ پر قبضہ جمانے کے بعد سب سے پہلے شاہی خزانہ کو محفوظ کیا۔ پھر درگاہ حضرت نظام الدین اولیا پر حاضری دے کر درگاہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک پر حاضر ہوا اور دہلی کے تمام مشہور مقامات کی سیر سے فارغ ہوکر دہلی کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا، دولت بیگ کو دہلی کا دیوان مقرر کر کے بابر تغلق آباد چلا گیا، اور وہاں جمنا کے کنارے قیام کیا۔ اور پھر لشکر لے کر آگرہ کی جانب روانہ ہوگیا۔

دہلی کے بعد آگرہ کی فتح:

دہلی کے بعد بابر آگرہ پہنچا شہزادہ ہمایوں یہاں پہلے سے موجود تھا اور قلعہ کی فتح کے لئے باپ کی آمد کا منتظر تھا۔ بابر کے آتے ہی قلعہ آگرہ پر حملہ ہوگیا۔ گوالیار کا راجہ بکرماجیت ابراہیم لودھی کی جانب سے باہر سے لڑا۔ اور جنگ میں مارا گیا۔ ہمایوں کی فوج نے بکرماجیت کے اہل وعیال کو گرفتار کرلیا۔ لیکن ان کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا۔ بکرماجیت کے جانشین نے ہمایوں کی خدمت میں بہت سے قیمتی جواہرات بطور نذر پیش کئے جن میں کوہ نور نامی مشہور ہیرہ باپ کی خدمت میں پیش کیا تو بابر نے ہمایوں ہی کو واپس دیدیا، آج کل یہ ہیرا شاہ انگلستان کے تاج کی زینت بنا ہوا ہے۔

آگرہ کا قلعہ کئی دن تک محصور رہا۔ آخر محصورین نے اطاعت قبول کرلی۔ اور اس طرح آگرہ بھی فتح ہوگیا۔ بابر نے آگرہ کی فتح کے بعد ابرہیم لودھی کی ماں کو سات لاکھ روپے کی جاگیر دی اور آگرہ کے قریب ایک محل میں اسے منتقل کردیا۔ ابراہیم لودھی کے دوسرے امراء کو بھی پرگنے اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ بابر ہندوستان کا پہلا حملہ آور ہے۔ جو صرف دس بارہ ہزار کے لشکر سے ہندوستان کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ورنہ اس سے قبل محمود غزنوی یا محمد غوری نے جب بھی ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کے ساتھ بے اندازہ لشکر ہوتا تھا۔ بابر کی جنگی قابلیت مسلمہ ہے کہ اس نے ایک ایسے غنیم کو زیر کرلیا جو اگر اپنی تمام فوج کو مجتمع کرلیتا تو کسی صورت میں بھی وہ پانچ لاکھ سے کم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی قسمت میں ہندوستان کی حکومت لکھی ہوئی تھی ورنہ بابر کے حالات ہرگز ایسے نہ تھے کہ وہ ہندوستان جیسے برعظیم کا بادشاہ بن سکتا۔

بابر نے سارا خزانہ لٹادیا:

دہلی اور آگرہ کی فتح کے بعد بابر ایسا خوش ہوا کہ اس نے سلطان ابراہیم لودھی کا وہ سارا خزانہ لٹادیا جو اس بادشاہ نے جمع کیا تھا۔ اس خزانہ میں سے ستر لاکھ روپیہ شہزادہ ہمایوں کو عطا ہوا اور ایک دوسرا پورا کا پورا خزانہ جس میں بے اندازہ زر و جواہر تھے ہمایوں کو بخش دیا اس کے بعد امرائے بابری میں خزانہ کی تقسیم شروع ہوئی۔ کسی کو دس لاکھ، کسی کو آٹھ لاکھ، کسی کو سات لاکھ کسی کو چھ لاکھ اور کسی کو پانچ لاکھ روپے ملے۔ فوج کے ہر ایک سپاہی کو خزانہ سے نقد انعام دیا گیا اس کے علاوہ کامران کو 17 لاکھ محمد زبان مرزا کو 15 لاکھ عسکری اور ہندال کو لاکھوں روپیہ ملا۔ نیز تمام چھوٹے بڑے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بے اندازہ نقد روپیہ، جواہرات اور تحائف روانہ کئے گئے۔ خراسان اور سمرقند کے امراء اور مشائخ کو لاکھوں روپیہ بھیجا گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ کابل میں عوام کو اس قدر اشرفیاں لٹائی گئیں کہ کوئی فرد محروم نہیں رہا۔ غرض کہ ابرہیم لودھی اور اس کے آباو اجداد نے سالہا سال میں جو خزانہ جمع کیا تھا۔ بابر نے ایک دن کے اندر وہ سب کا سب لٹادیا۔

ہندوستانیوں کو مغلوں سے نفرت:

بابر اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ "جب میں آگرہ آیا تو میرے آدمیوں میں اور ہندوستانیوں میں عجب مغائرت اور منافرت تھی ہندوستانیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ میرے آدمیوں کی صورت دیکھ کر بھاگتے تھے۔ ان دنوں گرمی کا موسم تھا خلقت میرے آنے سے ایسی گھبرائی کہ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ حالت یہ تھی کہ نہ تو سپاہیوں کو سامان خوراک ملتا تھا۔ اور نہ گھوڑوں کیلئے دانہ ہی میسر آتا تھا، اور ایک تازہ مصیبت یہ اور پیش آئی کہ میرے بہت سے آدمی جو گرمی کے عادی نہیں تھے لو لگنے سے مر گئے۔ ہندوستانیوں کی یہ مغائرت اور موسم کی خرابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے تمام امراء کے دل چھوٹ گئے وہ کسی طرح ہندوستان میں رہنے کیلئے راضی نہ ہوتے تھے بلکہ وطن واپس جانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے میں نے چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو اپنے ساتھ ہندوستان لا کر دولت مند بنا دیا تھا۔ لیکن یہ سب کے سب منحرف نظر آنے لگے۔ میں نے ان کو جمع کر کے بہت کچھ سمجھایا لیکن یہ بدستور وطن واپس جانے کے لئے آمادہ تھے۔ آخر میں نے سختی اختیار کی اور ان لوگوں کو بمشکل تمام ہندوستان میں رہنے کے لئے آمادہ کیا۔"

بابر کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان فتح کر لینے کے باوجود بھی بابر کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کس قدر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا یہاں تک کہ اس سے وہ لوگ بھی منحرف ہو گئے تھے جن کو کہ اس نے ان کی اوقات سے زیادہ نوازا تھا۔ اس کے علاوہ بابر کو ایک وقت یہ بھی پیش آئی کہ ابراہیم لودھی کے زمانہ کے بیشتر امراء نے بابر کی اطاعت قبول نہیں کی بلکہ اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نئے نئے علاقوں پر قبضہ جمالیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امرائے سلطنت یہ سمجھ رہے تھے کہ بابر اپنے دادا تیمور کی طرح محض ہندوستان سے روپیہ سمیٹنے کے لئے آیا ہے جو چندروز کے بعد چلا جائے گا۔ اس لئے ہم اس چندروزہ بادشاہ کی اطاعت کر کے اپنی پوزیشن کیوں خراب کریں۔ بلکہ ان میں سے بعض امراء تو اس بات کے انتظار میں تھے کہ بابر کے ہندوستان سے رخصت ہوتے ہی وہ یا تو دہلی کے تخت پر قبضہ جمالیں یا اپنے علاقوں میں بادشاہی کا اعلان کر دیں۔

امرائے سلطنت کی مایوسی اور اطاعت:

امرائے سلطنت کو جب اپنی توقع اور امید کے خلاف یہ معلوم ہوا کہ بابر ہندوستان میں اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہے۔ اور اس کے سامنے سارے ہندوستان کو فتح کرنے اور امرائے سلطنت کو مغلوب کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں تو امرائے سلطنت کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اور اب ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مغلوں کی اطاعت قبول کر کے اپنے آپ کو آنے والے خطرات سے بچالیں۔ چنانچہ امرائے سلطنت نے مغل بادشاہ سے مصالحت کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور امرائے سلطنت کے مطیع ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن امرائے سلطنت اور راجگان میں سے بعض راجہ سنگا جیسے سردار تھے۔ جو یہ جاننے کے باوجود کہ بابر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا ہے۔ مطیع ہونے کی بجائے اور زیادہ بابر کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ غرض کہ اکثر امرائے سلطنت نے تو اطاعت قبول کر لی۔ لیکن بعض نے علم بغاوت بلند کر دیا۔

بابر کی جدید فتوحات کا سلسلہ:

دہلی اور آگرہ کی فتح کے بعد بابر نے اگرچہ ملک کے کسی حصہ میں باقاعدہ لشکر کشی نہیں شروع کی تھی لیکن پھر بھی شہزادہ ہمایوں اور دوسرے مغل سرداروں کی کوششوں سے چند ماہ کے اندر اندر مندرجہ ذیل مقامات زیر ہو گئے۔ قلعہ سنبھل، اٹاوہ، قنوج، دھولپور، جلیسر، جاج مئو، جونپور، کالپی، بیانہ قلعہ گوالیار جن امرائے سلطنت نے اطاعت قبول کر لی تھی، بابر نے ان کو لاکھوں روپے سالانہ کی جاگیریں عطا کیں۔ اعظم ہمایوں کے بیٹے فتح خاں شروانی کو خان جہان کا خطاب عطا ہوا اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی جاگیر اس کو دی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر کو زہر دے دیا گیا:

بابر ہندوستان میں اپنی حکومت کو مستحکم بھی نہ کر سکا تھا کہ ابراہیم لودھی کی ماں نے شاہی باورچیوں سے باز باز کر کے بابر کو کھانے میں زہر دلوادیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابر کو تے پر تے آنی شروع ہو گئیں۔ بابر کے علاوہ دوسرے جن مصاحبین نے یہ کھانا کھایا تھا۔ ان کی بھی یہی حالت ہوئی باورچی کو پہرہ داروں کے سپرد کیا گیا۔ زہر دینے کی اس سازش میں دو باورچی اور دو عورتیں شامل تھیں۔ بابر نے ایک باورچی کو توپ سے اڑوادیا، دوسرے کی کھال کھنچوادی۔ ایک عورت کو گولی مار کر ختم کر دیا اور دوسری عورت کو آگ میں ڈال کر جلوادیا۔ ابرہیم لودھی کی ماں جو قتل کی اس سازش کی محرک تھی اس کی جاگیر اور روپیہ ضبط کر کے اسے قید میں ڈال دیا گیا، اور ابرہیم لودھی کے لڑکے کو ہندوستان سے کابل مرزا کامران کے پاس بھجوادیا۔

رانا سنگا سے بابر کی جنگ:

چتوڑ کا راجہ سنگرام سنگھ عرف رانا سنگا جس نے کہ بابر کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کی فوجیں بابر کی فوجوں کے ساتھ ابراہیم لودھی سے لڑیں گی۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ بابر نے ہندوستان میں پاؤں جمانے شروع کر دئے ہیں، تو وہ بابر کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا، رانا سنگا یہ چاہتا تھا کہ بابر ہندوستان آنے کے بعد ابرہیم لودھی کی حکومت کو ختم کر دے اور کابل چلا جائے اور اس کے بعد رانا سنگا ہندوستان میں راجپوتوں کی حکومت کا سنگ بنیاد رکھ دے لیکن جب رانا سنگا نے دیکھا کہ مغلوں کا وجود راجپوتوں کے لئے پٹھانوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو وہ بابر کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے گندھار فتح کر لیا، اور بابر کے مقابلہ کے لئے زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے تمام راجپوت حکمرانوں سے استدعا کی وہ ہندوستان سے مغلوں کو نکالنے میں اس کی مدد کریں چنانچہ تمام راجپوت رانا سنگا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ راجپوتوں کے علاوہ سکندر لودھی کا بیٹا محمود لودھی بھی مع دس ہزار فوج کے رانا سنگا کے ساتھ آن ملا۔ اس کے علاوہ دوسرے وہ لودھی سردار بھی جو بابر سے شکست کھا چکے تھے اس معرکہ میں رانا سنگا کے ساتھ شامل ہو گئے۔

رانا سنگا کی فوجی تیاریوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب سیکری کے قریب اس کا لشکر آیا تو کسی طرح بھی ابرہیم لودھی کی اس لشکر سے کم نہ تھا جس سے کہ بابر کو پانی پت میں مقابلہ کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ رانا سنگا کی فوج کی کثرت نے بابر کے سپاہیوں کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ لیکن بابر نے اس خوبی کے ساتھ اپنے لشکر کو رانا سنگا کی بے اندازہ فوج کے ساتھ لڑایا کہ رانا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنگا کے تقریباً تمام بڑے بڑے فوجی افسر مارے گئے اور رانا سنگا میدان سے فرار ہونے پر مجبور ہوگیا۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد پانی پت کی فتح کے بعد بابر کی یہ دوسری قابل ذکر فتح تھی۔ بابر کو یہ فتح 933ھ مطابق 1526ء میں حاصل ہوئی تھی۔

میوات اور چندیری کی فتح:

الیاس خاں میواتی جس کی کئی ہندو راجاؤں سے ساز باز تھی۔ اس نے سارے میوات میں بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ بابر نے اس فتنہ پرواز کی سرکوبی کے لئے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا۔ الیاس خاں گرفتار ہوگیا اور اس کی زندہ کھال کھنچوادی گئی۔ اس کے بعد بابر خود میوات گیا۔ اور جو فتنہ پردازوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بابر نے اسے فتنہ پردازوں سے پاک کیا۔ تجارہ کا انتظام تیمور سلطان کے حوالے کیا۔ اس کے بعد مغل لشکر نے دوآبے اور قنوج کے ان باغیوں کی سرکوبی کی جو رانا سنگا کی لڑائی کے زمانہ میں بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے۔ غرض کہ ایک سال کے اندر اندر گجر اودھ کے گنگا پار کے سارے علاقے پر بابر کی سلطنت قائم ہوگئی۔ صرف صوبہ اودھ میں پٹھانوں کا ایک گروہ باقی تھا، اس کی سرکوبی کے لئے بھی فوج روانہ کردی گئی۔ 934ھ مطابق 1527ء میں بابر نے چندیری کو فتح کرنے کے بعد سلطان ناصرالدین کے پوتے احمد شاہ کے سپرد کردیا۔ اسی سال رانا سنگا کے بیٹے بکرماجیت نے رنتھنبور کا قلعہ بابر کو دیدیا، اور بابر نے اسے شمس آباد عطا کردیا۔

بابر کا بہار اور بنگال پر حملہ:

935ھ مطابق 1528ء میں بابر کو اطلاع ملی کہ سکندر لودھی کے بیٹے محمود لودھی نے بہار فتح کرلیا ہے محمود رانا سنگا کی لڑائی میں بھی رانا سنگا کا معاون بن کر بابر سے لڑ چکا تھا۔ اس اطلاع کے ملتے ہی بابر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود تمام مشرقی صوبوں کو فتح کرے گا۔ چنانچہ بابر ایک بڑی فوج لے کر محمود لودھی کے مقابلے کے لئے روانہ ہوگیا محمود کو جب بابر کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا۔ بابر بہار کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا بنگال میں جا پہنچا۔ بابر اس سے قبل شاہ بنگال کو اطاعت کے لئے لکھ چکا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا چنانچہ بابر نے بنگال میں داخل ہونے کے بعد بنگالیوں کے ساتھ جنگ شروع کردی بنگالیوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے بابر کے ساتھ صلح کرلی۔

ہمایوں کی خطرناک بیماری:

بابر کو ہمایوں سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ ہمایوں 936ھ مطابق 1529ء کے آخر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدخشاں سے ہندوستان آنے کے بعد ایسا بیمار ہوا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی امیر ابوالبقا جو اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل تھے، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ ایسی حالت میں جب کہ ظاہری علاج ناکام ثابت ہو تو آخری علاج یہ ہے کہ مریض پر سے اس کی سب سے عزیز چیز صدقہ کر دی جائے اور خدا سے اس کی صحت کے لئے دعا مانگی جائے۔ بابر نے کہا کہ میرے لخت جگر ہمایوں کے لئے سب سے بہتر اور عزیز شے خود میں ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس پر سے صدقہ کرنے کو تیار ہوں۔ امرائے سلطنت نے بابر کو اس ارادے سے روکنا چاہا مگر وہ نہ مانا اور خلوت میں چلا گیا۔ خدا سے بیٹے کی صحت کے لئے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگی اور تین مرتبہ اس کے بستر کے گرد پھرا کر اپنے آپ کو صدقہ میں دے دیا۔ بابر کی دعا قبول ہوگئی، اسی روز سے ہمایوں تندرست ہونے لگا اور بابر بخار میں مبتلا ہونے کے بعد ایسا پڑا کہ پھر اٹھ ہی نہ سکا۔

ظہیر الدین بابر کی وفات:

خدا نے چند روز کے اندر اندر ہمایوں کو تو بالکل تندرست کر دیا لیکن بابر کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ اس کے چہرہ سے موت کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ جب بابر نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا آخری وقت ہے تو اس نے ارکان حکومت کو جمع کرنے کے بعد ہمایوں کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرائی اور ہمایوں کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کیا، اور اپنی بجائے اسے تخت شاہی پر بٹھایا اور مرنے سے قبل ہمایوں کو نصیحت کی کہ داد و دہش میں کمی نہ کرنا۔ عدل و احسان اور رضائے الٰہی کو اپنا اصول بنانا، رعایا کے ساتھ نگہبانی اور رعایت کا سلوک کرنا۔ قصورواروں اور مجرموں کو بخش دینا، سرکشوں اور ستم گاروں کو پامال کرنا اور سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا کہ بھائیوں کے ساتھ کبھی سختی نہ ہونے پائے خواہ ان کا جرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو۔ بیٹے کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد بابر 5 جمادی الاول 937ھ 26 دسمبر 1530ء کو جمنا کے کنارے آگرہ کے باغ میں رحلت کر گیا یہاں سے بابر کا جنازہ آگرہ سے کابل لایا گیا اور کابل میں دفن ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں بابر کی قبر پر ایک نہایت شاندار مقبرہ بنوا دیا تھا، جو دنیا کی بے نظیر عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔

ظہیر الدین بابر کا دور حکومت:

بابر کا دور حکومت جو فرزانہ کی تخت نشینی سے شروع ہو کر ہندوستان کی بادشاہت پر ختم ہوتا ہے۔ بڑا ہی عجیب ہے وہ بارہ برس کی عمر میں فرغانہ کے تخت پر بیٹھا۔ تو مصیبتوں کا پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑا، کبھی بادشاہ بنا اور کبھی بوریہ نشین۔ کبھی شاہانہ عظمت حاصل ہوئی اور کبھی یہ کیفیت تھی کہ نہ بدن پر کپڑا تھا اور نہ پاؤں میں جوتی۔ وہ سنبھل سنبھل کر گرا، اور گر کر سنبھلا۔ اس کی زندگی ہمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استقلال اور شجاعت کا غیر فانی نقش ہے فرغانہ کی چھوٹی سی حکومت اسے ورثہ میں ملی تھی۔ لیکن وہ چھن گئی۔ وطن سے بھی نکالا گیا۔ لیکن اس نے اپنی حوصلہ مندی سے نہ صرف کھوئی ہوئی حکومت حاصل کرلی بلکہ ہندوستان جیسے برعظیم کا وہ بادشاہ بن گیا۔ جب وہ فرغانہ سے نکلا تھا تو گداگر سے بدتر تھا۔ لیکن جب وہ مرا ہے تو اس کی حکومت بدخشاں اور قندھار تک اور دریائے سیحون کے تمام جنوب اضلاع سے لے کر بلخ تک اور افغانستان میں کابل غزنی اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھی، اس کے علاوہ ہندوستان کا بھی وہ بادشاہ بن چکا تھا۔ جہاں وہ تقریباً سارے شمالی ہند پر فرمانروائی کر رہا تھا۔ بابر ہی کی ہمت تھی۔ کہ اس نے دس بارہ ہزار آدمیوں سے ہندوستان کے برعظیم کو فتح کرلیا اور بابر یہ حوصلہ تھا کہ اس نے اپنے مخالفوں کو فوج کی کمی کے باوجود ہر معرکہ میں شکست دی وہ اپنے دور کا سب سے بڑا سپہ سالار اور نہایت ہی مشقت پسند سپاہی تھا سیکڑوں میل بغیر رکے ہوئے شہسواری کر لیتا تھا۔ دریا اگر راستہ میں پڑتا تھا تو ایک ماہر تیراک کی طرح پانی میں کود کر دریا پار کر لیتا تھا۔ وہ انتہا درجہ کا نرم دل اور پرلے درجہ کا سخت دل تھا۔ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو مہر ومروت سے زیر کرنے میں وہ ایک لطف محسوس کرتا تھا لیکن جب اس کے مزاج میں درشتی پیدا ہوجاتی تھی تو وہ انسانی خون میں بھی ایک لذت محسوس کرتا تھا چنانچہ اس نے رانا سنگا پر فتح پانے کے بعد کھوپریوں کا مینار بنانے میں ایک لطف محسوس کیا اور ایک دفعہ اتنا قتل عام کرایا کہ بادشاہی خیمہ محض اس لئے اکھڑوا دیا گیا۔ کیونکہ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور خیمہ کے خراب ہوجانے کا اندیشہ تھا وہ انتہا درجہ کا منصف مزاج تھا۔ انصاف کے مقابلہ میں اس نے غیر اور اپنے میں کبھی کوئی تمیز نہیں کی۔ وہ رعایا کو اولاد سمجھتا تھا اور رعایا اس کو باپ تصور کرتی تھی۔ غرض کہ اس بادشاہ میں جہان بانی کی جتنی خوبیاں یکجا تھیں وہ کسی ایک بادشاہ میں کبھی نہیں پائی گئیں۔

وطن اور عزیزوں سے بابر کا عشق:

بابر کو اپنے وطن سے اپنے دوستوں سے اپنے عزیزوں سے اور اپنی اولاد سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ اس نے محض حب الوطنی کی خاطر کئی مرتبہ حکومت کھونے کے بعد سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ وہ ایک بہت بڑی حکومت کا بادشاہ بننے کے باوجود بھی پرانی صحبتوں دوستوں اور عزیزوں کو فراموش نہ کرسکا۔ بلکہ فرغانہ اور کابل کے زمانہ کو ہمیشہ یاد کرتا رہا وہ اپنے لڑکپن کے دوستوں کی یاد میں پہروں رویا کرتا تھا ماں بہنوں اور عزیز واقارب کا تذکرہ کرکے آہیں بھرا کرتا تھا۔ خواجہ کلاں جو کابل میں اس کا نائب اور دوست تھا۔ اس کی یاد میں بابر ہمیشہ بے چین رہتا تھا۔ بابر نے اپنے ایک خط میں اسے لکھا کہ ”میں نے شراب سے توبہ کرلی ہے اب تم بھی توبہ کرلو۔ شراب پینے کا جب ہی تک لطف تھا کہ ہم سب پرانے یار ایک جگہ بیٹھ کر پیتے تھے۔ تنہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شراب پینے میں کیا خاک مزہ دو قدیمی دوست حیدر قلی اور شبیر احمد تمہارے پاس موجود ہیں۔ ہائے مجھے کیسا رشک آتا ہے کہ تم کابل کے مزے اڑاتے ہو اور میں ہندوستان میں پڑا ہوں، اتفاق سے ایک تربوز میرے پاس آیا۔ اسے جب تراشا تو مجھے اپنی تنہائی پر کیسا افسوس ہوا۔ تربوز کے قتلے منہ میں رکھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ کبھی ہم ساتھ کھاتے تھے اور ساتھ پیتے تھے۔ اب نہ کھانے کا لطف ہے نہ پینے کا مزہ ہے''۔ بابر کے حقیقت میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر حساس دل دنیا میں لے کر آیا تھا۔ ایک مرتبہ بابر کا دوست اچانک گر کر مر گیا۔ اس کے غم میں آٹھ دن تک روتا رہا اس کو متعلقین اور اولاد سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بیٹے پر قربان ہو گیا اور مرتے مرتے بیٹے کو وصیت کر گیا کہ بھائیوں کا خیال رکھنا۔

علم وادب سے بابر کی دلچسپی:

بابر ایک بے نظیر سپہ سالار ہونے کے ساتھ ادیب اور شاعر بھی تھا۔ بابر کی خودنوشت سوانح حیات اس کی قلم کاری کا شاہکار ہے اس کا انداز بیان اگر چہ سادہ ہے لیکن اس میں افسانہ کا سا لطف آتا ہے اس سوانح حیات میں بابر نے جہاں بھی منظر نگاری کی ہے وہ اس قدر دلکش ہے کہ شاید ایک بڑے سے بڑا ادیب بھی اتنی ہی دل کشی پیدا کر سکتا ہے۔ پہاڑوں کا بیان، برف باری کا منظر، دریا کی روانی کی کیفیات سبزہ زاروں کا لہلہانا، جنگل میں پیڑوں کا شائیں شائیں کرنا غرض کہ اس نے الفاظ میں مناظر کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ بزم کا بیان اور رزم کی کیفیت غرض کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے خوب لکھتا ہے۔ اس کی تحریر نقلی اور بناوٹ سے پاک اور حقیقتوں سے لبریز ہے۔ جب وہ شراب کی محفلوں کا ذکر کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے نشہ میں جھوم رہا ہو۔ ایک جگہ اپنی شراب نوشی کی ابتداء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہرات میں چچازاد بھائیوں نے بڑی منت سے شراب پلائی پھر ایسا چسکا لگا کہ کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہی جہاں اس کا لطف نہ اٹھایا ہو۔ بس یہی مشغلہ تھا کہ جلسے ہوں شراب کا دور چلے یہاں تک کہ ایک سنگ مرمر کا حوض بنوادیا۔ اس کو لبالب شراب سے بھر دیا اور اس پر یہ شعر کندہ کرایا۔

نوروز نو بہار و مئے و دلربا خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

پھر لکھتا ہے کہ ''وہ بھی کیا زمانہ تھا جب دوستوں کو ساتھ لے کر کبھی باغوں کی سیر کرتا۔ کبھی شاداب پہاڑوں پر چڑھتا، کبھی کشتی میں بیٹھ کر دریا کا لطف اٹھاتا۔ کشتیوں کو دوڑاتا، آپ گاتا اوروں کو گواتا۔ رباب پر نرکی تانیں اڑاتا، خود پیتا اور منتیں کر کے دوسروں کو پلانا بہت یاد آتا ہے۔ غرض کہ بابر جہاں بھی شراب کا ذکر کرتا ہے تو اس ذکر میں مدہوش سا ہو جاتا ہے۔ بابر کا شمار

www.KitaboSunnat.com

بلند پایہ شاعروں میں بھی ہے۔ چنانچہ اس کا ترکی زبان کا دیوان فصاحت اور بلاغت کے لئے مشہور ہے "مثنوی مبین" اس کی ایسی مثنوی ہے جس کو نہایت مستند خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی تصنیفات وتالیفات میں "ترجمہ رسالہ والدیہ" کو علمی دنیا میں ایک اچھا اضافہ شمار کیا جاتا ہے بابر کی تصنیفات وتالیفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عربی فارسی اور ترکی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔ علم جغرافیہ اور علم تاریخ سے بھی اسے گہری دلچسپی تھی۔ غرض کہ بابر ایک سپاہی ہونے کے ساتھ مایۂ ناز ادیب اور شاعر بھی تھا۔

بابر کی ملکی اور سیاسی پالیسی:

بابر اگرچہ مسلمان تھا اور اس نے کٹر مسلم گھرانے میں پرورش پائی تھی۔ لیکن اس کی ملکی اور سیاسی پالیسی کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بابر ایک ایسے ملک سے آیا تھا جہاں سو فیصدی کٹر مسلمان رہتے تھے اور غیر مسلموں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ لیکن ہندوستان آنے کے بعد اس نے کبھی بھی مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تمیز نہیں کی وہ جس طرح مسجدوں کی حفاظت ضروری سمجھتا تھا اسی طرح مندروں کی حفاظت کو بھی پوری اہمیت دیتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے باشندوں کے مذہبی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ اس کی حکومت میں ہر شخص مذہبی اعتبار سے بالکل آزاد اور خود مختار تھا۔ اس کی اس وسیع نظری کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے مختصر دور حکومت میں ہندوستان کے تمام باشندوں کے دلوں میں بلا اختلاف مذہب وملت یکساں جگہ حاصل کر لی تھی۔ بابر نے اپنی حکومت کی بنیاد جس رواداری پر رکھی تھی اسی پر اس کے جانشینوں نے بھی عمل کیا، بلکہ بابر کے بعض جانشین رواداری کے معاملہ میں بابر سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ثابت ہوئے۔

بابر کا ذاتی کردار:

بابر کا ذاتی کردار بھی ہمیشہ نہایت بلند رہا ہے صرف اسے شراب پینے کی عادت تھی جس کو ساری عمر وہ برا خیال کرتا رہا یہاں تک کہ آخر میں شراب نوشی سے بھی اس نے توبہ کر لی تھی۔ بادشاہوں کی عامیانہ عشرت پسندی سے اسے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ وہ اخلاق صداقت اور انسانیت کا ایک پیکر تھا۔ اس نے قدرت رکھنے کے باوجود دشمنوں سے انتقام لینے سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ اور دوستوں پر نوازشیں کرنے سے کبھی نہیں تھکا۔ وہ بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے ساتھیوں کی سخت سے سخت باتیں برداشت کر لیتا تھا۔ رحم، مروت اور شرافت کا وہ زندہ نمونہ تھا۔ وہ عیش میں کبھی خدا کو نہیں بھولا۔ اور مصیبت نے کبھی اس کے چلن کو نہیں بگڑنے دیا۔ اس کے اندر بے انتہا اخلاقی جرأت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی سوانح حیات میں بڑی آزادی کے ساتھ اپنی کمزوریوں پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روشنی ڈالی ہے۔صرف ایک یہی چیز اس کے چلن اور کردار کی بلندی کا بہترین ثبوت ہے اس کو سب سے زیادہ باغ لگانے اور نہریں بنانے کا شوق تھا۔

شاہ نصیر الدین محمد ہمایوں

بابر جب زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا تو اس وقت حکومت مغلیہ کا ایک امیر خلیفہ نظام الدین جو ہمایوں سے خوش نہ تھا اس جوڑ توڑ میں لگا ہوا تھا کہ مغلیہ حکومت کے تخت پر ہمایوں کی بجائے بابر کے داماد خواجہ مہدی کو بٹھا دیا جائے۔لیکن خواجہ مہدی سے کچھ ایسی حرکات سرزد ہوئیں جس نے کہ خلیفہ نظام الدین کو اس سے بدظن کر دیا۔چنانچہ جب بابر مرا تو ہمایوں بغیر کسی اختلاف کے تخت پر بیٹھ گیا۔تخت نشینی کے وقت ہمایوں کی عمر 24 برس کی تھی اور اس کی تخت نشینی کی رسم 9 جمادی الاول 937ھ 29 جنوری 1530ء کو آگرہ میں عمل آئی۔تخت نشینی کے کئی روز بعد تک خوب جشن منایا گیا۔

ہمایوں نے بھائیوں میں حکومت تقسیم کردی:

ہمایوں کے تین بھائی تھے مرزا کامران، مرزا ہندال اور مرزا عسکری۔ہمایوں نے باپ کی وصیت کے مطابق تخت پر بیٹھتے ہی سارے ملک کو اپنے بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ کابل وقندھار مرزا کامران کو دے دیا سمبھل کے علاقہ کی حکومت مرزا عسکری کے سپرد کر دی، الور اور میوات کا تمام علاقہ مرزا ہندال کو عنایت کیا۔اور بدخشاں مرزا سلیمان کو مرحمت ہوا۔حکومت کی اس تقسیم کے بعد بابر کی وسیع حکومت کا ایک بڑا حصہ ہمایوں کے قبضہ سے نکل گیا۔اور ہمایوں ایک محدود اور چھوٹے سے علاقہ کا بادشاہ بن کر رہ گیا۔

ہمایوں کے بھائی مرزا کامران کا پنجاب پر قبضہ:

ہمایوں کی اس برادر نوازی اور وسیع نظری کے باوجود ہمایوں کا بھائی مرزا کامران جس کے دل میں مدت سے ہندوستان پر بادشاہی کرنے کا جذبۂ پرورش پا رہا تھا۔قندھار کو مرزا عسکری کے حوالے کرنے کے بعد اور ایک بڑا لشکر لے کر ہندوستان کی جانب قسمت آزمائی کے لئے روانہ ہو گیا۔اس کا لشکر کسی مزاحمت کے بغیر پشاور سے ہوتا ہوا پنجاب کی حدود میں داخل ہو گیا۔اس زمانہ میں پنجاب میں میر یونس ہمایوں کی جانب سے گورنری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔یونس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرزا کو کامران کے ایک ساتھی نے پہلے ہی سے لاہور پہنچ کر اور فریب دے کر لاہور کے قلعہ میں بند کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا کامران کی فوج جب لاہور پہنچی تو یہاں بھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ اور کامران پشاور سے لے کر لاہور تک کے علاقہ پر آسانی سے قابض ہو گیا۔ مرزا کامران نے اس طرح بالجبر پنجاب پر قبضہ جمانے کے بعد پنجاب کے گورنر میر یونس کو رہا کر دیا۔ جو آگرہ چلا گیا۔ اس کے بعد کامران نے جا بجا اپنے عمال مقرر کر دئے اور ہمایوں کے پاس ایلچی بھیج کر یہ خواہش کی کہ پنجاب بھی اسے عنایت کر دیا جائے۔ مرزا کامران کا معاندانہ رویہ اگرچہ بے حد قابل اعتراض تھا۔ لیکن ہمایوں کو تو بھائیوں کے معاملہ میں اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے بھائی کی اس غدارانہ روش کے باوجود پنجاب اور صوبہ سرحد کا تمام علاقہ کامران کو دے دیا۔ ہمایوں کی اس نوازش پر جب کامران نے خوش ہو کر ہمایوں کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر روانہ کیا تو ہمایوں نے حصار فیروزہ بھی کامران کو عطا کر دیا، اور اس طرح شمالی ہند کا بہترین علاقہ ہمایوں کی حکومت سے نکل کر مرزا کامران کے تسلط میں چلا گیا۔

ہمایوں کی سب سے بڑی سیاسی غلطی:

ہمایوں نے خواہ کیسے ہی نیک اور شریفانہ جذبے کے ماتحت ملک کی یہ تقسیم کی ہو اور بھائیوں کی مخالفانہ روش کا نرمی سے جواب دیا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ہمایوں کی سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی جس کا خمیازہ اس کو بعد میں بھگتنا پڑا۔ ہمایوں کے ہاتھ سے کابل و قندھار کے نکل جانے کے معنی یہ تھے کہ اب وہ اس اہم ترین خطہ سے محروم ہو گیا، جہاں کے دس بارہ ہزار جوان مرد اور بہادر سپاہیوں کے ذریعہ اس کے باپ نے ہندوستان جیسے برعظیم کو تسخیر کیا تھا۔ اور جب پشاور اور پنجاب بھی ہمایوں سے چھن گیا تو ہمایوں کے لئے اچھے اور قوی سپاہیوں کے حصول کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔ ہمایوں کو ابتداء میں تو اپنی اس غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ کیونکہ باپ کے زمانہ کے پرانے بہادر سپاہی اس کی فوج میں موجود تھے۔ لیکن جب پرانے سپاہی ختم ہونے لگے اور ان کی جگہ نئے خیر خواہ اور بہادر سپاہی میسر نہ آ سکے۔ تو ہمایوں کی آنکھیں کھلیں لیکن اب اس غلطی کی تلافی ہمایوں کے قبضہ سے باہر تھی۔

کالنجر چنار گڈھ اور جونپور کی فتح:

مغلیہ حکومت کو بھائیوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہمایوں جدید فتوحات کی جانب متوجہ ہوا۔ ہمایوں نے 938ھ مطابق 1531ء میں کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ حاکم کالنجر نے اس محاصرہ سے تنگ آ کر اطاعت قبول کر لی اور بارہ من سونا اور بہت سے تحائف دے کر ہمایوں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی صلح ہوگئی۔

جس زمانہ میں کہ ہمایوں کالنجر کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔اسے اطلاع ملی کہ سکندر لودھی کے بیٹے محمود لودھی نے افغانوں کو اپنے ساتھ ملا کر جونپور پر قبضہ کرلیا ہے۔ہمایوں راجہ کالنجر سے مصالحت کے بعد جونپور آیا۔اور افغانوں پر حملہ کردیا۔افغانوں کو شکست ہوگئی۔محمود پٹنہ بھاگ گیا اور دس سال کے بعد وہیں مرگیا۔

الغرض جونپور پر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا،ہمایوں نے جونپور کو دوبارہ جنید برلاس کے سپرد کردیا،اور خود آگرہ روانہ ہوگیا،آگرہ آنے کے بعد ہمایوں قلعہ چنار گڈھ کی جانب متوجہ ہوا،اس قلعہ پر شیر خاں نے قبضہ جمارکھا تھا۔(یہ شیر خاں وہی شیر شاہ ہے جس نے کہ ہمایوں کو ہندوستان سے نکالنے کے بعد سوری حکومت قائم کی)تھی ہمایوں نے شیر خاں سے مطالبہ کیا کہ قلعہ فوراً حوالہ کردیا جائے۔شیر خاں نے انکار کردیا جس پر ہمایوں کی فوجوں نے قلعہ چنار گڈھ پر چڑھائی کردی۔مگر اس شرط پر صلح ہوگئی کہ شیر خاں اطاعت قبول کرلے قلعہ بدستور شیر خان کے قبضہ میں رہے اور شیر خاں کا بیٹا قطب خاں ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہے۔اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ نے دہلی میں جمنا کے کنارے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام دین پناہ تجویز ہوا۔

ہمایوں کا گجرات پر حملہ:

محمد زماں مرزا،سلطان مرزا اور رفیع مرزا نے بھوجپور میں گنگا کے کنارے بغاوت برپا کر رکھی تھی۔بادشاہ نے لشکر بھیج کر ان کی خوب سرکوبی کی۔سلطان مرزا اور رفیع مرزا کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اندھا کرنے کا حکم دیا گیا اور محمد زماں مرزا کو بیانہ کے قلعہ میں قید کردیا گیا مگر مرزا الزماں کسی طرح قید سے نکل کر گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے پاس چلا گیا۔

ہمایوں کو یہ معلوم تھا کہ گجرات جہاں مدت سے شاہان گجرات خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کررہے تھے وہاں اس کے خلاف زبردست تیاریاں ہورہی ہیں۔لیکن وہ گجرات سے قبل بنگال اور بہار کو زیر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔کیونکہ وہاں پٹھان سرکش ہوتے چلے جارہے تھے۔چنانچہ ہمایوں بنگال و بہار کی تسخیر کے لئے روانہ ہوگیا،لیکن ابھی وہ کالپی میں ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ نے حملہ کرکے چتوڑ کا محاصرہ کرلیا ہے اور محمد زماں مرزا بھی بہادر شاہ سے مل گیا ہے۔اس اطلاع کے ملتے ہی ہمایوں نے بنگال کے بعد بہار کی مہم کو ملتوی کردیا اور گجرات پر حملہ کی غرض سے آگرہ واپس آگیا۔آگرہ آنے کے بعد سب سے پہلے ہمایوں نے بہادر شاہ والی گجرات سے مطالبہ کیا کہ محمد زماں خاں کو جو ہماری حکومت کا باغی ہے یا تو ہمارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالے کردیا جائے یا اس کو اپنی حکومت سے نکال دیا جائے۔لیکن شاہ گجرات بہادر شاہ جو مغلیہ حکومت کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا وہ ہمایوں سے کب دبنے والا تھا، اس نے محمد زماں خاں کے معاملہ میں ہمایوں کو کورا جواب دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حکومتوں میں اور بھی کشیدگی بڑھ گئی اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

بہادر شاہ کسی طرح بھی ہمایوں کے مقابلے میں کمزور نہیں تھا۔اس نے رفتہ رفتہ گجرات کی حکومت کو بہت زیادہ وسیع اور مضبوط بنالیا تھا۔خاندیش، احمد نگر اور برار کے بادشاہ اس کے ہواخواہ بن چکے تھے۔ مالوہ کی سلطنت پر بہادر شاہ قبضہ جما چکا تھا۔اس کے علاوہ لودھی خاندان کے وہ تمام شہزادے اور امراء بھی اس کے ساتھ مل گئے تھے جو بابر سے شکست کھانے کے بعد مغلیہ حکومت سے انتقام کے درپے تھے۔اس پر مزید یہ کہ بہادر شاہ کے پاس ایک بہت بڑا توپ خانہ تھا جس کو قسطنطنیہ کے ایک عثمانی ترک رومی خاں نے مرتب کیا تھا۔اس توپ خانہ میں تین سو ترکی اور اسی پرتگیزی اور فرانسیسی گولہ انداز ملازم تھے۔ بہادر شاہ کو زعم تھا کہ اس توپ خانے کے ذریعہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی حکومت کو فتح کرسکتا ہے۔غرضیکہ بہادر شاہ کے حوصلے بے حد بڑھے ہوئے تھے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ کسی طرح بھی دولت اور طاقت میں ہمایوں سے کم نہ تھا۔ بہادر شاہ نے ہمایوں سے جنگ شروع کرنے سے قبل یہ جنگی چال چلی کہ اپنی فوج کے تین ٹکڑے کردیئے۔ایک ٹکڑا تو ہمایوں کی فوج سے مقابلہ کے لئے محفوظ رکھا، فوج کے دوسرے حصہ کو سلطان علاء الدین کے حوالے کیا کہ وہ کالنجر میں جاکر فتنہ برپا کرے اور فوج کے تیسرے حصہ کو برہان الملک کی سرکردگی میں پنجاب روانہ کردیا تاکہ وہ پنجاب میں جاکر طوفان برپا کرے۔ بہادر شاہ نے یہ طریقہ کار اس لئے اختیار کیا تھا کہ ایک ہی وقت میں کئی موروچوں پر جنگ چھڑ جانے سے ہمایوں اور اس کی فوج سراسیمہ ہوجائے لیکن بہادر شاہ کی بدقسمتی کہ فوج کی تقسیم اس کے لئے بجائے مفید ہونے کے کمزوری کا سبب بن گئی۔

بہادر شاہ ان اہم تیاریوں کے بعد حکومت مغلیہ کو فتح کرنے کے لئے خود دہلی کی جانب بڑھا۔ادھر تاتار خاں نے بیانہ پر حملہ کرکے بیانہ کو فتح کرلیا۔ ہمایوں نے یہ رنگ دیکھا تو اس نے بھی مرزا عسکری، مرزا ہندال اور ناصر مرزا کو اٹھارہ ہزار سپاہ دے کر بہادر شاہ کی اس فوج کے مقابلے کے لئے بھیج دیا جو دہلی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ہمایوں جانتا تھا کہ اگر دہلی پر حملہ کرنے والی اصل فوج کو شکست دے دی تو باقی دو فوجیں خود ہی منتشر ہوجائیں گی۔ چنانچہ ہمایوں کی فوج کی بہادر شاہ کے لشکر سے ٹکر ہوئی لیکن بہادر شاہ کے سپاہیوں پر مغل فوج کا کچھ ایسا رعب چھا گیا کہ وہ بغیر لڑے ہی بھاگنے شروع ہوگئے۔ بہادر شاہ کو 941ھ مطابق 1534ء میں شکست ہوگئی۔ اس کے دوسرے دو لشکر بھی منتشر ہوگئے جس کے بعد بیانہ اور اس کے مضافات پر مغلوں کا قبضہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا۔

مغل لشکر کے مقابلہ میں ناکام ہونے کے بعد بہادر شاہ چتوڑ کے محاصرہ میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور چتوڑ کے قلعہ کو فتح کر لیا لیکن اسے فوراً ہی مغل فوج سے لڑنے کے لئے تیاریاں کرنی پڑیں کیونکہ مغل فوج مالوہ میں داخل ہو چکی تھی۔ بہادر شاہ نے اس مرتبہ اپنے توپ خانے کے افسر رومی خاں کے مشورے سے یہ طے کیا کہ مغل فوج کا مقابلہ شمشیر زن اور تیر انداز سپاہیوں سے کرنے کی بجائے صرف توپ خانہ سے کیا جائے اور گولہ باری سے مغل فوج کے چیتھڑے اڑا دیئے جائیں، لیکن بہادر شاہ کی بدقسمتی کے جب مقابلہ ہوا تو یہ سارا توپخانہ بیکار ثابت ہوا۔ غرضیکہ اس مرتبہ بھی بہادر شاہ کو بری طرح شکست کھانے کے بعد منڈو بھاگنا پڑا۔ ہمایوں کا لشکر اس کے تعاقب میں منڈو گیا تو وہ چمپانیر فرار ہو گیا۔ بہادر شاہ کے توپ خانہ کا افسر رومی خاں بھی فرار ہو کر ہمایوں کے پاس چلا آیا اور ہمایوں کی ملازمت اختیار کر لی۔ مغل فوج فتح اور کامرانی کے ساتھ منڈو سے گجرات روانہ ہوئی تو بہادر شاہ چمپانیر میں آگ لگانے کا حکم دے کر کھمبات کی طرف بھاگ گیا۔ ہمایوں نے چمپانیر میں آتے ہی آگ بجھوائی اور ایک جماعت کو چمپانیر کی حدود میں انتظام کے لئے چھوڑ دیا اور خود بہادر شاہ کے تعاقب میں فوج لے کر کھمبات جا پہنچا۔ بہادر شاہ کو یہاں سے بھی بھاگنا پڑا اور وہ بھاگ کر دیو چلا گیا۔ ہمایوں خود تو کھمبات میں سمندر کے کنارے ٹھہر گیا لیکن لشکر کو بہادر شاہ کے تعاقب میں دیو روانہ کر دیا۔ غرضیکہ بہادر شاہ کے اس فرار اور شکست کے بعد 942ھ مطابق 1535ء میں مانڈو اور گجرات پر بھی ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔

ہمایوں کی بے موقع آرام طلبی :

گجرات کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ہمایوں کو چاہیئے تھا کہ وہ سیدھا دارالسلطنت جاتا کیونکہ اس کے دارالسلطنت سے دور ہونے کی وجہ سے نئے نئے فتنے کھڑے ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ہمایوں کھمبات سے لوٹنے کے بعد قلعہ چمپانیر میں ٹھہر گیا۔ یہاں اتفاق سے اس قلعہ میں سے بہادر شاہ کا ایک بہت بڑا خزانہ بھی ہمایوں کے ہاتھ لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا عیش کی محفلیں روزانہ گرم ہونے لگیں عیش پرستی پر زر و جواہر نچھاور کیئے جانے لگے۔ غرضیکہ ہمایوں اور ہمایوں کے ساتھی کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ نہ تو ان کو دارالسلطنت کی کوئی خبر رہی اور نہ انہوں نے اس گجرات کے انتظام کی جانب توجہ کی جسے انہوں نے بڑی مشکل اور بڑی دشواری سے بہادر شاہ جیسے مضبوط بادشاہ کے قبضہ سے نکالا تھا۔

بہادر شاہ نے مغل بادشاہ کی یہ لاپروائی اور بدانتظامی دیکھی تو اس نے عمادالملک کو گجرات کی تحصیل وصول کرنے کے لئے مقرر کر دیا اور اسے اختیار دے دیا کہ وہ جس طرح چاہے گجرات کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظام کرے۔ چنانچہ عماد الملک جب احمد آباد کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں تحصیل مال کے لئے محصل مقرر کرتا جاتا تھا۔ وہ جدھر بھی جاتا لوگوں کو انعام اور بخشش سے مالا مال کر دیتا۔ معتمدوں کو اس نے جاگیریں دینی شروع کر دیں اور اپنی اس فیاضی اور دریا دلی سے اس نے گجرات کے باشندوں کو پھر بہادر شاہ کا اطاعت شعار بنالیا۔ عماد الملک نے مختصری مدت میں کس قدر ہر دلعزیزی حاصل کرلی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ احمد آباد پہنچا ہے تو اس کے پاس سورت اور کاٹھیاواڑ کے زمینداروں کے علاوہ تیس ہزار فوج جمع ہوگئی تھی۔ مزید یہ کہ جونا گڑھ کا حاکم مجاہد خاں بھی دس ہزار فوج کے ساتھ عماد الملک سے آن ملا تھا۔

ہمایوں اور عماد الملک کی جنگ :

ہمایوں کو جب معلوم ہوا کہ وہ تو عیش پرستی میں مبتلا ہے اور گجرات ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو وہ لشکر لے کر احمد آباد آیا۔ عماد الملک بھی مقابلہ پر صف آرا ہوگیا اس جنگ میں پہلے تو مغلوں کو شکست ہوئی لیکن مغلوں نے سنبھل کر جب دوسرا حملہ کیا تو عماد الملک کے پچاس ہزار کے لشکر میں ہلچل برپا ہوگئی۔ عماد الملک فرار ہوگیا اور گجراتیوں کو شکست ہوئی۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد ہمایوں نے گجرات میں عمال مقرر کئے۔ ہمایوں کے معتمد خاص ہندو بیگ کی یہ رائے تھی کہ چونکہ گجرات دور دراز صوبہ تھے اس لئے یہاں کے انتظام کی بہترین صورت یہ ہے کہ بہادر شاہ سے اقرار اطاعت لے کر یہ سارا صوبہ اسی کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن ہمایوں بہادر شاہ سے اس قدر خفا تھا کہ وہ اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے کسی طرح بھی آمادہ نہ ہوا، اور گجرات کو اپنے بھائی مرزا عسکری اور چند دوسرے امرائے سلطنت کی نگرانی میں دے دیا اور خود مالوہ کی جانب روانہ ہوگیا، تاکہ مالوہ میں بیٹھ کر مالوہ کے فتنہ پردازوں کی بھی سرکوبی کر سکے اور گجرات سے بھی قریب رہے۔

ملک میں جابجا بغاوتیں :

ہمایوں کے دارالسلطنت سے دور رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے مختلف حصوں میں جابجا بغاوتیں کھڑی ہوگئیں بہار میں افغانوں نے بری طرح فتنہ برپا کر دیا۔ محمد سلطان مرزا نے اپنے بیٹے الغ خاں اور شاہ مرزا کی مدد سے قنوج سے لے کر جونپور تک کا علاقہ لے لیا اور اپنے نام کا خطبہ تک پڑھوا دیا۔ صوبہ آگرہ میں اور جمنا کے کنارے کے اضلاع میں بھی سرکشی کے آثار پیدا ہوگئے۔ سکندر خاں اور ملو خاں نے مالوہ میں بغاوت برپا کر دی اور اجین کے حاکم کو قتل کر دیا، ان شورشوں اور بغاوتوں کی اطلاع پانے کے بعد جب ہمایوں 942ھ مطابق 1535ء میں گجرات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے مالوہ پہنچا تو یہاں کے فتنہ پرداز اس طرح کونوں میں چھپ گئے۔ جیسے کبھی انہوں نے بغاوت برپا ہی نہیں کی تھی۔ ان بغاوتوں کے دبنے کے بعد ہمایوں بڑی حد تک مطمئن ہوگیا۔ اور اس نے مالوہ میں ڈیرے ڈال دیئے اور یہاں بھی عشرت پسندی کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ حالانکہ ہمایوں کو چاہیے تھا کہ وہ مالوہ کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد ایک منٹ ضائع کیے بغیر سیدھا آگرہ جاتا تاکہ اس کے دارالسلطنت میں موجود نہ ہونے سے جو فتنے زور پکڑتے جارہے تھے وہ دب جاتے۔

گجرات ہاتھ سے نکل گیا:

گجرات جسے مغل فوج نے بڑی دشواریوں کے بعد فتح کیا تھا۔ وہاں ہمایوں کے نکلتے ہی بغاوتیں برپا ہونا شروع ہوگئیں۔ ان بغاوتوں کے دو سبب تھے۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ گجراتی جو دو سو برس تک شاہان گجرات کے زیر اثر رہے تھے۔ ان کو قدرتی طور پر مغلوں سے نفرت اور گجراتی بادشاہوں سے محبت تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ہمایوں نے وہاں جو نظام حکومت قائم کیا تھا وہ چست نہ تھا۔ ان اسباب کی بنا پر سارے گجرات میں عام بغاوت پھیل گئی۔ بہادر شاہ والی گجرات نے پرتگیزوں کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ ادھر شاہان گجرات کے پرانے امراء اور اعمال نے ایک ایک کر کے مغل عمال کو نکالنا شروع کیا۔ نوساری کا قلعہ، سورت کا شہر، بڑوچ کی بندرگاہ، پٹن کا شہر، غرضیکہ ایک ایک کر کے تمام مقامات مغلوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ مرزا عسکری نے شراب کے نشہ میں مغل فوج کے افسر غضنفر کو قید کرنے کا حکم دے دیا اور وہ بھاگ کر بہادر شاہ سے جاملا۔ چنانچہ اس گھر کے بھیدی نے احمد آباد پر بھی بہادر شاہ کا قبضہ کرادیا۔ مرزا عسکری 943ھ مطابق 1536ء میں شکست کھا کر گجرات سے ایسا بھاگا کہ فوج کو سامان سمیٹنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ غرضیکہ مرزا عسکری امرائے سلطنت اور بچی کھچی فوج کے سپاہی بھاگ بھاگ کر چمپانیر میں جمع ہوگئے اور سارا ملک بہادر شاہ کے قبضہ میں دوبارہ آگیا۔ چمپانیر میں آنے کے بعد مرزا عسکری نے مغل حاکم تردی بیگ پر جبر کرنا شروع کیا کہ وہ اپنا سارا خزانہ نکال کر اسے دے دے۔ اس کے علاوہ یہ رائے قرار پائی کہ مرزا عسکری اپنی بادشاہی کا اعلان کر دے اور آگرہ کے تخت پر جا کر قبضہ جمالے۔ تردی بیگ نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی مرزا عسکری کا مخالف ہوگیا۔ اور اس کو کہلا بھیجا کہ وہ فوراً چمپانیر سے چلا جائے۔ جب اس پر بھی یہ لوگ نہ گئے۔ تو تردی بیگ نے ان کو دھمکانے کے لئے توپیں چلائیں، توپوں کا چلنا تھا کہ یہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بہادر شاہ نے حملہ کر کے چمپانیر پر قبضہ جمالیا۔ تردی بیگ بغیر لڑے مال وزر لے کر نکل گیا، ہمایوں کے پاس منڈو پہنچا اور ہمایوں کو مرزا عسکری کے ناپاک ارادوں سے مطلع کیا۔ ہمایوں کو اندیشہ ہوا کہیں مرزا عسکری پہلے

www.KitaboSunnat.com

سے آگرہ پہنچ کر اپنی بادشاہی کا اعلان نہ کر دے۔ چنانچہ وہ آگرہ کی طرف دوڑا۔ حسن اتفاق سے چتوڑ کے نواح میں مرزا عسکری، ہمایوں کو مل گیا۔ ہمایوں کی صورت دیکھتے ہی بادشاہ بننے کے سارے منصوبے ختم ہو گئے۔ ہمایوں نے بھی مصلحتاً کوئی باز پرس نہیں کی اور یہ دونوں بھائی آگرہ آ گئے۔

مالوہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا :

ہمایوں کے گجرات سے نکلنے کے بعد جو کچھ گجرات میں ہوا تھا وہی صورت مالوہ سے جانے کے بعد مالوہ میں بھی پیش آئی۔ جب تک ہمایوں مالوہ میں رہا۔ باغی منہ چھپائے کونے میں بیٹھے رہے۔ لیکن جب ان کو پتہ چلا کہ بادشاہ آگرہ کے لئے روانہ ہو گیا ہے تو سارے مالوہ میں بغاوتیں کھڑی ہو گئیں۔ بھوپال رائے نے فوراً منڈو کے خالی قلعہ پر قبضہ جما لیا، ملو خاں اور میراں محمد فاروقی مالوہ کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ 943ھ مطابق 1536ھ میں بہادر شاہ کو گجرات کے بعد اپنا ملک مالوہ بھی مل گیا اور یہ دونوں صوبے جن کو کہ ہمایوں نے بڑی جانفشانی سے فتح کیا تھا آن کی آن میں ہاتھ سے نکل گئے۔

ہمایوں کی مایوسی اور ناامیدی :

مالوہ سے آگرہ واپس آنے کے بعد جب ہمایوں کو یہ معلوم ہوا کہ گجرات کے بعد مالوہ پر بھی دشمنوں نے قبضہ جما لیا ہے تو اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ اس نے حکومت کی اندرونی حالت دیکھی تو وہ اور بھی مایوس ہو گیا۔ امرائے سلطنت جو اس کی خیر خواہی کا دم بھرتے تھے، ان کی وفا شعاری متزلزل ہو چکی تھی۔ مرزا ہندال جس کو کہ وہ اپنا جانشین بنا کر آگرہ میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ آگرہ اور آگرہ کے گرد و نواح کی بغاوتوں کو دبانے میں میں کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان مرزا اور اس کے بیٹے کو قنوج اور جونپور سے مرزا ہندال نے نکال دیا تھا۔ لیکن وہ بہار میں پہنچ جانے کے بعد وہاں شورشیں پھیلا رہے تھے۔ پٹھانوں نے علیحدہ ایک طوفان برپا کر رکھا تھا۔ دہلی کی حکومت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ہر جگہ لاقانونی اور بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ جن ممالک کو اس نے بڑی جانفشانی کے ساتھ جان کی بازی لگا کر فتح کیا تھا وہ ایک ایک کر کے سب اس کے ہاتھ سے نکلے چلے جا رہے تھے۔ ان حالات و واقعات کا ہمایوں کے دل و دماغ پر یہ اثر ہوا کہ اس نے سیاسیات اور جہانبانی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ملک کی بدنظمی اور بدانتظامی کے معاملہ میں اس نے سوچنا اور غور کرنا بھی چھوڑ دیا۔ بس اس کا مشغلہ یہ تھا کہ افیون کھاتا رہے اور محل کے اندر مست پڑا رہے اور دربار میں آنا اس نے قطعی بند کر دیا۔ غرضیکہ ہمایوں وہ ہمایوں ہی نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا جس کی شمشیر خارا شگاف آن کی آن میں دشمنوں کی صفوں کو چیر کر رکھ دیتی تھی نہ اس میں ولولہ رہا اور نہ ہمت۔

شیر خاں کا بہار جونپور اور چنار پر قبضہ :

ہمایوں کے دل و دماغ پر تو مایوسی اور نا امیدی چھائی ہوئی تھی اور شیر خاں افغان دن بدن ہمایوں کے لئے خطرہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ 943ھ مطابق 1536ء میں حاکم جونپور امیر جنید برلاس کے مرتے ہی شیر خاں نے بہار اور جونپور پر قبضہ جما لیا۔ قلعہ چنار پر وہ پہلے سے قابض تھا۔ غرض کہ اس نے اپنی فوجی طاقت اچھی طرح بڑھا لی یہاں تک کہ اس نے بنارس اور گورکھپور کو بھی تاراج کر ڈالا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو ہمایوں کی آنکھ کھلی اور اسے محسوس ہوا کہ اگر وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا تو ایک دن حکومت کھو بیٹھے گا۔ مگر ہمایوں ابھی تک یہ طے نہ کر سکا کہ اسے پہلے شیر خاں کی سرکوبی کے لئے جانا چاہئے۔ یا گجرات کو بہادر شاہ کے پنجہ سے نکالنا چاہئے۔

احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ نے ہمایوں کی خدمت میں یہ پیش کش کی تھی کہ اگر وہ گجرات پر حملہ کرے تو وہ گجرات کی فتح میں اس کی پوری مدد کرے گا۔ خود ہمایوں کا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ گجرات پر حملہ کر کے اپنے سب سے بڑے دشمن بہادر شاہ سے انتقام لے۔ لیکن شیر خاں کی دراز دستیوں سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بڑھتا بڑھتا آگرہ تک نہ پہنچ جائے۔ آخر ہمایوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب سے پہلے شیر خاں کی سرکوبی کرے گا۔ چنانچہ ہمایوں نے آگرہ کی حکومت تو اپنے معتمد میر محمد بخشی کے حوالے کی۔ اپنے چچازاد بھائی محمد یادگار ناصر مرزا کو اس کی جاگیر کالپی کا انتظام سپرد کیا اور اپنے بہنوئی نور الدین محمد مرزا کو قنوج اور اس کے نواح کا حاکم مقرر کیا۔ اس انتظام کے بعد ہمایوں نے مرزا عسکری، مرزا ہندال، بیرم خاں اور امرائے سلطنت کو اپنے ساتھ لے کر ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ شیر خاں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا چند ہی روز میں وہ چنار گڑھ پہنچ گیا۔

قلعہ چنار گڑھ کی فتح :

شیر خاں ایک نہایت ہی شاطر سپہ سالار تھا۔ اس نے ہمایوں کی آمد کی اطلاع سنتے ہی ایسا خوبصورت جنگی نقشہ تیار کیا جس میں پھنسنے کے بعد ہمایوں کبھی نکل ہی نہ سکے۔ اس کی سب سے پہلی چال یہ تھی کہ ہمایوں اور اس کے لشکر کو کئی مہینے تک قلعہ چنار گڑھ کے معرکہ میں الجھا لینا چاہئے۔ چنانچہ شیر خاں قلعہ چنار گڑھ کو اپنے بیٹے قطب خاں اور سرداروں کے سپرد کر کے ہمایوں کے آنے سے قبل ہی چلتا بنا اور ہمایوں اس قلعہ کی فتح میں ایسا الجھا کہ پورے چھ مہینے لگ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر چھ مہینے کی جدوجہد کے بعد ہمایوں بمشکل تمام 944ھ مطابق 1537ء میں قلعہ چنار گڑھ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوا۔ ہمایوں اس طویل مدت میں صرف ایک قلعہ سے سر مارتا رہا اور شیر خاں نے ہمایوں اور اس کے سارے لشکر کو چنار گڑھ میں الجھانے کے بعد اس دوران میں سارا بنگال فتح کر کے شاہانِ بنگال کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا، چنار گڑھ فتح کر کے ہمایوں جب بنارس آیا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ شیر خاں نے پورا بنگال لے لیا ہے تو اس نے یہ طے کیا کہ شیر خاں سے صلح کر لی جائے۔ لیکن بعض ناعاقبت اندیش امرائے سلطنت نے اور بنگال کے شکست خوردہ بادشاہ کے وکیل نے جب ہمایوں پر بنگال کی فتح کے لئے زور دیا تو ہمایوں ان کے غلط مشورہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

ہمایوں کی بنگال کو روانگی :

ہمایوں نے چنار گڑھ کا انتظام تو بیگ ببرک کے سپرد کیا اور اپنے لشکر کو لے کر 943ھ مطابق 1537ء میں دیناپور کے قریب جا پہنچا۔ یہیں بنگال کا معزول اور زخمی بادشاہ محمود شاہ بھی ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی مظلومی اور شیر خاں کے مظالم کی بادشاہ سے فریاد کی۔ ہمایوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے یقین دلایا کہ بہت جلد اس کا ملک اسے واپس دلا دیا جائے گا۔

شیر خاں کو جب معلوم ہوا کہ ہمایوں بنگال آ رہا ہے تو اس نے یہ طے کیا کہ برسات کے موسم میں بادشاہ اور اس کی فوج کو بنگال میں پھنسا دیا جائے اور اس سے لڑائی نہ کی جائے۔ لیکن جب برسات ختم ہو جائے تو بادشاہ کی واپسی اور کمک کے راستے بند کر کے اس پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ شیر خاں نے اپنے بیٹے جلال خاں کو ہدایت کی کہ "فی الحال ہمایوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں میں بہار جا کر شورش برپا کرتا ہوں۔ تم ہمایوں کے لشکر کا انتظار کرو جب میں رہتاس پہنچ جاؤں تو ہمایوں کو بنگال میں چھوڑ کر میرے پاس چلے آنا" بیٹے کو یہ ہدایت کر کے شیر خاں بنگال سے چلا گیا۔ اور چند ہی روز کے بعد ہمایوں کا لشکر بنگال میں داخل ہو گیا۔ جب یہ لشکر نواحی گڈھی میں پہنچا تو جلال خاں نے باپ کی ہدایت کے خلاف جوش میں آ کر ہمایوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ ہمایوں کو خلاف توقع شکست کے بعد بے اندازہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ہمایوں نے دوبارہ لشکر کو ترتیب دیا لیکن اس مرتبہ جب لشکر جلال خاں پر حملہ کے لئے آگے بڑھا تو جلال خاں غائب تھا۔ ہمایوں حیران تھا کہ جلال خاں خود بخود کیوں چلا گیا۔ لیکن اسے تو باپ کی ہدایت کے مطابق ہمایوں کے لئے دیدہ و دانستہ میدان صاف کرنا تھا۔ نواحی گڈھی پر بھی جلال خاں نے محض اس لئے ہمایوں کے لشکر پر حملہ کیا تھا کہ شیر خاں کو اتنی فرصت مل جائے کہ وہ بنگال کے مال غنیمت کو رہتاس لے جا سکے۔ جب شیر خاں رہتاس جا پہنچا تو جلال خاں بھی بنگال میں ہمایوں کو آزاد چھوڑ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر باپ کے پاس چلا گیا۔

بنگال پر ہمایوں کا قبضہ :

جلال خان کے چلے جانے کے بعد ہمایوں بغیر کسی مقابلہ کے بنگال کے دارالسلطنت گور پر قابض ہو گیا۔ بنگال افغانوں کے ظلم و ستم سے تباہ اور برباد ہو چکا تھا۔ دارالسلطنت گور میں ہر طرف لاشوں کا ڈھیر تھا گلی اور کوچے سڑ رہے تھے۔ ہمایوں نے یہاں کی صفائی کرائی اور چند ماہ کے اندر اندر 945ھ مطابق 1538ء میں پورے بنگال پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمایوں جس طرح گجرات اور مالوہ میں رہ پڑا تھا، اسی طرح بنگال میں بھی اس بادشاہ نے ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ ملک بادشاہ کو ایسا پسند آیا کہ نو مہینے تک یہاں سے ہلنے کا نام تک نہ لیا۔ روزانہ عیش و عشرت کی محفلیں گرم رہتیں۔ مرزا ہندال نے بادشاہ کی یہ مدہوشی دیکھی تو وہ بنگال سے سیدھا آگرہ پہنچا اور تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے آگرہ میں جوڑ توڑ شروع کر دیا۔ برسات کی وجہ سے سارے راستے مسدود تھے۔ بادشاہ دارالسلطنت سے دور بنگال میں پڑا تھا۔ نہ یہاں کی خبر وہاں جا سکتی تھی اور نہ وہاں کی خبر یہاں آ سکتی تھی اور اگر کسی نہ کسی طرح کوئی پریشان کن خبر بنگال پہنچ بھی جاتی تھی تو اسے ہمایوں سے اس لئے چھپایا جاتا تھا کہ کہیں اس کی محفل عیش میں اس خبر سے تلخی نہ پیدا ہو جائے۔

شیر خاں نے واپسی کے تمام راستے بند کر دیئے

ہمایوں تو دارالسلطنت سے دور اور ملکی معاملات سے بے خبر بنگال میں پڑا ہوا عیش کی گھڑیاں گزار رہا تھا اور شیر خاں اس کے راستے میں کانٹے بچھانے میں مصروف تھا۔ شیر خاں نے سب سے پہلے بہار فتح کرنے کے بعد ہمایوں کے لئے بنگال سے واپس آنے کے تمام راستے بند کر دیئے اور اس کے بعد اس نے بنارس کا محاصرہ کر لیا اور پھر جونپور کی تسخیر کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ ہمایوں کے وفا شعار امرائے سلطنت جو آگرہ میں تھے انہوں نے مرزا ہندال اور ہمایوں کے بہنوئی نورالدین کو توجہ دلائی کہ وہ شیر خاں کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکیں لیکن مرزا ہندال جو تخت و تاج کی فکر میں تھا اسے ملکی معاملات سے کہیں زیادہ خود اپنی فکر تھی۔

مرزا ہندال کی آگرہ میں تخت نشینی :

مرزا ہندال نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ہمایوں بنگال میں پھنس کر رہ گیا ہے اور یہ موقعہ بادشاہی کے اعلان کے لئے بہترین ہے۔ فوراً چند باغی امرائے سلطنت کی معاونت کے بعد آگرہ کے تخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر قبضہ جمالیا اور اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ جب ہمایوں کے دوسرے بھائی مرزا کامران کو یہ اطلاع ملی کہ ہندال بادشاہ بن بیٹھا ہے تو وہ بھی تخت حاصل کرنے کے لئے آگرہ کی جانب چل دیا کیونکہ وہ اپنے آپ کو مغلیہ حکومت کے تخت کا زیادہ حق دار سمجھتا تھا۔ مرزا ہندال کو جب معلوم ہوا کہ بھائی آگرہ کے پاس پہنچ چکا ہے تو وہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر پانچ ہزار سواروں کے ساتھ الور چلا گیا، لیکن بعض امرائے سلطنت نے مرزا ہندال کو الور سے بلا کر دونوں بھائیوں میں صلح کرادی اور یہ مشورہ دیا کہ دونوں بھائی مل کر اس شیر خاں کا مقابلہ کریں جو مغلیہ حکومت کو غصب کر جانا چاہتا ہے لیکن ان دونوں بھائیوں نے محض خود غرضی کی بناء پر اس لئے شیر خاں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ کیونکہ یہ جانتے تھے کہ اگر شیر خان کو زیر کرلیا تو ہمایوں کو بنگال سے رہائی مل جائے گی اور اس کے بنگال سے آنے کے بعد ہماری بادشاہت کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

ہمایوں کی بنگال سے روانگی :

جب ہمایوں کو بنگال میں ان واقعات کا علم ہوا کہ مرزا ہندال بادشاہ بن چکا ہے۔ مرزا کامران بھی تخت حاصل کرنے کی فکر میں ہے اور شیر خاں کی بغاوت بنارس اور جونپور تک پھیل چکی ہے، تو وہ موسم کی خرابی اور راستہ کے خطرات کے باوجود بنگال میں جہانگیر قلی کو حاکم مقرر کرنے کے بعد خود آگرہ کے لئے روانہ ہو گیا وہ بمشکل تمام مونگیر ہوتا ہوا پٹنہ سے موتیہ پہنچا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دریائے گنگا دریائے سون سے ملتا ہے۔ شیر خاں نے جب سنا کہ ہمایوں آگرہ جا رہا ہے اور اس کا لشکر نہایت ہی پراگندہ حالت میں ہے تو شیر خاں نے ہمایوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ اور چونسہ میں ہمایوں کے لشکر کو آن کر گھیر لیا۔ ہمایوں کا لشکر ڈھائی مہینہ تک گھرا پڑا رہا۔ اس مدت میں صرف چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمایوں کے لشکر میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ وہ شیر خاں سے کوئی بڑی لڑائی لڑ سکتا۔ آخر ہمایوں عاجز ہو گیا اور اس نے یہی مناسب سمجھا کہ صلح کر کے شیر خاں جیسے قوی دشمن سے پیچھا چھڑائے۔ چنانچہ ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ بنگال اور بہار کا معاملہ شیر شاہ کو دے دیا جائے۔ شیر خاں ہمایوں کو اپنا بادشاہ مانے اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوائے۔ اس کے علاوہ چنار کا قلعہ بھی شیر خاں کو دے دیا جائے۔

صلح کے بعد شیر خاں کا ہمایوں پر حملہ :

شیر خاں نے بظاہر تو صلح کر لی تھی لیکن حقیقت میں یہ بھی اس کی ایک جنگی چال تھی صلح کے بعد اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، اور ہدایت کر دی کہ جب ہمایوں کا لشکر جنگ کی طرف سے بے فکر ہو جائے تو اچانک اس پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ شیر خاں نے اس تجویز کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق محرم 946ھ مطابق 1539ء میں خود دریائے گنگا کے کنارے چوسہ کے مقام پر بے خبری کے عالم میں ہمایوں کے لشکر پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا اور افغان سپاہی آنکھیں بند کر کے مغلوں کے قتل عام میں مصروف ہو گئے۔ اس حملہ میں ہمایوں کی فوج کے تمام بڑے بڑے افسر اور امرائے سلطنت مارے گئے۔ مغل بیگمات شیر خاں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں۔ ہمایوں چاروں طرف سے گھر گیا۔ اس نے بڑی بہادری کے ساتھ افغانوں کا مقابلہ کیا اور بری طرح زخمی ہوا۔ اس نازک وقت میں خود اس کے آدمیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہمایوں کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح گنگا پار کر کے دریا کے دوسری طرف چلا جائے۔ لیکن دریا پر آیا تو پل ٹوٹا ہوا تھا۔ آخر اس نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ پانی زیادہ تھا۔ گھوڑا ران کے نیچے سے نکل گیا۔ بادشاہ ڈبکیاں کھانے لگا تو بادشاہی لشکر کے ایک سقے نے ہوا بھری ہوئی مشک پر بادشاہ کو سوار کر کے بادشاہ کی جان بچائی اور اسے دریا کے پار پہنچا دیا۔ دریا پار اتر کر بادشاہ نے سقہ سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا کہ "نظام"۔ ہمایوں نے کہا تو میرے لئے نظام اولیاء ہے، تو نے میری جان بچائی ہے۔ جب میں تخت پر بیٹھوں گا تو تجھے ایک دن کی بادشاہت دوں گا۔ ہمایوں کے ساتھ یہ تاریخی واقعہ 9 صفر 946ھ مطابق 27 جون 1539ء کو پیش آیا تھا۔ غرضیکہ ہمایوں اس طرح بمشکل جان بچانے کے بعد گنگا پار پہنچا اور لشکر کے بچے ہوئے آدمیوں کی ایک جمعیت تیار کر کے آگرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مرزا عسکری اور بعض دوسرے امرائے سلطنت بھی ہمایوں سے آن ملے۔ غرضیکہ شیر خاں نے ہمایوں کو دھوکہ دے کر ایک ایسی شکست دی کہ ہمایوں اس کے بعد مدتوں سنبھلنے کے قابل نہ ہو سکا۔ لیکن شیر خاں نے اتنا ضرور کیا کہ ملکہ اور مغل بیگمات جو گرفتار ہو گئی تھیں ان کی بڑی عزت کی۔ نیز تباہ شدہ مغل سپاہیوں کے بیوی بچوں کا بھی بڑا خیال رکھا۔ اور ان سب کو بحفاظت آگرہ پہنچا دیا۔

ہمایوں کی آگرہ میں واپسی :

ہمایوں جب گنگا پار کرنے کے بعد آگرہ کی جانب روانہ ہوا تو افغانوں نے پھر اسے گھیرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ افغانی افسر میر فرید غور نے اس کا تعاقب کیا اور شاہ محمد افغان آگے راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہمایوں کو ہر طرف سے گھیر کر ختم کر دیا جائے لیکن اس نازک وقت میں ایک راجپوت سردار راجہ پر بھان نے ہمایوں کی مدد کی۔ راجہ پر بھان نے میر فرید غور کے مقابلہ پر آ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ادھر ہمایوں محمد افغان سے لڑتا ہوا کالپی کی طرف نکل گیا اور سخت دشواریاں اٹھانے کے بعد آگرہ پہنچ گیا۔

ہمایوں جب آگرہ پہنچا تو اس کے ساتھ مرزا عسکری، دو تین امراء اور صرف مٹھی بھر سپاہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ ہمایوں کے آنے کے بعد سب سے پہلے اس کا بھائی مرزا کامران قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے گلے سے لگالیا۔ مرزا کامران اور اس کی والدہ کی سفارش سے مرزا ہندال کا قصور بھی ہمایوں نے معاف کر دیا، اس نے بھی بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

نظام سقّے کی ایک دن کی بادشاہی :

نظام سقہ جس نے کہ ہمایوں کی جان بچائی تھی اور بادشاہ نے اس سے ایک دن کی بادشاہت عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بادشاہ نے وعدہ کے مطابق ایک دن کے لئے اسے آگرہ کے تخت پر بٹھا دیا اور اس کو حکمرانی کے پورے اختیارات دے دیئے۔ نظام سقے نے تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمان جاری کیے، اپنی برادری کے آدمیوں کو انعام واکرام دیئے اور مشکیں کتروا کر چمڑے کا سکہ چلایا۔ اس سکہ پر اپنا اور اپنی سلطنت کا نام نقش کرایا۔ لیکن امرائے سلطنت نے ہمایوں کے اس رویہ کو سخت ناپسند کیا۔ اور مرزا کامران تو ہمایوں کی اس عجیب وغریب فیاضی سے ایسا ناراض ہوا کہ اس نے عوام کو بادشاہ کے خلاف بھڑکانے تک سے گریز نہیں کیا۔

شیر شاہ کی بادشاہی کا اعلان :

ہمایوں کے آگرہ واپس آنے کے بعد سے ہمایوں، مرزا کامران، مرزا ہندال اور امرائے سلطنت میں روزانہ شیر خاں کو زیر کرنے کے لئے مشورے تو ہوتے رہے لیکن بھائیوں کی کدورت کی وجہ سے کوئی بھی عملی قدم نہ اٹھایا جاسکا۔ ادھر شیر خاں کی مستعدی کا یہ عالم تھا کہ اس نے بنگال پر حملہ کر کے جہانگیر قلی کو مار بھگایا۔ مغلوں کے ایک ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کے بعد شیر خان کا لقب اختیار کرنے کے بعد بنگال میں اپنی بادشاہی کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

بنگال پر تسلط جمانے کے بعد شیر شاہ بہار آیا۔ بہار کا بیشتر حصہ وہ پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے بہار میں بھی اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اب بنگال اور بہار کے دو بڑے صوبوں میں شیر شاہ کی حکومت تھی اس کے بعد شیر شاہ نے جونپور سے لے کر قنوج تک کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ شیر شاہ نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ بہت سا لشکر دے کر اپنے بیٹے قطب خاں کو کالپی اور اٹاوہ کی فتح کے لئے بھیج دیا یعنی شیر شاہ نے ہمایوں کی تقریباً ساری سلطنت پر قبضہ جمالیا اور ہمایوں کی حکومت صرف آگرہ اور دہلی کی فصیلوں کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔

شیر شاہ اور ہمایوں کی فیصلہ کن جنگ :

ہمایوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ شیر شاہ کا لشکر دوآبے تک آ گیا ہے۔ تو اس نے اس بات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتہائی کوشش کی کہ بھائیوں کے دلوں میں جو کدورت پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے تاکہ تینوں بھائی متحد ہو کر اپنے سب سے بڑے دشمن کا مقابلہ کر سکیں لیکن کامران کی حالت یہ تھی کہ وہ زبان سے تو ہمایوں کا حامی اور مددگار تھا۔ لیکن دل سے یہ چاہتا تھا کہ ہمایوں کا اقتدار ختم ہو جائے۔ چنانچہ وہ بیماری کا بہانہ کر کے پنجاب چلا گیا۔ اور اپنے سارے لشکر کو بھی ساتھ لے گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کی فوجی حیثیت بے حد کمزور ہوگئی۔ ہمایوں کو کامران کے جانے سے بڑی مایوسی ہوئی لیکن اس نے پھر بھی جوں توں کر کے چالیس ہزار فوج جمع کر لی۔ لیکن اس چالیس ہزار کے لشکر میں زیادہ تر ایسے آدمی تھے جنہوں نے ساری عمر کبھی لڑائی کا میدان نہیں دیکھا تھا۔ ہمایوں کو چونکہ کابل اور قندھار سے بہادر اور تربیت یافتہ سپاہی نہیں مل سکتے تھے اس لئے وہ ان غیر تربیت یافتہ سپاہیوں پر انحصار کرنے پر مجبور تھا۔

ہمایوں نے سب سے پہلے اپنے منتخب لشکر کو شیر شاہ کے بیٹے قطب خاں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس نے کہ کالپی اور اٹاوہ میں ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ شیر شاہ کا بیٹا قطب خاں اس لڑائی میں مارا گیا اور شیر شاہ کے لشکر کو شکست ہوگئی۔ اس فتح کے بعد ہمایوں کا حوصلہ کچھ بڑھا اور وہ ذی قعد 947ھ مطابق 1540ء میں اپنے لشکر کو لے کر دریائے گنگا کے پار اتر گیا اور شیر شاہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شیر شاہ بھی مقابلہ پر آ گیا۔ شیر شاہ کے لشکر میں مشکل سے پندرہ ہزار سپاہی تھے۔ اس کے برخلاف ہمایوں کا لشکر چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن ان چالیس ہزار میں بیشتر سپاہی ایسے ناکارہ تھے کہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ شیر شاہ کے پہلے ہی حملہ میں میدان نہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جنگ چھڑتے ہی ہمایوں کے لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ان بھاگنے والوں نے نہ تو دوسرے تربیت یافتہ سپاہیوں کو لڑنے کا موقع دیا اور ان کی بھگدڑ کی وجہ سے نہ توپ خانہ ہی اپنا کام کر سکا۔ حالت یہ تھی کہ ہمایوں کے اپنے ہی آدمی توپوں پر گرے پڑتے تھے اور سپاہیوں کو کچلے ڈال رہے تھے۔ ہمایوں نے کئی مرتبہ قلب لشکر میں جا کر خود نبرد آزمائی کی تاکہ بھاگنے والوں کی ہمت بندھے۔ لیکن ان کو تو محض اپنی جان کی سلامتی کی فکر تھی۔ مگر یہ جان بھی نہ بچا سکے۔ کیونکہ بھاگنے والوں کا بیشتر حصہ بدحواسی میں دریا میں کود کود کر جو کہ ان کے راستہ میں حائل تھا غرق ہو گیا، یہاں تک کہ امراء اور جاگیردار بھی عالم بدحواسی میں دریا کی لہروں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

ہمایوں کا میدانِ جنگ سے فرار:

ہمایوں شکست کھانے کے بعد ہاتھی پر بیٹھ کر بمشکل دریا سے پار ہوا اور آگرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستہ میں مرزا ہندال، مرزا عسکری اور بچی کھچی فوج بھی ہمایوں کے ساتھ آن ملی۔ ہمایوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اس شکست کا رعایا کے دل ودماغ پر یہ اثر پڑا کہ راستہ میں دیہاتیوں نے جمع ہو ہو کر ہمایوں کے لشکر کو لوٹنا چاہا یعنی ہمایوں کا اقتدار اس جنگ کے بعد بالکل ہی ختم ہو گیا۔ ہمایوں آگرہ پہنچا تو یہاں سب کی نگاہیں بدلی ہوئی تھیں۔ شہر میں ایک ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ہمایوں نے لوگوں کی یہ روش دیکھی تو وہ آگرہ کے قلعہ میں بھی نہیں گیا بلکہ سیکری میں ٹھہر گیا اور اس نے مرزا ہندال کو آگرہ بھیج دیا۔ تاکہ وہ تمام شاہی خاندان کو نکال لائے اور جتنا بھی خزانہ لاسکتا ہے، لے آئے۔ ہمایوں کی جان سیکری میں بھی محفوظ نہ تھی۔ چنانچہ ایک روز کسی نامعلوم شخص نے اس کے تیر مارا جو اس کے قریب ہی آن کر گرا۔ بادشاہ یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور دہلی کے لئے روانہ ہو گیا، خزانہ اور شاہی خاندان اس کے ہمراہ تھا۔ 18 محرم 947ھ مطابق 1540ء کو وہ دہلی پہنچ گیا۔ مرزا ہندال اور مرزا عسکری اور دوسرے امرائے سلطنت دہلی میں اس سے جدا ہونے کے بعد اپنی اپنی جاگیروں اور ریاستوں میں چلے گئے۔

ہمایوں نے صرف دو دن دہلی میں قیام کیا، 20 محرم 947ھ مطابق 1540ء کو دہلی سے روانہ ہو کر رہتک پہنچا، یہاں مرزا ہندال بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ رہتک کے بعد بادشاہ سرہند کے لئے روانہ ہوا۔ سرہند سے جالندھر اور جالندھر سے لاہور اپنے بھائی کامران کے پاس چلا گیا۔

شیر شاہ کی فوج ہمایوں کے تعاقب میں:

ہمایوں قنوج کے قریب شکست کھانے کے بعد جب فرار ہوا تو شیر شاہ نے آگے بڑھ کر شہر آگرہ، قلعہ آگرہ اور تمام نواحی علاقہ پر قبضہ جمالیا۔ اس کے بعد شیر شاہ ہمایوں کے تعاقب میں دہلی روانہ ہو گیا۔ جب شیر شاہ دہلی پہنچا تو ہمایوں دہلی سے جا چکا تھا۔ شیر شاہ نے دہلی کے شہر اور قلعہ پر قبضہ جمایا۔ خود تو یہیں قیام کیا اور اپنی فوج کو ہمایوں کا پیچھا کرنے کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ شیر شاہ کی فوج نے ہمایوں کا سرہند تک پیچھا کیا۔ لیکن یہ فوج سرہند سے آگے اس لئے نہیں بڑھی کیونکہ شیر شاہ اور اس کے فوجی افسروں کو یہ اندیشہ تھا کہ پنجاب جہاں مرزا کامران کی حکومت ہے کہیں وہاں ان کو کسی نئی مصیبت کا سامنا کرنا نہ پڑ جائے۔ اس کے علاوہ شیر شاہ دہلی فتح کرنے کے بعد قطعی مطمئن ہو گیا تھا اور وہ آگے قدم بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

شاہی خاندان کو لاہور بھی چھوڑنا پڑا:

شیر شاہ اگرچہ دہلی تک قابض ہو گیا تھا لیکن مغلوں کی حکومت جو لاہور سے کابل اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھی ابھی باقی تھی۔ اگر ہمایوں اور اس کے بھائیوں میں اتحاد ہوتا تو وہ کابل اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قندھار سے نئی فوج لاکر شیر شاہ کو شکست دے سکتے تھے لیکن ان بھائیوں میں عناد اور دشمنی کا یہ عالم تھا کہ کامران نے در پردہ شیر شاہ سے نامہ و پیام شروع کر دیئے اور شیر شاہ کو لکھا کہ ''اگر پنجاب بدستور میرے قبضہ میں رہنے دیا جائے تو میں ہر خدمت کے لئے آمادہ ہوں۔'' مرزا کامران کا جو قاصد یہ پیغام لے کر شیر شاہ کے پاس گیا تھا۔ اس سے شیر شاہ نے تمام پوست کندہ اندرونی حالات معلوم کر لئے۔ قاصد کی زبانی مرزا کامران کو تو تسلی دے دی لیکن مرزا کامران اور اس کے بھائیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے شیر شاہ خود لشکر لے کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ مرزا کامران نے شیر شاہ سے پنجاب کو بچانے کے لئے در پردہ کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے خود شیر شاہ کو پنجاب پر حملہ کی دعوت دی تھی کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اگر پنجاب باقی رہ گیا تو اسے ہمایوں ضرور واپس لے لے گا۔ خیر یہ تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا مرزا کامران نے شیر شاہ کو پنجاب پر حملے کی دعوت دی تھی یا شیر شاہ نے پنجاب پر خود حملہ کیا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرزا کامران نے جب سنا کہ شیر شاہ کی فوج لاہور آرہی ہے تو اس نے بغیر لڑے پنجاب چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس کے پاس کافی تعداد میں فوج تھی۔ غرضیکہ ہمایوں اس کے بھائی اور شاہی خاندان بغیر لڑے لاہور سے چناب کی طرف روانہ ہو گیا۔ مرزا کامران کی اس مشتبہ روش نے مرزا ہندال کو کامران سے اس قدر متنفر کر دیا تھا کہ وہ مرزا کامران کو قتل تک کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ لیکن ہمایوں نے باپ کی وصیت کا اعادہ کرتے ہوئے اسے اس فعل سے روک دیا تھا۔

مرزا کامران کی کابل کو روانگی :

ہمایوں کوچ پر کوچ کرتا ہوا ہزارہ آیا۔ یہاں مرزا کامران بھی مع اپنے لشکر کے بادشاہ کے پاس آ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ ''جب سے بندہ کابل سے ہندوستان آیا ہے تو مشاغل کی کثرت کی وجہ سے آرام کرنے کی کبھی فرصت نہیں ملی۔ میں اور میرے ملازم سب تھک گئے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کابل جا کر کچھ دن آرام کروں اور اس کے بعد نئی فوج کی تیاری کا کام شروع کروں۔ مجھ کو کابل جانے کی اجازت دی جائے۔'' ہمایوں سمجھ گیا کہ مرزا کامران اس لئے پہلے سے کابل پہنچ جانا چاہتا ہے تاکہ کہیں بڑا بھائی کابل پر قبضہ نہ جما لے۔ ہمایوں نے اجازت دے دی اور کامران کابل کے لئے روانہ ہو گیا۔

ہمایوں کی دربدر ٹھوکریں :

ہمایوں نے ہزارہ سے کشمیر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مرزا ہندال اسے اصرار کر کے سندھ کی طرف لے گیا۔ اس کے بعد ہمایوں بہرہ پہنچا، پھر خوشاب آیا اور اس کے بعد ہندال اور یادگار مرزا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہمراہ بھکر چلا گیا، وہاں سے گل بلوچ آیا۔ جہاں ہمایوں کو راستہ بھول جانے کی وجہ سے اور پانی کی کمی کی بناء پر سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ گل بلوچ کے علاقہ سے نکل کر بادشاہ بخشو لنگا آیا۔ جہاں کے راجہ نے بادشاہ کی خوب خاطر داری کی یہاں سے چل کر ہمایوں نے دریائے سندھ کے کنارے اور بکھر کے سامنے قصبہ لہری کے ایک باغ میں قیام کیا اور یہاں پر قلعہ بکھر اور شیہوان کا محاصرہ کیا، اس کے بعد ہمایوں پاتر میں آیا جو دریائے سندھ سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اور اپنے بھائی مرزا ہندال سے ملا۔

ہمایوں کی حمیدہ بیگم سے شادی:

ہمایوں جب پاتر میں آیا تو مرزا ہندال کی والدہ دلدار بیگم نے بادشاہ کی دعوت کی۔ بہت سی بیگمات بھی اس دعوت میں شریک تھیں۔ ان ہی شرکاء میں سے ہندال کے استاد شیخ علی اکبر جامی کی بیٹی حمیدہ بیگم بھی تھی جو بلا کی حسین تھی۔ بادشاہ اس کی صورت دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا، اس نے پوچھا کہ وہ کسی جگہ نامزد تو نہیں ہے جواب ملا کہ اس کی منگنی تو ہو گئی ہے مگر ابھی نکاح نہیں ہوا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اس سے نکاح کروں گا۔ چنانچہ ہمایوں کے ساتھ مریم مکانی حمیدہ بیگم کا نکاح کر دیا گیا۔ حمیدہ بیگم وہی قابل فخر خاتون ہے جس کے بطن سے امر کوٹ میں اکبر جیسا بادشاہ پیدا ہوا۔

ہمایوں کی وہی دشت نوردی:

ہمایوں کو علاقہ بکھر میں رہتے ہوئے زیادہ دن ہو گئے تو وہ اپنی بیوی حمیدہ بیگم کو ساتھ لے کر ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہو گیا اور یادگار مرزا کو بھکر کے محاصرہ کے لئے چھوڑ گیا۔ یہاں شاہ حسین نے یادگار مرزا پر ڈورے ڈال کر اپنا حامی اور ہمایوں کا مخالف بنا لیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یادگار مرزا اور شاہ حسین کی سازش سے بادشاہ کی رسد کی کشتیوں کو لوٹا گیا۔ اس کے آدمیوں کو قتل کیا گیا اور اس کے راستہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کی گئیں۔ یہاں تک کہ ہمایوں کو دریا پار کرنے کے لئے کشتیاں تک نہ دی گئیں۔ آخر ہمایوں نے مویشی پکڑوا کر منگوائے، ان کی کھال کی مشکیں بنوائیں اور ان پر بیٹھ کر دریا پار کیا۔ ہمایوں کے لشکر میں غلہ کی اس قدر کمی ہو گئی کہ اس کے سپاہی بھوکے مرنے لگے۔ کچھ بھاگ بھاگ کر دشمنوں سے جا ملے۔ غرضیکہ ہمایوں کی مصیبتیں دن بدن بڑھتی ہی چلی گئیں۔ یادگار ناصر مرزا جو ہمایوں کا عزیز اور قوت بازو تھا وہ بھی اس کی جان کا دشمن بن گیا۔ قاسم حسین بادشاہ سے کنارہ کر کے یادگار ناصر مرزا کے پاس چلا گیا۔ تردی بیگ اور منعم بیگ جیسے پرانے فدا کار بھی بھاگے جا رہے تھے کہ ہمایوں نے ان کو بڑی مشکل سے روکا، غرضیکہ سارا زمانہ ہی ہمایوں سے پلٹ چکا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمایوں کی قدم قدم پر مخالفت :

ہمایوں کو اس مصیبت میں راجہ مالدیو کا عریضہ ملا جس میں ہمایوں کو مالدیو آنے کی دعوت دی گئی تھی ۔لیکن بادشاہ نے مالدیو جانے سے قبل تحقیق حال کرایا تو پتہ چلا کہ راجہ مالدیو اس لئے بادشاہ کو بلا رہا ہے تا کہ بادشاہ کا سر کاٹ کر شیر شاہ کو بھیجنے کے بعد شیر شاہ کی خوشنودی حاصل کرے۔بادشاہ نے اس سازش کے انکشاف کے بعد مالدیو جانے کے بجائے جسیلمیر کے راستہ امرکوٹ جانے کا ارادہ کیا لیکن جب بادشاہ جسیلمیر پہنچا تو وہاں کا راجہ بھی بادشاہ کا دشمن ہو گیا۔راجہ نے جسیلمیر کے تمام کنوؤں میں ریت بھروادیا اور تالابوں پر پہرہ بٹھادیا تا کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی پیاسے مر جائیں چنانچہ جسیلمیر میں بادشاہ کے بہت سے آدمی اور سواری کے جانور پیاس سے مر گئے۔

امرکوٹ میں اکبر کی پیدائش :

بادشاہ جسیلمیر میں سخت تکلیف اور مصیبت اٹھانے کے بعد جب امرکوٹ آیا تو امرکوٹ کے راجہ نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔اپنی فوج بادشاہ کی خدمت کے لئے پیش کی۔بادشاہ کے پاس روپیہ نہیں رہا تھا اس لئے اس نے ان تمام امراء کے روپیہ میں سے ایک حصہ لے لیا جو اس کے ساتھ تھے۔امرکوٹ کے قیام کے دوران میں 5 رجب 949ھ مطابق 15 اکتوبر 1542ء کو حمیدہ بیگم کے بطن سے خدا نے ہمایوں کو بیٹا عطا کیا تو ہمایوں کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ اپنی ساری مصیبتوں کو بھول گیا۔امراء مبارکباد پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے تو ہمایوں کے پاس ان کو انعام واکرام دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔وہ اس وقت بالکل مفلوک الحال تھا۔لیکن اسے یاد آیا کہ اس کے پاس ایک نافہ مشک ابھی باقی ہے۔ہمایوں نے فوراً نافہ منگایا،اس کو توڑا اور چینی کی رکابی میں مشک کو نکال کر رکھا،اور اس کی ایک ایک چٹکی امیروں میں تقسیم کردی اور دعا مانگی کہ اس مشک کی خوشبو کی طرح اس لڑکے کی شہرت بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے اور اس کے بعد بیٹے کا نام جلال الدین محمد اکبر تجویز کیا۔امرکوٹ میں ہمایوں کو زمانہ دراز کے بعد آرام و آسائش حاصل ہوئی تھی۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امرکوٹ کا راجہ ہمایوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔اس نے اپنا روپیہ پیسہ اور آدمی ہمایوں کے لئے وقف کردیئے تھے۔امرکوٹ کے راجہ کی کوشش سے ہمایوں کے پاس پندرہ سولہ ہزار آدمیوں کا لشکر بھی جمع ہو گیا تھا لیکن خواجہ غازی نے ایک روز راجہ امرکوٹ سے کچھ ایسی بدتمیزی کی گفتگو کی جس سے یہ راجہ ناراض ہو گیا اور اس نے ہمایوں سے بھی قطع تعلق کرلیا۔راجہ کے جانے کے بعد دوسرے امراء بھی کھسک گئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پھر ہمایوں بے یار و مددگار رہ گیا۔

بیرم خاں ہمایوں کے پاس :

ہمایوں کا پرانا رفیق بیرم خاں جو پندرہ سال کی عمر میں ہمایوں کی فوج میں بھرتی ہوا تھا کچھ مدت سے ہمایوں کی فوج سے الگ ہو گیا تھا۔ بیرم خاں کی وفا شعاری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیر شاہ نے اسے بڑے سے بڑا لالچ دیا لیکن اس نے اپنے پرانے آقا کی مخالفت گوارا نہ کی اور جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ سخت مصیبت میں دن گزار رہا ہے تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ ہمایوں کو اس کے آنے سے بے حد خوشی ہوئی اور اس کے پست حوصلوں میں بیرم خاں کی وجہ سے ایک جان سی پڑ گئی۔

شاہ حسین اور ہمایوں کی صلح :

ہمایوں اگرچہ بے تاج بادشاہ تھا اس کے ساتھی اور سپاہی بھی اس سے علیحدہ ہو چکے تھے لیکن پھر بھی وہ لائق سپہ سالار تھا۔ اس نے صوبہ سندھ میں قدم رکھنے کے بعد سے شاہ حسین کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ کبھی ہمایوں نے بھکر کے قلعہ کا محاصرہ کیا، کبھی سیہوان پر حملہ کیا۔ غرضیکہ شاہ حسین اپنے ملک میں ہمایوں کے قیام کو ایک مستقل خطرہ سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے مجبور ہونے کے بعد ہمایوں سے ان شرائط پر صلح کر لی کہ بادشاہ شاہ حسین کے ملک کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ شہ حسین دریا پار کرنے کے لئے بادشاہ کو تیس کشتیاں دے گا اور ایک لاکھ مثقال نقد، دو ہزار خروار غلہ اور تین سو اونٹ نذر کرے گا۔ ان شرائط کے مطابق ہمایوں 7 ربیع الاول 950ھ مطابق 10 جولائی 1543ء کو دریا پار کر کے شاہ حسین کی حکومت سے چلا گیا۔ سندھ اور اس کے نواح میں ہمایوں ڈھائی برس تک رہا اور اس ساری مدت میں اس نے سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔

ہمایوں کے قتل کے لئے بھائیوں کی سازشیں :

شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد ہمایوں چاہتا تھا کہ ہندوستان کے کسی حصہ میں مغلوں کی حکومت دوبارہ قائم ہو جائے۔ تاکہ وہ شیر شاہ سے انتقام لے سکے۔ لیکن اس کے بھائیوں نے اور عزیزوں نے اسے کہیں بھی پاؤں جمانے کا موقع نہ دیا۔ وہ پنجاب کو مغلیہ حکومت کا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ مگر کامران نے اس کے پاؤں پنجاب سے اکھاڑ دیئے۔ وہ سندھ میں حکومت کے قیام کی کوششوں میں لگا رہا۔ مگر یادگار ناصر مرزا نے شاہ سندھ سے سازش کر کے اسے وہاں بھی نہ جمنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ ہندوستان میں ہر جگہ ناکام ہونے کے بعد آخر اس نے قندھار جانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ قندھار سے نئی فوج بھرتی کرنے کے بعد وہ ہندوستان کو دوبارہ فتح کر سکے۔ لیکن اسے یہ معلوم کر کے بڑی مایوسی ہوئی کہ اس کا بھائی مرزا کامران جو کابل اور قندھار کا بادشاہ بنا ہوا ہے اس نے ہمایوں کی گرفتاری اور قتل کی تجاویز پہلے ہی سے تیار کر رکھی ہیں۔ لہٰذا ہمایوں نے یہ طے کیا کہ وہ مستنگ سے ہوتا ہوا عراق اور حجاز چلا جائے۔

مرزا عسکری کی ہمایوں کو گرفتار کرنے کی کوشش :

ہمایوں نے خوردسال اکبر کو جس کی عمر کہ ایک سال کی تھی نوکروں کے سپرد کیا، حمیدہ بیگم کو گھوڑے پر بٹھایا اور چالیس آدمیوں کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف نکل گیا ابھی تھوڑے یہ فاصلہ پر پہنچا تھا کہ اس کو اطلاع ملی کہ مرزا عسکری ایک بڑے لشکر کے ساتھ اسے گرفتار کرنے آرہا ہے۔
ہمایوں نے محفوظ علاقہ کی جانب اپنے مختصر سے قافلہ کا رخ موڑ دیا۔ چنانچہ جب مرزا عسکری آیا تو ہمایوں دور جا چکا تھا۔ مرزا عسکری کو بادشاہ کے نکل جانے کا بڑا افسوس ہوا۔ میر غزنوی جو شہزادہ اکبر کا محافظ تھا۔ جب مرزا عسکری کے پاس آیا تو مرزا نے کہا کہ میں تو صرف بھائی سے ملنے آیا تھا وہ شاید کچھ اور سمجھ کر یہاں سے چل دیئے۔ دوسرے دن مرزا عسکری نے ہمایوں کے خیموں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ کچھ آدمیوں کو قید کرلیا اور کچھ کو شکنجہ میں کس کر جان سے مار ڈالا۔ تردی بیگ سے اس کا روپیہ چھین لیا، شہزادہ اکبر کو طلب کیا، میر غزنوی اور ماہم آغا (آنگہ) جب شہزادہ اکبر کو لے کر آئے تو مرزا عسکری نے اسے خوب پیار کیا اور اس کو مع اس کے پرورش کرنے والوں کے 18 رمضان 950ھ مطابق 1543ء کو قندھار لے گیا اور اپنی بیوی سلطان بیگم کے سپرد کر دیا جس نے اکبر کی ماں کی طرح پرورش کی۔

ہمایوں کی ایران کو روانگی :

ہمایوں جب بلوچوں کے علاقہ سے گزرا تو بلوچوں نے ہمایوں کی بے حد عزت اور خاطر داری کی۔ اس علاقے سے نکلنے کے بعد وہ گرم سیر پہنچا، جو قندھار کا علاقہ تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ مرزا کامران کا لشکر اسے گرفتار کرنے آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جلدی سے سیتان میں جو شاہ ایران کا علاقہ تھا، داخل ہو گیا اور ایک جھیل کے کنارے مقیم ہو گیا۔ اس زمانہ میں ایران کا بادشاہ طہماسپ شاہ تھا جو خاندان تیموریہ کا موروثی اور بہت پرانا دوست تھا۔ سیتان میں شاہ کی جانب سے احمد سلطان حاکم تھا جس نے شاہانہ طریقہ پر ہمایوں کی مہمانداری کی۔
ہمایوں کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ اس کے باپ کی وسیع حکومت کے ایک حصہ پر تو شیر شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے قبضہ جمالیا، اس کے بعد کابل، غزنی، قندھار، بدخشاں اور دوسرے ممالک جو باقی رہ گئے تھے۔ وہ ان بھائیوں کے قبضے میں ہیں جو اس کی جان کے دشمن ہیں۔ یعنی باپ کی اتنی بڑی حکومت میں اس کے لئے سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں اور اسے دوسروں کی حکومت میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈنی پڑ رہی ہے۔ غرضیکہ ہمایوں ہندوستان سے ترک وطن کرنے کے بعد 950ھ مطابق 1548ء میں ایران چلا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرہواں باب

ہندوستان میں دوبارہ پٹھانوں کی حکومت

947ھ مطابق 1540ء تا 961ھ مطابق 1554ء

ظہیر الدین بابر نے 933ھ مطابق 1526ء میں لودھی پٹھانوں کو پانی پت کے میدان میں شکست دینے کے بعد ہندوستان میں مغلوں کی ایک نہایت ہی مستحکم حکومت قائم کردی تھی۔ لیکن بابر کے مرنے کے بعد بابر کی اولاد محض خانہ جنگی کی بناء پر اس حکومت کو نہ سنبھال سکی چنانچہ مغلوں کی یہ حکومت شیر شاہ کی فتح اور ہمایوں کی شکست کے بعد مغلوں کے ہاتھ سے نکل کر پٹھانوں کے ہاتھ میں دوبارہ چلی گئی۔

جدید پٹھان حکومت کا بانی شیر شاہ سوری :

شیر شاہ سوری جس نے کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال کر اس ملک میں پٹھانوں کی حکومت کی ازسرنو بنیاد رکھی اس کی ابتدائی زندگی بڑی عجیب اور نہایت دلچسپ ہے۔ شیر شاہ کا دادا ابراہیم خاں سوری ان افغانی پٹھانوں کی نسل سے تھا جو سوری کہلاتے تھے اور کوہ سلیمان کے گردونواح میں آباد تھے۔ شیر شاہ کا دادا ابراہیم خاں سوری اور شیر شاہ کا باپ حسن خاں سوری سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے تھے۔ شیر شاہ سوری سلطان بہلول ہی کے دور حکومت میں حصار فیروزہ میں پیدا ہوا تھا۔

شیر شاہ کے دادا ابراہیم خاں سوری نے ہندوستان آنے کے بعد سب سے پہلے پرگنہ ہریانہ اور بھکل کے جاگیردار مہابت خاں سوری کی ملازمت اختیار کی اس کے بعد حصار فیروزہ میں جمال سارنگ خاں کا ملازم ہوگیا جس نے پرگنہ نارنول کے چند گاؤں ابراہیم خاں کو عنایت کردیئے تھے۔ اسی طرح شیر شاہ کے باپ حسن خاں نے بھی ایک افغانی امیر خان اعظم مسند عالی عمر خاں سروانی حاکم لاہور کی ملازمت اختیار کرلی تھی جس نے حسن خاں کی خدمات سے خوش ہوکر اسے پرگنہ شاہ آباد میں موضع بھاونی اور کئی گاؤں بطور جاگیر دے دیئے تھے۔ ابراہیم خاں کے مرنے کے بعد حسن خاں کو اپنی جاگیر کے علاوہ نہ صرف باپ کی ساری جاگیر مل گئی بلکہ جمال سارنگ خاں نے اسے اور بھی چند دیہات عطا کردیئے اور اس کے بعد جب جمال سارنگ جونپور کا حاکم ہوا تو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حسن خاں کو پرگنہ، سہسرام، حاجی پور، خاص پور اور ٹانڈہ دے کر پانچ سو سواروں کا جاگیردار مقرر کر دیا۔ غرضیکہ اس طرح شیر شاہ کے باپ حسن خاں کو اچھی خاصی بڑی جاگیر مل گئی۔

شیر شاہ عالم و فاضل تھا :

شیر شاہ کے باپ حسن خاں کے آٹھ بیٹے تھے جن میں سے فرید خاں (جو شیر شاہ کا اصلی نام تھا) اور نظام خاں تو پٹھان بیوی سے تھے اور دو بیٹے سلیمان اور احمد اس لونڈی سے تھے جس پر حسن خاں بری طرح فریفتہ تھا۔ باقی چار بیٹے علی، یوسف، خرم خاں اور شادی خاں دوسری دو بیویوں سے تھے۔ شیر شاہ کا باپ چونکہ لونڈی کی محبت میں بری طرح گرفتار تھا اس لئے نہ تو فرید خاں یعنی شیر شاہ کو پوچھتا تھا اور نہ اس کی ماں کو بس حسن خاں کے گھر پر اس کی لونڈی اور اس کے لڑکوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ حسن خاں نے جاگیر کی تقسیم کے وقت بھی فرید خاں (شیر شاہ) کا کچھ خیال نہ کیا۔ اسی وجہ سے شیر شاہ باپ سے ناراض ہو کر جمال خاں حاکم جونپور کے پاس چلا گیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔ اس نے چند روز کے اندر اندر فارسی اور عربی میں بڑی قابلیت پیدا کر لی۔ فلسفہ، منطق اور تاریخ پر بھی اسے اچھا خاصہ عبور حاصل ہو گیا اور اسے پٹھانوں میں ایک عالم و فاضل تصور کیا جانے لگا۔ پٹھانوں کو اس بات کا افسوس تھا کہ حسن خاں نے ایک لونڈی کی محبت میں مبتلا ہونے کے بعد فرید خاں (شیر شاہ) جیسے لائق بیٹے کو جاگیر سے محروم کر دیا۔ حالانکہ بڑا بیٹا ہونے کے اعتبار سے حسن خاں کا جائز جانشین تھا۔ چنانچہ ایک روز حسن خاں جب جونپور میں جمال خاں کے پاس آیا تو اس کے بھائی بندوں اور عزیزوں نے جمع ہو کر اس بات پر بڑی لعنت و ملامت کی کہ اس نے لونڈی کے پھندے میں پھنس کر فرید خاں (شیر شاہ) جیسے لائق بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ حالانکہ قوم سور میں ایک آدمی بھی علم و فہم اور فراست میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ برادری کے آدمیوں نے حسن خاں کو اس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے دونوں پرگنوں کی حکومت فرید خاں (شیر شاہ) کے سپرد کر دے۔ برادری کے آدمیوں کے زور دینے پر حسن خان اس کے لئے راضی ہو گیا اور اس طرح ان کے دو پرگنوں کی حکومت فرید خاں (شیر شاہ) کو مل گئی۔

شیر شاہ بہترین منتظم ثابت ہوا :

ان پرگنوں کی حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد فرید خاں (شیر شاہ) نے سب سے پہلے تو ان مفسدوں کو ان پرگنوں سے نکالا جو پرگنوں کے باشندوں کے لئے مصیبت بنے ہوئے تھے اور اس کے بعد نیا انتظام کر کے ان پرگنوں کی آمدنی کو اتنا بڑھایا کہ ساری رعایا اور سپاہ مالا مال ہو گئی۔ ان پرگنوں کی خوش انتظامی کی وجہ سے سارے صوبہ بہار میں فرید خاں (شیر شاہ) کی شہرت پھیل گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد یہ دونوں پر گنے فرید خاں (شیر شاہ) کے قبضہ سے نکل گئے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ فرید خاں (شیر شاہ) کے باپ کی چہیتی لونڈی نے اس پر زور دیا کہ یہ پر گنے اس کے بیٹے سلیمان کو دے دیئے جائیں اور اس پر گھر میں روزانہ جھگڑے رہنے لگے اور معاملہ اتنا بڑھا کہ حسن خاں نے فرید خاں (شیر شاہ) کو لکھا کہ "میں جانتا ہوں کہ تو ہی ان پر گنوں کا جائز مستحق ہے اور تجھ سے بہتر ان پر گنوں کا انتظام کوئی نہیں کر سکتا لیکن سلیمان کی ماں نے ان پر گنوں کی خاطر میری زندگی خراب کر رکھی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو ان پر گنوں کو سلیمان کے حوالے کر دے تا کہ مجھ کو رات دن کے جھگڑوں سے نجات مل جائے۔" چنانچہ فرید خاں (شیر شاہ) نے باپ کے حکم کے مطابق یہ دونوں پر گنے سلیمان کے حوالے کر دے اور خود تلاش روزگار میں آگرہ آکر دولت خاں کا ملازم ہو گیا۔ دولت خاں بارہ ہزار سواروں کا سردار تھا اور سلطان ابراہیم لودھی کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتا تھا۔

باپ کے پرگنوں پر شیر شاہ کا قبضہ :

شیر شاہ بڑا ہی سعادت مند بیٹا تھا۔وہ اگر چاہتا تو باپ کی زندگی ہی میں باپ کی جاگیر پر قبضہ کر سکتا تھا مگر اس نے محض باپ کے سکون قلب کی خاطر گھر کی جاگیر چھوڑ کر دوسروں کی نوکریاں کیں لیکن جب باپ مر گیا تو اس نے دولت خاں کے ذریعے سلطان ابراہیم لودھی سے ان پر گنوں کے لئے اپنے حق میں فرمان حاصل کر لیا اور باپ کے پر گنوں پر دوبارہ قابض ہو گیا۔فرید خاں (شیر شاہ) کا بھائی سلیمان پر گنوں کی حکومت سے محروم ہونے کے بعد محمد خاں شاہ خیل حاکم چونڈہ کے پاس فرید خاں (شیر شاہ) کی فریاد لے کر گیا اور اس کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ چنانچہ محمد خاں شاہ خیل نے ہر چند فرید خاں (شیر شاہ) پر زور دیا کہ پر گنوں کی حکومت میں سلیمان کو بھی شریک کر لے مگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوا۔فرید خاں (شیر شاہ) اس کے لئے تو تیار تھا کہ وہ پر گنوں کی آمدنی میں سے واجب حصہ سلیمان کو دیتا رہے۔لیکن وہ اس چیز کے حق میں نہ تھا کہ ایک علاقہ میں دو حاکم رہیں۔فرید خاں (شیر شاہ) کے اس انکار پر محمد خاں حاکم چونڈہ اس کا مخالف ہو گیا اور اسے نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔فرید خاں (شیر شاہ) جانتا تھا کہ حاکم چونڈہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔اس لئے شیر خاں نے بہار خاں پسر دربار خاں لوحانی کی ملازمت اختیار کر لی تا کہ وہ حاکم چونڈہ کے شر سے محفوظ رہ سکے۔یہ وہ زمانہ تھا جب بابر دہلی کے تخت پر بیٹھ چکا تھا اور بہار خاں سلطان محمد خاں کا لقب اختیار کرنے کے بعد بہار کا بادشاہ بن چکا تھا۔

فرید خاں (شیر شاہ) چند روز کے اندر اندر حسن خدمات کی وجہ سے سلطان محمد کے مقربوں میں شمار ہونے لگا۔فرید خاں (شیر شاہ) کے حسن انتظام کی وجہ سے سارے بہار میں اس کی شہرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔ سلطان محمد ہی نے شیر شاہ کو جس کا اصلی نام فرید خاں تھا، تلوار سے شیر مارنے پر شیر خاں کا خطاب دیا تھا جس کے بعد وہ شیر خاں کے نام سے مشہور ہوا۔ شیر شاہ کافی مدت تک سلطان محمد کی خدمت میں رہا لیکن اسے اپنے پرگنوں کے انتظام کے لئے رخصت لے کر جانا پڑا اور وہاں وہ ایسا الجھا کہ نکل ہی نہ سکا۔

شیر شاہ کے پرگنوں پر تلوار کے زور سے قبضہ :

محمد خاں حاکم چونڈہ جو مدت سے شیر شاہ کی تاک میں تھا جب اس نے دیکھا کہ شیر شاہ سلطان محمد والی بہار کی ملازمت سے کنارہ کش ہو کر اپنے پرگنوں میں جا بیٹھا ہے تو اس نے سلطان محمد کو شیر شاہ کے پرگنوں کی ضبطی کے لئے ابھارا اور مشورہ دیا کہ یہ پرگنے اس سے نکال کر اس کے بھائی سلیماں خاں کو دے دیئے جائیں۔ جو شیر شاہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ لائق فائق ہے۔ سلطان محمد نے جواب دیا کہ "بلاوجہ پرگنوں کی ضبطی یا منتقلی تو مناسب نہیں معلوم ہوتی، لیکن بہتر ہے کہ تم کسی طرح ان بھائیوں میں تصفیہ کرادو۔ یہ معاملہ میں تمہارے ہی فیصلہ پر چھوڑتا ہوں۔" محمد خاں حاکم چونڈہ کو جب سلطان محمد کی طرف سے اتنا سہارا مل گیا تو اس نے فوراً فوج کشی کر کے شیر شاہ کے پرگنوں پر حملہ کر دیا، شیر شاہ نے مردانہ وار مقابلہ کیا مگر اسے شکست ہوئی اور یہ دونوں پرگنے بزور شمشیر شیر شاہ کے بھائی کو حاکم چونڈہ کی عنایت سے مل گئے۔ یہ شیر شاہ پر پہلی کاری ضرب تھی جس نے کہ اس کی سپاہیانہ غیرت کو بیدار کیا۔

شیر شاہ کا حاکم چونڈہ پر حملہ :

پرگنوں سے محروم ہونے کے بعد شیر شاہ کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ وہ بہار کے بادشاہ سلطان محمد کے پاس جائے اور اس سے مدد لے۔ مگر شیر شاہ جانتا تھا کہ سلطان محمد ذرا سی بات کے لئے محمد خاں حاکم چونڈہ سے لڑنا پسند نہیں کرے گا۔ لہٰذا اس نے مغلوں سے ساز باز کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کے بعد وہ پٹنہ میں آیا اور سلطان جنید برلاس کے پاس اپنا وکیل بھیج کر عرض کیا کہ "اگر سلطان قول دیں کہ مجھے آزار نہ پہنچائیں گے تو میں دل و جان سے آپ کی خدمت کے لئے تیار ہوں۔" شیر شاہ کی شہرت کیونکہ اس علاقہ میں کافی پھیل چکی تھی اس لئے سلطان جنید برلاس نے اسے اپنے لئے مفید سمجھتے ہوئے ملازمت میں لے لیا اور اپنا لشکر اس کے سپرد کر دیا۔ شیر شاہ نے اس لشکر کے ذریعے نہ صرف اپنے پرگنے واپس لے لئے۔ بلکہ محمد خاں حاکم چونڈہ پر حملہ کر کے چونڈہ اور چند دوسرے علاقوں کو بھی فتح کر لیا اور اس کے بعد افغانوں کو لشکر میں زیادہ سے زیادہ بھرتی کر کے اپنی طاقت کو خوب بڑھایا۔ شیر شاہ نے یہ مہربانی کی کہ چونڈہ کا علاقہ محمد خاں کو پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس کردیا۔ جس کی وجہ سے محمد خاں ہمیشہ شیر شاہ کا ممنون احسان رہا۔

شیر شاہ کو مغلوں سے نفرت:

حالات وواقعات سے مجبور ہو کر شیر شاہ اگرچہ مغلوں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اور وہ چندیری کی مہم میں اور چند دوسری لڑائیوں میں بابر کے دوش بدوش لڑ بھی چکا تھا۔ لیکن اس کو فطری طور پر مغلوں سے نفرت تھی۔ وہ مغلوں کے طریق جنگ کو بھی ناقص خیال کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ "اگر قسمت ساتھ ہو تو مغلوں کو بڑی آسانی کے ساتھ ہندوستان سے نکال سکتا ہوں"۔ جب افغان اس کی یہ باتیں سنتے تو مذاق اڑاتے۔ عباس خاں مولف تاریخ شیر شاہی لکھتا ہے کہ "شیر شاہ نے میرے چچا شیخ محمد سے پٹھانوں کے ایک مجمع میں کہا کہ تم اس بات کے گواہ رہنا میں کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر قسمت نے یاوری کی تو بہت جلد مغلوں کو ہندوستان سے نکال دوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افغان جنگ اور شمشیر زنی میں مغلوں سے بہت بہتر ہیں۔ افغانوں نے ہندوستان کی سلطنت محض خانہ جنگی کی وجہ سے کھوئی ہے۔ میں نے مغلوں میں رہ کر ان کی جنگی روش کو بغور دیکھا ہے مغل میدان جنگ میں استقلال کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتے۔ ان کے بادشاہ ملکی معاملات میں حصہ لینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ملکی امور ان ارکان حکومت کے سپرد کر دیتے ہیں جو زر کے بندے ہیں، اگر قسمت نے ساتھ دیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں کس طرح افغانوں کو متحد کرتا ہوں کہ پھر ان میں نفاق پیدا کرنا ناممکن ہو جائے گا"۔ یہ تھے مغلوں کے بارے میں شیر شاہ کے خیالات۔

شیر شاہ شہنشاہ بابر کی دعوت میں:

شیر شاہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں کہ وہ مغلوں کی فوج میں سردار تھا۔ بابر بادشاہ کی ایک دعوت میں شامل ہوا۔ اس دعوت میں جب اس نے بھنی ہوئی مرغی کو بے تکلف چھری سے کاٹ کاٹ کر کھانا شروع کیا۔ اور بابر کی نظر اس پر پڑی تو اسی وقت بابر نے اپنے وزیر میر خلیفہ کے کان میں کہا کہ "تم کو اس شیر خاں سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے ہر وقت اس پر نگاہ رکھو اس کے بشرہ پر بادشاہی کے آثار مجھے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے بہت بڑے بڑے افغان رئیس اور امیر دیکھے ہیں۔ مگر جو شوکت وحشمت شیر خاں کے چہرے سے عیاں ہے وہ میں نے آج تک کسی میں انہیں دیکھی جب سے میری نظر اس پر پڑی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے فوراً گرفتار کر لوں"۔ خلیفہ جو سلطان جنید کا بھائی تھا۔ اس نے یہ کہہ کر معاملہ کو ٹال دیا کہ "اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس نہ سپہ ہے اور نہ زر پھر اس سے کس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس جیسے بے حقیقت آدمی کو بلا وجہ گرفتار کر کے پٹھانوں میں بدظنی پیدا کرنا کوئی دانشمندی نہیں"۔ بادشاہ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ لیکن شیر شاہ نے بابر کی نظروں سے سب کچھ سمجھ لیا، وہ کھانے کے دوران ہی میں موقع پا کر باہر آ گیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر چلتا بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے دیکھا تو وہ مجلس سے غائب تھا۔ بادشاہ نے اسے تلاش کرایا تو معلوم ہوا کہ وہ جا چکا ہے۔ بادشاہ نے خلیفہ سے کہا کہ "اگر تم منع نہ کرتے تو میں ضرور اس کو گرفتار کر لیتا، وہ ایک نہ ایک دن اہم حیثیت حاصل کر کے رہے گا"۔

شیر شاہ ملک بہار کا مالک و مختار:

شیر شاہ بابر کی دعوت سے فرار ہونے کے بعد سیدھا اپنی جاگیر میں آیا، اور سب سے پہلے سلطان جنید برلاس کے تزکیہ قلب کے لئے قیمتی تحائف بھیجے اور عریضہ ارسال کیا کہ "میں اپنے بھائی نظام خاں کے بلانے سے اچانک بادشاہ سے رخصت لئے بغیر اپنی جاگیر میں آ گیا ہوں اس کی وجہ یہ ہے میرا مخالف سلیمان بہار کے بادشاہ سلطان محمد کو میرے خلاف بھڑکا رہا ہے اور بادشاہ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ میں نے مغلوں کی ملازمت کر لی ہے۔ مجھ کو اپنی جاگیر کے نکل جانے کا چونکہ اندیشہ تھا اس لئے میں یہاں آ گیا ہوں میں آپ کا ہر وقت خادم ہوں۔ آپ جو حکم دیں گے بجا لاؤں گا"۔

سلطان جنید برلاس کو اس طرح تھپکنے کے بعد شیر شاہ اپنے پرانے آقا "سلطان محمد" شاہ بہار کے پاس چلا گیا۔ جو اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ اور اسے فوراً اپنے خورد سال بیٹے جلال خاں کا اتالیق اور نگراں بنا دیا۔ جب سلطان محمد کا انتقال ہوا تو جلال خاں اس کا جانشین ہوا۔ جلال خاں کی عمر چونکہ کم تھی اس لئے جلال خاں کی ماں ملکہ دودو اس کی بجائے بہار پر حکمرانی کرتی تھی۔ شیر شاہ بدستور جلال خاں کا نگراں اور اتالیق رہا۔ لیکن ملکہ دودو کے مرنے کے بعد شیر شاہ نائب سلطنت بن گیا اب وہ سارے بہار کا مالک و مختار تھا۔

اسی زمانہ میں بنگال اور گور کے بادشاہ سلطان محمود نے یہ دیکھتے ہوئے، کہ بہار کے تخت پر ایک خورد سال لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ بہار پر حملہ کر کے اسے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ شیر شاہ نے ہر چند کوشش کی کہ یہ جنگ ٹل جائے۔ مگر بنگالیوں نے قطب خاں کی سرکردگی میں بہار پر حملہ کر دیا۔ شیر شاہ اور دوسرے افغانوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے شاہ بنگال کے لشکر کو شکست دیدی، اس لڑائی میں بہت سے ہاتھی گھوڑے اور بے اندازہ خزانہ شیر شاہ کے ہاتھ لگا جس سے کہ وہ بے حد دولت مند ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوحانی پٹھانوں نے شیر شاہ کو نکال دیا:

بہار کا خورد سال بادشاہ جلال خاں لوحانی پٹھانوں کی نسل سے تھا اور اس کی حکومت میں لوحانی پٹھانوں کو بہت زیادہ دخل تھا۔ یہ سب کے سب لوحانی پٹھان شیر شاہ سے جو کہ سوری پٹھان تھا۔ عناد رکھنے لگے اور شیر شاہ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ شیر شاہ کی خوش قسمتی کہ ان لوحانی پٹھانوں کی ایک جماعت اپنے قوم کے پٹھانوں سے الگ ہو کر شیر شاہ سے مل گئی اور شیر شاہ کو لوحانی پٹھانوں کے خوفناک ارادوں سے قبل از وقت مطلع کر دیا۔ شیر شاہ نے یہ رنگ دیکھا تو بادشاہ سے کہا کہ مجھ میں اور لوحانی پٹھانوں میں کشیدگی حد سے بڑھ چکی ہے اب اس حکومت میں یا تو میں ہی رہ سکتا ہوں۔ یا لوحانی پٹھان ہی رہ سکتے ہیں اس لئے آپ اس معاملہ میں فیصلہ کر دیجئے بادشاہ جو کہ خود بھی لوحانی پٹھان تھا۔ اور اپنے ہم قوموں سے ڈرتا تھا۔ اس نے شیر شاہ کو اس کی خدمت سے سبکدوش کر دیا اور خلعت دے کر اسے رخصت کر دیا۔ شیر شاہ اپنی جاگیر سہسرام میں چلا آیا اور افغانوں کا ایک بڑا لشکر جمع کر لیا۔

شیر شاہ اور شاہ بنگال کی بہار کے لئے جنگ:

لوحانی پٹھانوں نے شیر شاہ کو شاہ بہار کے پاس سے نکلوا تو دیا۔ مگر ان سب کو ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں شیر شاہ حملہ کر کے بہار کو فتح نہ کر لے اس لئے انہوں نے بہار کے خورد سال بادشاہ جلال الدین کو یہ مشورہ دیا کہ قبل اس کے کہ شیر شاہ بہار پر حملہ کرے بادشاہ کو چاہئے کہ بنگال جا کر خود ہی ملک بہار کو شاہ بنگال کی نذر کر دے۔ اور شاہ بنگال کی اطاعت اختیار کرنے کے بعد بہار واپس آ جائے۔ تا کہ اس طرح ایک طرف شاہ بنگال کے منظر کا خوف جاتا رہے اور دوسری جانب شیر شاہ یا مغل اگر حملہ کریں تو شاہ بنگال کی مدد سے ان کو شکست دی جا سکے۔ چنانچہ اس مشورہ کے مطابق خورد سال بادشاہ جلال الدین نے شاہ بنگال کے پاس جا کر ملک بہار کو شاہ بنگال کے حوالے کر دیا۔ اور شاہ بنگال کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی فوج فوراً بہار روانہ کر دے تا کہ شیر شاہ کے ارادوں کا پتہ چل جائے اگر شیر شاہ مقابلہ پر آئے تو اس سے جنگ کی جائے۔

اس تجویز کے مطابق شاہ بنگال کی فوج بہار پر قبضہ جمانے کے لئے روانہ ہو گئی۔ جب شیر شاہ کو معلوم ہوا کہ لوحانی پٹھان اور بادشاہ بنگال پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے شاہ بنگال سے ملک بہار کا سودا کر لیا ہے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر بنگالی فوج کے مقابلے کے لئے آ گیا۔ شیر شاہ پہلے تو اپنے خام قلعہ کے اندر محصور ہو کر لڑتا رہا۔ لیکن اس کے بعد قلعہ سے نکل کر اس نے بنگالی لشکر پر ایسا سخت حملہ کیا کہ بنگالی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ شیر شاہ کو فتح ہوئی۔ بہار کا خزانہ جواہرات ہاتھی گھوڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توپخانہ اور بے اندازہ سامان شیر شاہ کے ہاتھ آیا۔ شیر شاہ کا اگرچہ پوری طرح بہار پر تسلط نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ملک میں امن وامان اور تجارت کو بحال کرنے کے انتظامات شروع کر دیئے۔

شیر شاہ کا چنار کے قلعہ پر قبضہ:

بہار کے اس معرکہ کے فوراً ہی بعد شیر شاہ کے ہاتھ چنار کا اہم ترین قلعہ بھی آ گیا۔ یہ قلعہ تاج خاں سارنگ کی بیوہ لاڈو بیگم کے قبضہ میں تھا۔ لاڈو بیگم کے سوتیلے بیٹے جب اس کے مخالف ہو گئے تو اس نے شیر شاہ سے سلسلہ جنبانی شروع کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر شاہ اور لاڈو بیگم کا نکاح ہو گیا اور اس طرح یہ قلعہ اور اس کے گردونواح کا تمام علاقہ اور اس کی فوج شیر شاہ کے قبضے میں آ گئی اور اس کے ساتھ ہی بیگم نے شیر شاہ کو ڈیڑھ سو قیمتی جواہرات سات من موتی، ڈیڑھ سو من سونا اور بہت سی قیمتی اشیاء بھی دیں، غرض کہ شیر شاہ کو اپنی حکمت عملی سے بغیر کسی مشقت کے مستحکم ترین قلعہ مل گیا، بہت بڑا خزانہ ہاتھ آ گیا اور اس کی فوجی طاقت میں بھی نمایاں اضافہ ہو گیا۔

بہار میں شیر شاہ کا ایک دوسرا رقیب:

شیر شاہ جس نے بہار کو شاہ بنگال کی فوجوں سے لڑ کر حاصل کیا تھا، ابھی پوری طرح بہار پر قبضہ بھی نہیں جمانے پایا تھا کہ بہار میں اس کا ایک دوسرا رقیب سلطان محمود لودھی کود پڑا۔ جسے حال ہی میں بابر کے مقابلے میں فتح پور سیکری میں شکست ہوئی تھی۔ سلطان محمد کا خسر مسند عالی اعظم ہمایوں ثانی، مسند عالی عیسیٰ خاں نبیرہ مسند عالی عمر خاں سابق حاکم لاہور اور دوسرے پٹھان امراء جو بہار میں تھے انہوں نے سلطان محمود کو پٹنہ بلا کر بادشاہ بنا دیا۔ شیر شاہ کو سلطان محمود کی آمد اگرچہ بے حد ناگوار گذری لیکن وہ سیاست ملکی کے اعتبار سے یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ تمام پٹھان امراء سے مخالفت مول لے کر اپنے لئے نئی مشکلات پیدا کر لے شیر شاہ بھی اس وقت سلطان محمود کے لشکر سے لڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ مصلحت وقت کو دیکھ کر شیر شاہ بھی سلطان محمود کے پاس چلا آیا۔ سلطان محمود نے شیر شاہ کو دیکھ کر کہا "تم کو میرے آنے سے کسی تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ میں عارضی طور پر بہار آ گیا ہوں۔ جب میرا جونپور پر قبضہ ہو جائے گا تو بہار تم کو دے دوں گا۔ بہار پر تمہارا ہی حق ہے۔ تم نے اپنی تلوار کے زور سے شاہ بنگال کو شکست دے کر اسے فتح کیا"۔ اور یہ کہنے کے بعد بہار کی واپسی کے لئے ایک فرمان لکھ کر شیر شاہ کو دے دیا۔

سلطان محمود کچھ دن کے قیام کے بعد اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا اس نے لکھنو اور کٹرہ مانک پور پر قبضہ جما لیا۔ ہمایوں بھی اس کے مقابلہ پر لکھنو کے قریب خیمہ زن ہو گیا، شیر شاہ جو پہلے ہی سلطان محمود کے آنے سے بددل تھا اس نے ہمایوں سے کہلوا بھیجا کہ سلطان محمود مجھے زبردستی پکڑ لایا ہے جس روز جنگ ہو گی میں نہیں لڑوں گا۔ بغیر لڑائی کے چلا جاؤں گا اور اس طرح سلطان محمود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو شکست ہو جائے گی"۔ ہمایوں نے جواب دیا کہ "جو کچھ تم نے کہا ہے۔ اگر وہ سچ ہوا تو ہماری جانب سے تمہاری ہر قسم کی سرفرازی ہوگی" چنانچہ جب دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی۔ تو شیر شاہ اپنے وعدہ کے بموجب مع اپنے لشکر کے لڑے بغیر چلا گیا اور سلطان محمود کو شکست ہوگئی، اس طرح شیر شاہ نے اپنے رقیب کو بھی مغلوں سے ختم کرا دیا اور مغلوں پر اپنا احسان بھی رکھ دیا۔

ہمایوں نے قلعہ چنار کا محاصرہ کرایا۔

سلطان محمود کو شکست دینے کے بعد ہمایوں نے ہندو بیگ کے ذریعہ قلعہ چنار کا مطالبہ کیا۔ شیر شاہ نے انکار کر دیا، اور اپنے بیٹے جلال خاں کو قلعہ میں چھوڑ دیا، اور اہل وعیال کو لے کر کوہستان بہار کنڈہ میں چلا گیا ہمایوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جلال خاں بڑی بہادری کے ساتھ ہمایوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ شیر شاہ کو اس بات کا علم تھا کہ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ نے منڈو پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ دہلی کے لینے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے ہمایوں زیادہ مدت تک ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے۔ شیر شاہ نے اپنے وکیل کو ہمایوں کے پاس بھیج کر کہلوایا کہ "آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں جنید برلاس کا تربیت یافتہ ہوں، اس کے علاوہ جنگ لکھنو میں میں نے جو خدمت انجام دی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں اس لئے مجھ کو امید ہے کہ آپ اپنے اس خادم قدیم ہی کے پاس قلعہ چنار رہنے دیں گے۔ میں ضمانت میں اپنے بیٹے قطب خاں کو آپ خدمت میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔" ہمایوں جو خود دہلی واپس جانے کے لئے مضطرب تھا۔ اس نے شیر شاہ کی یہ شرط قبول کر لی اور قلعہ چنار کے محاصرہ سے دستکش ہونے کے بعد آگرہ چلا گیا۔ اور پھر سلطان بہادر شاہ کے ساتھ گجرات کی لڑائیوں میں مصروف ہو گیا۔ شیر شاہ کو فرصت مل گئی۔ اس نے بہار میں اپنے مخالفوں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اور افغانوں کو جمع کر کے کے بعد اپنی فوجی طاقت کو بھی خوب بڑھا لیا۔

شیر شاہ بڑا ہی خوش قسمت انسان تھا۔ بہار کا خزانہ اسے پہلے ہی مل چکا تھا۔ لاڈو بیگم سے نکاح کے بعد ایک دوسرا خزانہ اس کے ہاتھ اور لگ گیا اس کے علاوہ تیسرا خزانہ اس طرح اسے ملا کہ سلطان بہلول لودھی کے بھانجے کالا پہاڑ کی بیٹی بی بی فتح ملکہ جس کے پاس بے اندازہ زرو جواہر تھا۔ اپنا سارا خزانہ لے کر شیر شاہ کی پناہ میں آگئی۔ شیر شاہ نے اس سے خزانہ کا بیشتر حصہ لے کر معقول جاگیر دے دی اور اس خزانہ سے اپنا لشکر اور بھی بڑھا لیا۔

شیر شاہ اور ہمایوں کی عارضی صلح:

گجرات کے معرکہ کے بعد جب ہمایوں آگرہ آیا تو اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ سب سے پہلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیر شاہ کی جانب متوجہ ہوا جس کی طاقت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہمایوں نے ہندو بیگ کو جونپور کی طرف بھیجا کہ وہ شیر شاہ کے حالات معلوم کرنے کے بعد اسے لکھے۔ جب شیر شاہ کو معلوم ہوا کہ ہمایوں اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور اس نے ہندو بیگ حاکم جونپور کو تحقیق حال کے لئے مقرر کیا ہے تو شیر شاہ نے ہندو بیگ کو قیمتی تحائف بھیجنے کے بعد کہلوایا کہ ''مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ ہمایوں بادشاہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھ کو اس کا سبب کچھ نہیں معلوم ہو سکا جب کہ میں نے ہمایوں بادشاہ سے جو وعدے کئے تھے ان میں آج تک سر مو فرق نہیں آیا میں نے آج تک ان کے ملک کے کسی حصہ میں دخل نہیں دیا، آپ مہربانی فرما کر میری خیر خواہی کا اظہار بادشاہ سے کر کے ان کو اس طرف آنے سے باز رکھئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں بھی ان کے خادموں اور دولت خواہوں ہی میں سے ہوں''۔ ہندو بیگ نے شیر شاہ کے وکیل سے کہہ دیا کہ جب تک میں موجود ہوں شیر شاہ کسی قسم کا تردد نہ کرے۔

شیر شاہ کے وکیل ہی کے سامنے ہندو بیگ نے بادشاہ کو عرضداشت لکھی کہ ''میں نے یہاں آ کر حالات معلوم کئے حضور کے دولت خواہوں میں سے شیر شاہ بھی ہے وہ حضرت کے نام کا خطبہ پڑھواتا ہے اور سکہ چلاتا ہے۔ اس نے حضور کے ملک کی حدود میں کبھی دست اندازی نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا، جو حضور کی برہمی کا باعث ہو، اس لئے اس کی جانب حضور کا قدم رنجہ فرمانا بے ضرورت ہوگا اور اس سے خواہ مخواہ حضور ہی کو تکلیف ہوگی''۔ ہندو بیگ کی اس عرضداشت کے بعد ہمایوں نے ایک سال تک شیر شاہ کی جانب توجہ نہیں کی۔

شیر شاہ نے اس مدت میں اپنے بیٹے جلال خاں اور افسر اعلیٰ خواص خاں اور دوسرے امیروں کو بنگال کی فتح کے لئے روانہ کر دیا۔ شاہ بنگال سلطان محمود جس میں کہ شیر شاہ کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ بھاگ کر شہر گور چلا گیا، افغانوں نے پہلے تو گرد و نواح کا سارا ملک فتح کیا۔ اس کے بعد قلعہ گور کا محاصرہ کر لیا۔

ہمایوں کا شیر شاہ پر حملہ:

شیر شاہ کو اگرچہ مغلوں سے ایک قسم کا بغض و عناد ضرور تھا، لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے بار بار ہمایوں سے صلح کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مغل کیونکہ شیر شاہ کو کمزور سمجھتے تھے اور ان کو یہ زعم تھا کہ وہ جب چاہیں گے شیر شاہ اور افغانوں کو دبا لیں گے۔ اس لئے یہ صلح زیادہ مدت تک برقرار نہ رہ سکی چنانچہ ایک سال قبل ہندو بیگ کے ذریعہ شیر شاہ نے بادشاہ ہمایوں کو صلح اور اطاعت کا جو پیغام بھیجا تھا۔ اسے اگرچہ ہمایوں نے منظور کر لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہمایوں شیر شاہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گیا اور قلعہ چنار کا محاصرہ کر لیا۔ شیر شاہ کو چونکہ یہ یقین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ وہ قلعہ چنار کو ہمایوں سے محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔ اس لئے وہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو لے کر قلعہ چنار سے نکل گیا اور قلعہ کو اپنے بیٹے جلال خاں کے سپرد کر گیا جس نے کہ 943ھ مطابق 1537ء میں چھ مہینہ تک ہمایوں کو اس قلعہ کی فتح میں الجھائے رکھا۔

شیر شاہ کو قلعہ چنار سے محروم ہونے کے بعد ایسے ہی کسی دوسرے قلعہ کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے نہایت چالاکی کے ساتھ راجہ رہتاس سے قلعہ رہتاس حاصل کر لیا، اور راجہ کو اس قلعہ سے نکال دیا۔ قلعہ رہتاس کے ملنے کے بعد شیر شاہ نے اپنا مال وخزانہ اور اہل وعیال کو اس قلعہ میں رکھا۔ کچھ لوگوں کو قلعہ بہرہ کنڈہ میں بھیج دیا۔ اور خود بنگال کی فتح میں مصروف ہو گیا۔ ہمایوں اور اس کے لشکر کی جانب سے وہ اس لئے بے فکر تھا۔ کیونکہ اس کے بیٹے جلال خاں نے ہمایوں کو قلعہ چنار میں الجھا رکھا تھا۔ چنانچہ ہمایوں تو قلعہ چنار کے چکر میں پھنسا رہا اور شیر شاہ نے بڑی بے فکری کے ساتھ سارے بنگال پر قبضہ جما لیا۔ بنگال کا بادشاہ شیر شاہ کے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔

شیر شاہ اور ہمایوں میں صلح کی گفتگو:

ہمایوں قلعہ چنار فتح کرنے کے بعد جب بنارس آیا اور اسے معلوم ہوا کہ شیر شاہ سارے بنگال پر قابض ہو چکا ہے تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ شیر شاہ جیسے مضبوط دشمن سے صلح کرنے کے بعد اسے دوست بنا لیا جائے۔ چنانچہ ہمایوں کا وکیل صلح کی بات چیت کے لئے شیر شاہ کے پاس پہنچا، شیر شاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور صلح پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے ہمایوں کے وکیل سے کہا کہ ''اگر بادشاہ بنگال سے دستبردار ہو جائے تو میں اس کے لئے بھی آمادہ ہوں کہ بہار بادشاہ کے سپرد کر دوں اور بنگال سے بھی بادشاہ کو دس لاکھ روپیہ سالانہ بھیجتا رہوں گا۔ بشرطیکہ بادشاہ آگرہ واپس چلا جائے''۔ ہمایوں کے وکیل نے واپس آنے کے بعد جب ہمایوں کو شیر شاہ کی شرائط بتائیں تو ہمایوں بے حد خوش ہوا کیونکہ ہمایوں بنگال سے زیادہ بہار لینے کے لئے مضطرب تھا۔ اور شیر شاہ نے خود ہی اس علاقہ کی پیش کش کی تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے شیر شاہ کی شرائط کو قبول کر لیا اور شیر شاہ کے پاس شرائط صلح کی منظوری اور خلعت بھی روانہ کر دی۔ لیکن دو تین دن ہی کے بعد بنگال کے بادشاہ سلطان محمود کا وکیل جب ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شیر شاہ کو مغلوں کے مقابلے میں بے حقیقت ظاہر کرتے ہوئے بنگال کے فتح کرنے کی ترغیب دی تو ہمایوں نے اپنے وعدے اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر بنگال پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ ہمایوں کا یہ غلط اقدام ہی آگے چل کر اس کی تباہی اور بربادی کا باعث بنا۔

بنگال پر حملہ اور شیر شاہ سے جنگ:

جب شیر شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ہمایوں اپنے وعدے اور صلح کا پاس نہ کرتے ہوئے بنگال کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف آرہا ہے تو اس نے ہمایوں کو بنگال میں گھیر کر ختم کرنے کی وہ اسکیم بنائی جس کا تذکرہ ہم ہمایوں کے حالات کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ یعنی شیر شاہ نے یہ طے کیا کہ بغیر لڑے ہوئے ہمایوں کو بنگال میں آنے دیا جائے۔ اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ لیکن جب ہمایوں اور اس کا سارا لشکر بنگال میں آجائے، تو بہار پر پوری طرح قبضہ جمانے کے بعد اس کی واپسی کا راستہ روک دیا جائے اور اس طرح ہمایوں اور مغلوں کے سارے لشکر کو گھیر کر ختم کر دیا جائے۔

شیر شاہ لاجواب سپہ سالار اور بہترین جنگی شاطر ہونے کے علاوہ بلا کا فطرت شناس تھا۔ اس کو اس بات کا علم تھا کہ ہمایوں بے حد عشرت پسند واقع ہوا ہے چنانچہ دارالسلطنت بنگال کے قلعہ گور کو اس نے بنگال سے جاتے ہوئے خوب آراستہ کیا، اس میں سارا عشرت کا سامان فراہم کر دیا تاکہ ہمایوں جب اس قلعہ میں آئے تو قلعہ کی دلچسپیوں میں پھنس کر رہ جائے۔ غرض کہ یہ انتظام کرنے کے بعد وہ بنگال کے چوہے دان کو ہمایوں کے پھنسانے کے لئے خالی چھوڑ کر اس ملک سے بالکل نکل گیا۔ اور اپنے بیٹے جلال خاں کو بھی ہدایت کر دی کہ وہ فوراً قلعہ رہتاس میں آجائے اور مغلوں کا بالکل مقابلہ نہ کرے۔

ہمایوں جس کی فوجیں بنگال کی سرحدوں میں داخل ہو چکی تھیں ان کا مقابلہ گڑھی کے مقام پر محض اس لئے کیا گیا تاکہ شیر شاہ اور اس کے ساتھیوں کو بنگال سے نکل جانے کا موقع مل جائے لیکن اس معمولی سے مقابلہ کے علاوہ کسی نے ہمایوں اور اس کے لشکر کی مزاحمت نہیں کی اور ہمایوں بغیر لڑے 945ھ مطابق 1538ء میں بنگال پر قابض ہو گیا۔ بنگال کی بے مشقت فتح کے بعد جب وہ قلعہ گور میں آیا، اور اسے سامان عشرت سے آراستہ پایا تو پوری طرح شیر شاہ کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔ روزانہ عشرت پسندی کی محفلیں گرم ہونے لگیں اور اس قلعہ میں ہمایوں کا دل ایسا لگا کہ اس نے نو مہینے تک یہاں سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیا۔

شیر شاہ کو اپنے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق فتوحات کے لئے کافی وقت مل گیا، اس نے بہار پر تسلط جمالیا، اودھ، لکھنو اور بہرائچ سے مغل افسروں کو بزور شمشیر نکال دیا۔ سنبھل کو تسخیر کر لیا۔ جونپور پر قبضہ جمالیا قنوج اور مانک پور فتح کر لیا، گویا شیر شاہ نے ایک بنگال کو چھوڑ کر اس سے کہیں بڑے علاقہ پر قبضہ جمالیا، اس کے بعض ساتھیوں نے تو یہاں تک مشورہ دیا کہ وہ آگے بڑھ کر آگرہ کو بھی فتح کر لے لیکن وہ تو یہ چاہتا تھا کہ پہلے بنگال میں گھرے ہوئے مغلوں کے لشکر کو ختم کر دے تاکہ آگرہ اسے بغیر لڑے آسانی کے ساتھ مل جائے۔

شیر شاہ کے مقابلہ میں ہمایوں کو پہلی شکست:

شیر شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر آگرہ اور بنگال کے تمام درمیانی علاقہ کو فتح کر لیا ادھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمایوں کے بھائی ہندال نے آگرہ پہنچ کر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا جب ہمایوں کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس کی آنکھیں کھلیں اور وہ بنگال سے آگرہ کی جانب دوڑا لیکن راستہ میں شیر شاہ کا عظیم الشان لشکر حائل تھا۔ کیونکہ شیر شاہ اس کی واپسی کی اطلاع پاتے ہی فوراً مقابلہ کے لئے پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ چونسہ کے مقام پر شیر شاہ کی فوج نے ہمایوں کے لشکر کو گھیر لیا اب پھر ہمایوں مجبوراً صلح کے لئے آمادہ ہو گیا اور صلح کی شرائط بھی طے ہو گئیں لیکن شیر شاہ جس کو ہمایوں کے وعدوں کے سلسلہ میں تلخ تجربے ہو چکے تھے۔ اس نے یہ صلح صرف جنگی چال کی غرض سے کی تھی۔ چنانچہ اس صلح کے بعد جب ہمایوں اور اس کا سہارا لشکر شیر شاہ کی جانب سے بے فکر ہو گیا تو افغانوں نے اچانک مغلوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مغل جو جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ اس حملہ سے بوکھلا گئے ان کو شکست ہوگئی۔ مغل بیگمات اور مغل لشکر کی بے شمار عورتیں گرفتار ہو گئیں۔ ہمایوں بمشکل تمام نظام سقہ کی مدد سے جان بچا کر آگرہ پہنچا اور آگرہ آنے کے بعد شیر شاہ کے مقابلے کے لئے از سر نو تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ شیر شاہ ہمایوں کو شکست دینے کے بعد اپنے لشکر کے ایک حصہ کو تو ہمایوں کے مقابلے کے لئے چھوڑ گیا۔ اور دوسرے کو لے کر بنگال جا پہنچا، بنگال ہمایوں کی واپسی کے بعد خالی پڑا تھا۔ شیر شاہ کا جاتے ہی تسلط ہو گیا۔ شیر شاہ جو اس سے قبل شیر خاں کہلاتا تھا۔ اس نے شیر شاہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد بنگال میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، اپنا سکہ چلایا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اس کے بعد بہار آیا، اور بہار میں بھی اپنی بادشاہی کا اعلان کر کے سکہ اور خطبہ جاری کیا اور اس کے بعد ہمایوں کے مقابلے کے لئے میدان میں آ گیا۔

شیر شاہ کے مقابلہ میں ہمایوں کو دوسری شکست:

ہمایوں اور شیر شاہ کی دوسری فیصلہ کن جنگ قنوج کے قریب دریائے گنگا کے کنارے 10 محرم 947ھ مطابق 1540ء کو ہوئی تھی اس جنگ میں ابتدا میں تو مغلوں کو کامیابی ہوئی۔ لیکن اس کے بعد شیر شاہ کے مقابلہ میں ہمایوں اور اس کے لشکر کو بری طرح شکست ہوگئی۔ ہمایوں کے لشکر کے ہزاروں آدمی بھاگنے کی کوشش میں دریائے گنگا میں ڈوب گئے۔ خود ہمایوں بڑی مشکل سے ہاتھی کے ذریعہ دریائے گنگا پار کر سکا اور فرار ہو کر فتح پور سیکری پہنچا اور آگرہ سے اہل وعیال اور خزانہ کو لے کر دہلی گیا، جب دہلی میں ہمایوں کو یہ پتہ چلا کہ شیر شاہ اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو رہتک ہوتا ہوا سرہند پہنچا اور سرہند سے لاہور چلا گیا۔ جب لاہور میں اسے یہ اطلاع ملی کہ ''شیر شاہ ایک بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے تو ہمایوں اس کے بھائیوں اور اس کے اہل وعیال کو لاہور بھی چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد ہمایوں کئی سال تک ہندوستان کے مختلف حصوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرا،، جس کی تفصیل ہم اس سے قبل ہمایوں کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔ غرض کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمایوں کو شیر شاہ کے مقابلہ میں اس بری طرح شکست ہوئی کہ اسے نہ صرف حکومت چھوڑنی پڑی بلکہ ہندوستان چھوڑ کر ایران میں جا کر پناہ لینی پڑی۔

شیر شاہ ہندوستان کا بادشاہ:

ہمایوں کی شکست اور فرار کے بعد شیر شاہ 947ھ مطابق 1540ء میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا اور اس نے فوراً ہی نواحی علاقوں کا انتظام شروع کر دیا۔ شجاعت خاں کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً گوالیار کے قلعہ پر قبضہ جما لے۔ ناصر خاں کو ایک لشکر دے کر سنبھل روانہ کیا اور مزید گور کو آگرہ میں انتظام کرنے کے لئے بھیجا۔ جس نے آگرہ کے آتے کے ساتھ ہی ان مغلوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو آگرہ میں رہ گئے تھے۔ اس کے بعد شیر شاہ خود آگرہ آیا اور کئی دن قیام کیا۔ آگرہ آنے پر جب اسے معلوم ہوا کہ مزید گور نے مغلوں کو قتل کیا ہے تو مزید گور کو بلا کر بے حد لعنت ملامت کی اور کوشش کی آگرہ کی رعایا میں حکومت کی تبدیلی سے جو گھبراہٹ پیدا ہو گئی ہے وہ دور ہو جائے چنانچہ اس نے معززین شہر کو جمع کر کے یقین دلا دیا کہ رعایا کے ساتھ بلا امتیاز قوم و ملت انصاف اور رواداری کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

شیر شاہ نے آگرہ میں امن قائم کرنے کے بعد اپنے افسر اعلیٰ خواص خاں اور مزید گور کو ہمایوں کے تعاقب میں دہلی کی طرف روانہ کیا، اور یہ ہدایت کر دی کہ اس سے پچاس کوس کے فاصلہ پر رہیں کیونکہ اس تعاقب کا مقصد ہمایوں سے مزید جنگ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ خوفزدہ کر کے بغیر لڑے ہوئے اسے ہندوستان سے نکال دینا ہے شیر شاہ جب آگرہ میں تھا تو سنبھل کے معززین نے شیر شاہ سے شکایت کی کہ نصیر خاں جس کو سنبھل میں انتظام قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، اس نے وہاں کی رعایا پر بے پناہ مظالم کئے ہیں۔ شیر شاہ نے مسند عالی عیسیٰ خاں کو سنبھل کا حاکم بنا دیا، اور نصیر خاں کو اس کی ماتحتی میں دے دیا۔

دہلی لاہور اور گوالیار پر قبضہ:

آگرہ کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد شیر شاہ گوالیار گیا۔ شیر شاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی شجاعت خاں گوالیار اور اجین کو فتح کر چکا تھا۔ اجین میں شیر شاہ کے سامنے بیرم خاں کو پیش کیا گیا تو شیر شاہ نے اس کی بڑی عزت کی۔ اسے خلعت دی، اور اسے محمد قاسم خاں سابق حاکم گوالیار کے خیمہ میں بھجوا دیا، شیر شاہ گوالیار اور اجین کا انتظام کرنے کے بعد جب دہلی کے لئے روانہ ہوا تو بیرم خاں اور محمد قاسم دونوں گجرات کی طرف بھاگ گئے شیر شاہ گوالیار کے بعد دہلی آیا اور دہلی میں اپنی حکومت کے نظام کو مستحکم کرنے کے بعد میوات گیا۔ میوات کو حاجی خاں کے سپرد کیا اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد سرہند پہنچا اور سرہند کا علاقہ اپنے افسر اعلیٰ خواص خاں کو عطا کر دیا۔ خواص خاں نے اس علاقہ کو اپنے غلام ملک بھگونت کو دے دیا۔ جب شیر شاہ لاہور آیا تو اس کے آنے سے قبل ہی ہمایوں اور اس کے بھائی لاہور سے فرار ہو چکے تھے۔ اس لئے شیر شاہ لاہور پر بھی قابض ہو گیا۔ مگر یہاں قیام نہیں کیا۔ یہاں سے سیدھا ہمایوں کے تعاقب میں خوشاب گیا۔ خوشاب پہنچنے کے بعد جب شیر شاہ کو معلوم ہوا کہ ہمایوں ملتان کی طرف گیا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو ہمایوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور دوبارہ ہدایت کی کہ ''ہمایوں سے لڑنا نہیں بلکہ اسے اس ملک سے باہر نکال کر واپس چلے آنا'' اس کے بعد شیر شاہ دہلی اور آگرہ ہوتا ہوا بنگال چلا گیا۔ بنگال کے انتظام کو اور زیادہ مستحکم کیا اور قاضی فضیلت کو بنگال کا حاکم مقرر کر کے آگرہ واپس آ گیا۔

پنجاب اور گجرات پر شیر شاہ کا تسلط:

جب شیر شاہ کو بنگال، بہار جونپور (یوپی) آگرہ اور دہلی وغیرہ کی طرف سے پورا اطمینان حاصل ہو گیا تو وہ ھ مطابق ء میں پنجاب کے ان علاقوں کی جانب متوجہ ہوا، جہاں وہ اب تک نہیں جا سکا تھا۔ چنانچہ اس نے رفتہ رفتہ پنجاب کے بیشتر علاقہ پر تسلط جما لیا، مورخوں کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے کابل اور ہندوستان کی سرحد پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جس کا نام اس نے قلعہ رہتاس رکھا تھا لیکن یہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ قلعہ کس خاص مقام پر بنایا گیا تھا۔ لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ شیر شاہ کی حکومت پشاور تک پھیل چکی تھی اس کے بعد شیر شاہ نے ملتان اور گجرات پر بھی کسی وقت کے بغیر قبضہ حاصل کر لیا۔

پنجاب اور ملتان گجرات اور اس کے پاس کے علاقوں کا انتظام عمال کے سپرد کرنے کے بعد اسی سال شیر شاہ آگرہ واپس آ گیا۔

مالوہ کی فتح اور پورن مل کی سرکوبی:

949ھ مطابق 1534ء میں شیر شاہ مالوہ کی فتح کی جانب متوجہ ہوا۔ مالوہ میں سب سے زیادہ خودسر اور فتنہ پرداز ملّو خاں تھا جس کے قبضہ میں شادم آباد یعنی قلعہ منڈو، اجین، سارنگ پور اور قلعہ رنتھنبور تھا۔ ملّو خاں نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی اور موقع پا کر فرار ہو گیا سیواس اور ہنڈیا میں سکندر خاں حکمرانی کر رہا تھا۔ وہ بھی شیر شاہ کا مطیع ہو گیا مالوہ کا تیسرا حکمراں راجہ پرتاب پسر بھوپت تھا۔ یہ ابھی خورد سال تھا۔ بھیا پورن مل اس کا نائب تھا۔ اضلاع چندیری اور رائے سین پر اسی کی حکومت تھی۔ بھیا پورن مل ایک نہایت ہی تنگ نظر اور بدباطن حاکم تھا، اس سے ہندو اور مسلم رعایا دونوں ہی نالاں تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اس نے معزز گھرانوں کے مسلمانوں پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے مظالم کیئے تھے۔اس نے ان کو غلام بنالیا تھا،اوران کی بہوبیٹیوں کوسر بازار نچوایا تھا،شیر شاہ نے اپنے بیٹے جلال خاں کوحکم دیا کہ وہ لشکر لے کر آگے جائے اس کے بعد خود شیر شاہ بھی آگیا اور قلعہ رائے سین کا محاصرہ کرلیا بھیا پورن مل نے شیر شاہ کو چھ سو ہاتھی نذر میں بھیجے۔مگر شیر شاہ نے بدستور محاصرہ کو قائم رکھا،آخراس نے قلعہ شیر شاہ کے حوالے کردیا اور خود قلعہ سے نکل گیا۔لیکن چندیری کے معزز خاندان کی عورتوں نے جب شیر شاہ سے فریاد کی کہ تو ایک ایسے شخص کو چھوڑے دیتا ہے جس نے کہ شریف خاندان کی عورتوں کی آبرو کو برباد کیا ہے تو شیر شاہ نے بھیا پورن مل پر اوراس کے ساتھیوں پر حملہ کردیا۔پورن مل اوراس کے آدمی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔بھیا پورن مل مارا گیا،اوراس طرح چندیری اور رائے سین پر بھی شیر شاہ کا قبضہ ہوگیا۔

مارواڑ چتوڑ اور کالنجر کی فتح:

مالوہ کی تسخیر سے فارغ ہونے کے بعد شیر شاہ مارواڑ کی جانب متوجہ ہوا۔مارواڑ کا راجہ مالدیو اصلی راجہ کو قتل کرنے کے بعد ناگور اور اجمیر پر قابض ہوگیا تھا۔شیر شاہ نے 951ھ مطابق 1543ء میں اس پر حملہ کردیا۔وہ بہت سے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر لڑا اور ایسی بہادری دکھائی کہ شیر شاہ کے لشکر میں پریشانی پیدا ہوگئی لیکن شیر شاہ کا لشکر جما رہا،آخر راجہ کو شکست ہوئی۔ناگور اجمیر قلعہ جودھپور اور مارواڑ کے اضلاع پر شیر شاہ کا قبضہ ہوگیا۔شیر شاہ نے سارا مارواڑ خواص خاں کے تصرف میں دے دیا۔

اب شیر شاہ قلعہ چتوڑ کی جانب متوجہ ہوا،جب اس کا لشکر قلعہ چتوڑ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو رانا چتوڑ نے اس کے پاس قلعہ کی کنجیاں بھجوادیں۔شیر شاہ نے قلعہ چتوڑ کے انتظام کے لئے خواص خاں کے بھائی میاں احمد سروانی اور حسین خاں کو چھوڑ دیا اوراس کے بعد کچھ واڑہ کی طرف آیا اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے قلعہ کالنجر کی فتح کا ارادہ کیا۔

کالنجر کے راجہ کرت سنگھ سے شیر شاہ کو اس لئے عداوت تھی کہ اس نے شیر شاہ کے باغی بیر سنگ دیو بندیلہ کو پناہ دے رکھی تھی اور شیر شاہ کے مطالبہ کے باوجود اسے واپس نہیں کیا تھا۔شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کرلیا اوراس کے گرد اتنے اونچے اونچے مورچے بنائے کہ قلعہ کے آدمی ان سے صاف دکھائی دیتے تھے۔8ربیع الاول 952ھ مطابق 1545ء کو شیر شاہ نے حکم دیا کہ قلعہ کی دیوار میں آتشیں گولے مارے جائیں،لوگوں نے گولے مارنے شروع کئے اتفاق سے ایک جلتا ہوا گولہ قلعہ کی دیوار سے ٹکرا کر الٹا آکر وہاں گرا جہاں دوسرے آتشیں گولے رکھے تھے اوران سب میں آگ لگ گئی۔بہت سے آدمی جل گئے اور شیر شاہ بھی جل گیا۔شیر شاہ کو خیمہ میں لایا گیا لیکن وہ اس حالت میں بھی برابر قلعہ کی فتح کے لئے بلا بلا کر افسروں کو ہدایتیں دیتا رہا۔آخر شام تک قلعہ فتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا اور راجہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ شیر شاہ کو یہ خوشخبری سنائی گئی تو وہ بے حد خوش ہوا۔

شیر شاہ کی موت :

شیر شاہ بری طرح جھلس گیا تھا اس کے زخموں میں تکلیف برابر بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ اطباء نے ہر چند علاج کیا مگر کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا اور وہ زخموں کی اس تکلیف سے 10 ربیع الاول 952ھ مطابق مئی 1545ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ وصیت کے مطابق اس کو اس کی پرانی جاگیر سہسرام میں دفن کیا گیا۔ اس کا مقبرہ ایک تالاب کے اندر بنا ہوا ہے جسے عجیب و غریب عمارت شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے پندرہ سال تو امارت کی اور پانچ سال سلطنت۔

شیر شاہ کی حکومت پر ایک نظر :

شیر شاہ ہندوستان کا ایک ایسا بلند پایہ بادشاہ ہوا ہے جس پر ہندوستان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے جہاں بانی اور فرمانروائی کی جو صفات شیر شاہ میں موجود تھیں وہ ہندوستان کے کسی دوسرے بادشاہ میں مشکل ہی سے مل سکتی ہیں۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور لائق ترین جرنیل تھا۔ جس نے چھوٹی سی حیثیت سے ترقی کر کے بلند ترین درجہ حاصل کیا۔ جنگ کا نقشہ بنانے میں اسے کمال حاصل تھا۔ وہ اگرچہ ایک صادق القول اور مضبوط کیریکٹر کا انسان تھا لیکن جنگ میں اپنے دشمن کو دھوکہ اور فریب دینا کوئی گناہ نہیں خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی بینظیر جنگی قابلیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے مغلیہ حکومت کو فنا کر کے اس کے کھنڈروں پر نئے سرے سے پٹھان حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ وہ فوجوں کی کمان خود کرتا تھا اور خطرناک سے خطرناک مورچوں پر ایک معمولی سپاہی کی طرح لڑتا تھا۔ اس کا طریق جنگ یہ تھا کہ ہر مورچہ پر کچا قلعہ یا حصار بنا کر جنگ کرتا تھا۔ ریت کی بوریوں سے حصار بنانا اسی کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ وہ جنگ میں صرف تیر اور تلوار کا قائل نہ تھا بلکہ توڑے دار بندوقوں سے اور توپ خانے سے اس نے اپنے تمام لشکر کو آراستہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کا لشکر اپنے زمانہ کے لحاظ سے جدید ترین خطرناک ہتھیاروں سے مسلح تھا۔

شیر شاہ نے اپنی حکومت کو مختلف ضلعوں اور پرگنوں میں تقسیم کر رکھا تھا جس کے لئے ذمہ دار اور جوابدہ حکام مقرر تھے۔ وہ کسی حاکم کو زیادہ مدت تک کسی ایک جگہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے بدنظمی اور رشوت ستانی بڑھتی ہے۔ اس نے اپنے دور حکومت میں انتظام ملکی اور عوام کی فلاح کے لئے بے شمار قوانین نافذ کئے اور ان قوانین کے نفاذ میں بڑی سختی سے کام لیا۔ اس کی منصف مزاجی کا یہ عالم تھا کہ اس کی حکومت میں اس کا بیٹا اور ایک معمولی شہری دونوں برابر تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارتکاب جرم کی صورت میں وہ نہ اولاد کے ساتھ رعایت کرتا تھا نہ عزیزوں کے ساتھ اور نہ امراء کے ساتھ۔ اس کے دور حکومت میں زمین کے ایک ایک حصہ کی پیائش کی جاتی تھی اور اسی پیائش کے پیش نظر محصول وصول کیا جاتا تھا۔ زمینداروں سے وہ خوش نہیں تھا مگر کاشتکاروں پر اس قدر مہربان تھا کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا اعمال حکومت بھی کھیتی کو نقصان پہنچاتا تھا تو اسے سخت سزا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ایک کسان کی کھیتی میں سے گیہوں کی چند بالیں توڑ لیں۔ اس نے اس سپاہی کے کان میں روزن کرا کے یہ بالیں اس میں لٹکا دیں اور ساری فوج میں گشت کرایا۔

جرائم کے انسداد میں وہ سب سے زیادہ سرگرم عمل تھا۔ اگر کسی علاقہ میں چوری ہوتی اور چور نہ پکڑا جاتا تو علاقہ کے مقدم اور باشندوں پر جرمانہ کر کے لٹنے والے کے نقصان کی تلافی کر دیتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ میں قتل ہوتا اور قاتل فرار ہو جاتا تو علاقے کے مقدم کو گرفتار کر لیا جاتا اور اس وقت تک یہ مقدم رہا نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ قاتل کا سراغ نہیں مل جائے۔ اکثر مقدموں کو اس نے انتظام میں کوتاہی کرنے کے سلسلہ میں سزائے موت بھی دی ہے۔ عدالت کا سارے ملک میں بہت اچھا انتظام تھا۔ ڈاک اس قدر باقاعدہ تھی کہ دور سے دور مقامات کے خطوط چند روز میں پہنچ جاتے تھے۔ شیر شاہ کی حکومت میں تاجروں سے ٹیکس برائے نام لیا جاتا تھا۔ لیکن گراں فروشی کو اس نے جرم قرار دے رکھا تھا۔ ہر چیز کی قیمت حکومت نے مقرر کر رکھی تھی، جو تاجر اس سے زیادہ وصول کرتا تھا اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔

سڑکوں، سراؤں اور قلعوں کی تعمیر میں اس نے نمایاں حصہ لیا ہے اس نے ملک کے مختلف گوشوں میں بے شمار قلعے تعمیر کرائے تاکہ اگر ملک میں کوئی ہنگامہ ہو تو ان قلعوں میں عوام کو پناہ دی جا سکے، اور ان قلعوں کے ذریعہ مفسدین کو کچلا جا سکے، اس نے اپنے زمانہ میں جو خاص خاص سڑکیں بنوائیں وہ یہ ہیں۔ ایک سڑک پشاور سے لے کر سنار گاؤں (بنگال تک) دوسری سڑک آگرہ سے لے کر برہان پور تک جو سرحد دکن پر واقع ہے۔ تیسری سڑک آگرہ سے جودھپور اور چتوڑ گڑھ تک۔ چوتھی سڑک لاہور سے ملتان تک اس کے علاوہ اور بھی بہت سی سڑکیں اس نے تیار کرائی تھیں، سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار درخت لگوائے جن سے سایہ بھی ہو اور مسافروں کو زاد راہ بھی ملتا رہے۔ ہر دو کوس کے بعد کنوئیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ ہر سرائے میں ہندو اور مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لئے مکانات تھے۔ دروازہ پر پانی کی سبیل لگی رہتی تھی۔ ہر سرائے میں سرکاری ملازم خدمت کے لئے رہتے تھے۔ ہندوؤں کے لئے سرائے میں برہمن رکھا جاتا تھا جو رسوئی بناتا، بچھونا بچھاتا، نہانے کے لئے پانی گرم کرتا، گھوڑوں کو دانہ ڈالتا، سرائے میں قیام کرنے والے مسافروں کے لئے کھانے اور قیام کا مفت انتظام تھا۔ گھوڑوں کے لئے چارہ اور دانہ مفت دیا جاتا تھا۔ ہر سرائے کے پاس ایک مسجد ہوتی تھی جس میں مؤذن رہتا تھا سرائے کے انتظام کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے منتظم اور چوکیداروں کا پورا عملہ رہتا تھا۔ شیر شاہ نے شہر دہلی کو جو اس زمانہ میں جمنا سے دور تھا۔ جمنا کے بالکل متصل نئے سرے سے آباد کیا۔ ایک قلعہ بھی بنوایا جو شیر شاہ کے کوٹلہ کے نام سے مشہور ہے۔ شہر کے گرد فصیل تعمیر کرائی لیکن ابھی یہ نامکمل تھی کہ شیر شاہ کا انتقال ہو گیا۔ قنوج کو بھی اس نے نئے سرے سے تعمیر کرایا تھا۔

شیر شاہ اپنی رعایا کے لئے بڑا ہی فیاض دل واقع ہوا تھا۔ اس نے صرف امرائے سلطنت ہی کو جاگیروں سے نہیں نوازا بلکہ رعایا کے ہر فرد کو فائدہ پہنچانے کی پوری کوشش کی۔ بیوہ عورتوں، تیموں، اپاہجوں اور محتاجوں کے لئے شاہی خزانے سے اس نے وظیفے مقرر کر رکھے تھے، اس کا لنگر خانہ محتاجوں اور بھوکوں کے لئے برابر کھلا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کے لنگر خانہ سے روزانہ ہزاروں آدمیوں کو کھانا ملتا تھا۔ ہر شخص کو اس بات کی پوری آزادی تھی کہ وہ اس کے لنگر خانہ میں جا کر کھانا کھالے غرضیکہ شیر شاہ کے دور حکومت میں ہندوستان کے باشندوں نے بڑے اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کی ہے۔

شیر شاہ کی ملکی پالیسی :

شیر شاہ مفسدوں کے لئے بڑا سخت گیر تھا۔ لیکن جب کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی اس کے سامنے آجاتا تو اس کے ساتھ نرمی اور مروت کا سلوک کرتا تھا۔ وہ تلوار اور مروت دونوں چیزوں سے حکومت کرنا جانتا تھا۔ افغانوں پر وہ بے حد مہربان تھا۔ اس نے ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے افغان کو اتنی دولت دی تھی کہ تقریباً سب کے سب مالدار بن گئے تھے یہاں تک کہ افغانستان کے بے شمار باشندوں کو یہ افغانستان بھی وظیفے روانہ کرتا تھا۔ غیر افغانیوں کے ساتھ بھی اس نے ہمیشہ محبت اور مروت کا سلوک کیا ہے۔ فرقہ پرستی سے وہ ہمیشہ بلند رہا ہے۔ اگر اس نے پورن مل جیسے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ سخت ترین سلوک کیا تھا تو اس نے خود اپنے بیٹے عادل خاں کو بھی سخت ترین سزا دی تھی۔ جس نے کہ ایک ہندو عورت کی توہین کی تھی، اس کی رعایا تمام باشندے بلا امتیاز مذہب وملت یکساں حیثیت رکھتے تھے۔

شیر شاہ کا ذاتی کردار :

شیر شاہ کا ذاتی کردار نہایت بلند تھا جنگی معاملات کے علاوہ اس نے کبھی اپنے قول و فعل میں ذرہ برابر بھی انحراف نہیں ہونے دیا۔ چونکہ شیر شاہ خود بہت بڑا عالم تھا اس لئے وہ علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ روزہ نماز کا بڑا پابند تھا۔ تہجد کے وقت اٹھتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق کی نماز بھی پڑھتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت روزانہ بلا ناغہ پابندی کے ساتھ کرتا تھا۔ اوقات

www.KitaboSunnat.com

کا نہایت پابند تھا۔ تہجد کی نماز کے بعد عمال حکومت اس کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے، سرکاری کاموں کی رپورٹ سناتے، شیر شاہ ان کو مشورے دیتا اور صبح کی نماز سے قبل حکومت کے انتظام کا سارا کام ختم کر دیتا۔ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فوج کا معائنہ کرتا۔ سپاہیوں سے خود جا کر باتیں کرتا، نئے سپاہی بھرتی کراتا۔ اس کے بعد دربار میں آتا، امراء اور عمال کو انعامات دیتا اور مظلوموں کی فریاد بذات خود سنتا۔ غرضیکہ تہجد سے لے کر رات تک اس کا سارا وقت باقاعدہ منقسم تھا۔ وہ بڑا ہی مشقت پسند اور محنتی انسان تھا۔ عیش پرستی سے اسے نفرت تھی۔ بدچلنی کا وہ دشمن تھا، چنانچہ اس نے بدچلنی کے مٹانے کے لئے سخت ترین قوانین نافذ کر رکھے تھے۔

شیر شاہ کے زمانے کے چند خاص واقعات :

کہتے ہیں کہ شاہزادہ عادل خاں ہاتھی پر سوار ہو کر آگرہ کے کسی کوچہ سے گزرا۔ اس کوچہ میں ایک بقال کا مکان تھا جس کی دیواریں بہت نیچی تھیں۔ اس مکان میں بقال کی بیوی برہنہ نہا رہی تھی۔ جب شہزادہ عادل کی نظر اس پر پڑی تو شہزادہ نے اس برہنہ عورت کے پان کا بیڑا کھینچ کر مارا اور اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ بقال جب گھر آیا اور اس کو اس افسوسناک واقعہ کا علم ہوا تو وہ پان کا بیڑا لے کر فریاد کے لئے شیر شاہ کے دربار میں جا پہنچا اور ساری حقیقت عرض کر دی۔ شیر شاہ نے فوراً حکم دے دیا کہ عادل کی بیوی بقال کے مکان میں جائے اور اسی طرح نہائے جس طرح کہ بقال کی بیوی نہا رہی تھی اور بقال ہاتھی پر سوار ہو کر گزرے اور اسی طرح عادل کی بیوی کے بیڑا اچھینک کر مارے جس طرح کہ عادل نے بقال کی برہنہ بیوی کے مارا تھا۔ وزراء اور امراء نے ہر چند کوشش کی کہ شیر شاہ شہزادہ کا قصور معاف کر دے لیکن شیر شاہ نے صاف جواب دیتے ہوئے کہہ دیا کہ میری عدالت میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ آخر بقال کی سفارش پر عادل خاں کو معافی ملی۔

شیر شاہ کے بھانجے مبارز خاں نے محض اپنی نفس پرستی کی بناء پر نیازی پٹھانوں کے ساتھ زیادتی کی۔ ان پٹھانوں نے مبارز خاں کو قتل کر دیا۔ شیر شاہ کو خبر ہوئی تو اس نے اعظم ہمایوں کو اس معاملہ کی جانب توجہ دلائی۔ اعظم ہمایوں نے شیر شاہ کو خوش کرنے کے لئے نیازی پٹھانوں کو دھوکہ سے بلا کر قتل کر دیا۔ جب شیر شاہ کو اعظم ہمایوں کے اس ظلم اور زیادتی کی اطلاع ہوئی تو اعظم ہمایوں کو بہت برا بھلا کہا۔

مندرجہ بالا حالات و واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیر شاہ کس قدر بلند پایہ انسان تھا اور اس نے صرف پانچ سال کے دور حکومت میں وہ کر کے دکھا دیا جو دوسرے بادشاہ صدیوں میں بھی نہ کر سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیر شاہ کی حکومت کا زوال

شیر شاہ نے مختصر سے عرصہ میں مغلوں کو نکال کر ہندوستان میں ایک نہایت مضبوط اور باقاعدہ پٹھان حکومت از سر نو قائم کر دی تھی لیکن اس پٹھان حکومت کو سنبھالنے میں اس کے جانشین کس طرح ناکام رہے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

سلیم شاہ سوری کی تخت نشینی :

جس وقت شیر شاہ فوت ہوا تو ولی عہد سلطنت عادل خاں اور چھوٹا بیٹا جلال خاں دونوں اس سے دور تھے۔ عادل رنتھنبور میں تھا اور جلال خاں قصبہ ریواں ضلع بھٹہ میں تھا۔ امراء نے اس خیال سے کہ عادل خاں دور ہے اور کسی نہ کسی کی تخت نشینی ضروری ہے جلال خاں کو بلوالیا اور اسے 15 ربیع الاول 954ھ مطابق 25 مطابق 1545ء کو قلعہ کالنجر میں تخت پر بٹھا دیا۔ جلال خاں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنا لقب سلیم شاہ اختیار کیا۔

سلیم شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے راجہ کالنجر کو قید سے نکلوا کر قتل کیا، اس کے بعد فوج کو انعامات دیئے۔ باپ کے بعض قوانین میں ترمیم کی اور بعض کو بالکل منسوخ کر دیا۔ یعنی اس نے تقریباً اس سارے نظام حکومت کو بدل کر رکھ دیا جس کو کہ اس کے باپ نے بڑی مشکل سے قائم کیا تھا۔ سلیم شاہ کی شہزادگی کے زمانہ میں اس کے پاس چھ ہزار سوار تھے۔ اس نے تخت نشینی کے بعد ان ذاتی چھ ہزار سواروں میں سے ہر ایک کی حسب حیثیت ترقی کر دی اور ان کو بے حد مال دیا جس کی وجہ سے شیر شاہ کی بقیہ افغانی فوج میں ناگواری پھیل گئی اور اس طرح فوج بھی سلیم شاہ سے خوش نہ رہی۔

سلیم شاہ جب کالنجر سے آگرہ واپس آیا تو پھر دوبارہ اس کی تخت نشینی آگرہ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ عمل میں آئی۔ آگرہ آنے کے بعد اس نے اپنے بڑے بھائی عادل شاہ کو دم دلاسا دے کر بلایا اس لئے کہ وہ اسے قید کر دینا چاہتا تھا لیکن عادل شاہ اکیلا نہیں بلکہ پورا لشکر لے کر آیا جس کی وجہ سے سلیم شاہ کو بھائی پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر سلیم شاہ نے بیانہ میں بھائی کو جاگیر دے کر رخصت کر دیا۔

سلیم شاہ کا طرز عمل امرائے سلطنت کے ساتھ بھی اچھا نہ تھا۔ بعض امرائے سلطنت پر تو اسے شبہ تھا کہ وہ عادت خاں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور بعض امرائے سلطنت سے اس لئے ناراض تھا کہ وہ شیر شاہ کے زمانہ کے تھے چنانچہ امرائے سلطنت کے ساتھ اس بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثر امرائے سلطنت سلیم شاہ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے عادل خاں کو آگرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا چنانچہ عادل خاں اپنا لشکر لے کر آگرہ کے قریب سیکری میں آ گیا۔ سلیم شاہ بھی فوج لے کر نکل آیا۔ دونوں لشکروں کا مقابلہ آگرہ کے قریب ہوا۔ عادل خاں شکست کھانے کے بعد بھٹہ کے پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ اور اس کے بعد یہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ مر گیا یا کس طرف نکل گیا اس کے بعد سلیم شاہ کے لشکر کا مقابلہ امرائے سلطنت خواص اور عیسیٰ خاں کے لشکروں سے ہوا۔ ان دونوں کو بھی شکست ہوئی۔ امرائے سلطنت کی اس کھلی بغاوت کے بعد سلیم شاہ امرائے سلطنت کا جانی دشمن ہو گیا۔ بعض کو قتل کرا دیا اور بعض کو قید میں ڈال دیا۔

شجاعت خاں حاکم مالوہ اور اعظم ہمایوں حاکم پنجاب بھی سلیم شاہ کے مخالف ہو گئے تھے۔ سلیم شاہ نے ہر چند کوشش کی کہ ان دونوں کو آگرہ بلا کر گرفتار کر لے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ سلیم شاہ کو آگرہ میں یہ اطلاع ملی کہ خواص خاں، اعظم ہمایوں اور دوسرے امرائے سلطنت لاہور میں بیٹھ کر اس پر حملہ کرنے کی تجاویز مرتب کر رہے ہیں تو یہ ایک بڑا لشکر لے کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ خواص خاں تو مقابلہ پر نہیں آیا مگر دوسرے امرائے سلطنت کو سلیم شاہ کے مقابلے میں شکست ہو گئی۔ سلیم شاہ نے نیازی پٹھانوں کو بری طرح قتل کیا، اس کے بعد گوالیار چلا گیا۔ گوالیار سلیم شاہ کو بے حد پسند تھا۔ اس کا زیادہ وقت گوالیار ہی میں گزرتا تھا۔ بادشاہ گوالیار ہی میں تھا کہ تاج خاں نے خواص خاں کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دیا۔ خواص خاں شیر شاہ کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا۔ شیر شاہ کی حکومت کے قیام میں سب سے زیادہ خواص خاں ہی کا حصہ تھا لیکن سلیم شاہ نے اسے بھی ختم کرا دیا۔

امرائے سلطنت کے ساتھ سلیم شاہ کے اس سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلیم شاہ کے خلاف پٹھانوں میں نفرت بڑھتی چلی گئی۔ شجاعت خاں جس پر کہ بظاہر ابھی تک بادشاہ مہربان تھا اس پر قاتلانہ حملہ ہوا اور عام طور پر یہ مشہور ہوا کہ یہ حملہ بادشاہ ہی نے کرایا تھا۔ بادشاہ نے مالوہ کا علاقہ بھی شجاعت خاں سے چھین لیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ علاقہ اسے واپس کر دیا۔ ہمایوں اعظم نے پنجاب میں بادشاہ کے خلاف شدید بغاوت کھڑی کر دی لیکن سلیم شاہ نے پنجاب جا کر اس بغاوت کو دبا دیا۔ نیازی پٹھانوں کو پنجاب میں اندھا دھند قتل کیا گیا اور پٹھانوں کی عورتوں کو بھی بے آبرو کیا گیا۔ جس سے پٹھان سلیم شاہ کے دشمن ہو گئے اور یہ دشمنی اتنی بڑھی کہ کئی مرتبہ پٹھانوں نے سلیم شاہ کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر خوش قسمتی سے وہ ہر مرتبہ بچ گیا، اس کے بعد سلیم شاہ نے نیازی پٹھانوں کو بری طرح کچلا۔ یہاں تک کہ ان کی طاقت ختم کر کے رکھ دی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی مخالفت ملک کے ہر کونے میں بڑھتی ہی چلی گئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب 957ھ مطابق 1550ء میں ہمایوں طاقت پکڑ چکا تھا اور اس نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائی مرزا کامران کو کابل میں شکست دے کر ہندوستان کی طرف بھگا دیا تھا۔ مرزا کامران کابل سے فرار ہونے کے بعد سیدھا سلیم شاہ کے پاس آیا۔ لیکن سلیم شاہ نے اس کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا بلکہ اسے ایک حد تک نظر بند کر دیا۔ کامران آیا تو اس امید میں تھا کہ وہ سلیم شاہ کی مدد سے دوبارہ کابل کا تخت حاصل کرے گا۔ جب اس نے سلیم شاہ کی یہ بے رخی دیکھی تو فرار ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ آخر ایک رات کو برقعہ اوڑھ کر نکل گیا اور فرار ہو گیا۔ کامران کے فرار ہونے کے بعد سلیم شاہ کو اطلاع ملی کے ہمایوں لشکر لے کر ہندوستان آ رہا ہے۔ سلیم شاہ لشکر لے کر اس کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ ہمایوں اٹک تک آنے کے بعد واپس چلا گیا ہے۔

اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں تو سلیم شاہ کی امرائے سلطنت سے بدگمانی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اگر ذرا بھی کسی امیر پر مخالفت یا سازش کا شبہ ہوتا تو اس کو قتل کرا دیتا یا قید کر دیتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سالے کو بھی قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر بیوی کے کہنے پر چھوڑ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی بیوی کو بتا دیا کہ اگر بھائی کو زندہ رکھنا چاہتی ہے تو اپنے بیٹے فیروز سے ہاتھ دھولے یہ اسے قتل کیئے بغیر نہیں رہے گا۔

سلیم شاہ مدتوں اس فکر میں رہا کہ کسی طرح اگر تمام امراء ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ان کو قتل کرا دے۔ لیکن امرائے سلطنت نے بھی آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ سب مل کر کبھی دربار میں نہیں جائیں گے۔ وہ ایک ایک کر کے بادشاہ سے ملتے رہتے تھے جس کی وجہ سے سلیم شاہ کو ایک ساتھ تمام امراء کو قتل کرنے کا ساری زندگی موقعہ ہاتھ نہ آسکا۔ یہاں تک کہ سلیم شاہ 960ھ مطابق 1553ء میں پیشاب کی بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد مر گیا۔ سلیم شاہ ایک اچھا سپاہی ضرور تھا اسی لئے وہ پٹھانوں کی مخالفت کے باوجود تخت پر جما رہا لیکن وہ سیاست دان نہ تھا۔ چنانچہ اسنے ہر طرف اپنے دشمن پیدا کر لئے تھے، اگر بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ یہ سیاستداں بھی ہوتا تو شیر شاہ کی مضبوط حکومت اس کے دور میں خوب ترقی کرتی۔ لیکن اس کی ساری طاقت اپنے ہی ہم قوم پٹھانوں کو کچلنے پر صرف ہوتی رہی جس سے شیر شاہ کی قائم کردہ پٹھان حکومت میں ضعف پیدا ہو گیا۔

فیروز شاہ کی تین دن کی بادشاہت :

سلیم شاہ کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے سلیم شاہ کے کم سن لڑکے فیروز شاہ کو تخت پر بٹھایا تو سلیم شاہ کے سالے اور چچازاد بھائی محمد شاہ (مبارز خاں) نے اس معصوم بچہ کو ماں کی گود میں قتل کر دیا۔ سلیم شاہ کو چونکہ محمد شاہ (مبارز خاں) سے پہلے ہی خطرہ تھا اسی لئے اس نے اپنی

www.KitaboSunnat.com

بیوی سے کہہ دیا تھا کہ اگر تیرا بھائی زندہ رہے گا تو بیٹا جان سے مارا جائے گا۔ بیوی نے محمد شاہ (مبارز خاں) کو جو کہ اس کا سگا بھائی تھا یہ کہہ کر بچالیا تھا کہ اس کو تخت و تاج کے جھگڑوں سے کوئی واسطہ نہیں وہ تو عیش و عشرت میں مست رہتا ہے لیکن سلیم شاہ کے مرنے کے بعد جب فیروز شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا تو ہزار منتوں کے باوجود محمد شاہ (مبارز خاں) نے اپنی چہیتی بہن کے اکلوتے لخت جگر کو بہن ہی کی گود میں ذبح کر دیا۔ حالانکہ بہن رو رو کر بھائی سے یہ کہتی رہی کہ ''میں اپنے بچے کو لے کر کہیں دور نکل جاؤں گی تو تخت پر بیٹھ جا مگر میرے بچہ کو نہ مار۔'' غرضیکہ فیروز شاہ تخت نشینی کے تیسرے دن اپنے سگے ماموں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔

محمد شاہ عادل کی تخت نشینی :

محمد شاہ سور اپنے سگے معصوم بھانجے فیروز شاہ کو قتل کرنے کے بعد محمد شاہ عادل کے لقب کے ساتھ 960ھ مطابق 1553ء میں تخت پر بیٹھ گیا۔ یہ انتہا درجہ کا عیاش، جاہل اور کینہ پرور شخص تھا۔ چنانچہ اس نے تخت پر بیٹھنے کے چند ہی روز بعد فضول خرچی، عیاشی پر سارا خزانہ لٹا دیا۔ اس کے بعد اس نے امرائے سلطنت کی جاگیروں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس کی حکومت میں تمام بڑے بڑے عہدوں پر ادنیٰ طبقے کے لوگ قابض تھے۔ ہیمو بقال کا عروج اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں ہوا، عادل نے ہیمو بقال کو وزارت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ سپہ سالاری کا بھی عہدہ دے دیا تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ ہیمو ہی محمد شاہ عادل کی حکومت کا مختار مطلق بنا ہوا تھا۔

عادل کے عہد حکومت میں کس قدر بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاص اس کے دربار میں اکثر اوقات پٹھانوں میں تلواریں چل جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب عادل نے ایک پٹھان کی جاگیر دوسرے پٹھان کو دی تو تلواریں میان سے باہر نکل آئیں۔ آٹھ سات آدمی مارے گئے اور بادشاہ تخت سے اتر کر حرم سرا میں بھاگ گیا۔

شیر شاہ کی حکومت کے ٹکڑے :

محمد شاہ عادل کی نااہلیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیر شاہ نے جس مضبوط اور پٹھان حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ پاش پاش ہو گئی اور اس مستحکم حکومت کے ٹکڑے ہونے کے بعد پانچ حکومتیں بن گئیں جن کا وجود اس طرح عمل میں آیا۔

(1) محمد شاہ عادل کے بہنوئی ابراہیم خاں نے دہلی اور آگرہ میں بغاوت کر کے دہلی، آگرہ اور کالپی میں اپنی حکومت قائم کر لی اور عادل فرار ہو کر چنار چلا گیا۔ (2) عادل نے بہار، جونپور اور گنگا کے مشرقی علاقے کے بڑے حصے پر اپنی نئی بادشاہی قائم کر لی۔ (3) عادل کا دوسرا بہنوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکندر سور سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد پنجاب کا بادشاہ بن گیا۔(4) عادل کا تیسرا بہنوئی سلطان محمد شاہ سور کا لقب اختیار کر کے بنگال میں فرمانروائی کرنے لگا۔ (5) شجاعت خاں جسے سجاول خاں بھی کہتے تھے۔ وہ مالوہ کا حکمراں بن گیا۔ ان پانچ حکومتوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی بے شمار پٹھانوں کی خودمختار حکومتیں سارے ملک میں قائم ہوگئیں۔ غرضیکہ جو پٹھان جہاں حکمران تھا وہ مرکز کے کمزور ہونے کے بعد خودمختار بن گیا۔ اور اس کے بعد ان نام نہاد خانہ ساز پٹھان بادشاہوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جس نے کہ شیر شاہ کی قائم کردہ سلطنت کو فنا کر کے رکھ دیا۔

ہمایوں کا آگرہ اور دہلی پر دوبارہ قبضہ :

ہمایوں جو کابل کو پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ شیر شاہ کی پٹھان حکومت دم توڑ رہی ہے تو اس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور 562ھ مطابق 1555ء میں پنجاب تک پہنچ گیا۔ سرہند میں ہمایوں کے لشکر نے سکندر شاہ سور کو شکست دینے کے بعد پہلے تو دہلی کو فتح کیا، اس کے بعد آگرہ پر قبضہ جمایا اور اس کی فوج نے آگرہ اور دہلی کے نواحی علاقوں کو بھی فتح کر لیا۔

محمد شاہ عادل نے جب یہ دیکھا کہ ہندوستان کی حکومت کا پرانا دعویدار ہمایوں، دہلی اور آگرہ پر قابض ہوگیا ہے تو اس نے اپنے وزیر اعظم ہیمو بقال کے مشورہ سے چنار آ کر نئے لشکر کی بھرتی شروع کی۔ تاکہ اس لشکر کے ذریعہ ہمایوں کو آگرہ اور دہلی سے نکالا جائے۔ ابھی عادل ہمایوں کے مقابلہ کے لئے جنگی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ اچانک اطلاع ملی کہ ہمایوں کا انتقال ہوگیا اور اکبر کو اس کا جانشین بنا دیا گیا تو اس اطلاع کے ملتے ہی محمد شاہ عادل اور ہیمو بقال کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کو یقین آ گیا کہ اب مغلوں کو آگرہ اور دہلی سے نکالنا کچھ دشوار نہیں۔

ہیمو بقال کا مغلوں پر حملہ :

ہیمو نے احمد شاہ عادل کو تو چنار ہی میں چھوڑا کیونکہ یہاں پٹھانوں کی بغاوت کا اندیشہ تھا اور خود ایک ہزار ہاتھی اور پچاس ہزار سوار لے کر مغلوں کے مقابلے کے لئے آگرہ کی جانب بڑھا۔ مغلیہ فوج کے سردار سکندر خاں اُزبک اور دوسرے مغل افسروں نے ہیمو کے عظیم الشان لشکر کو دیکھا تو گھبرا گئے۔ مغلوں کی فوج ہیمو بقال کے لشکر کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ لہٰذا مغلوں نے یہ سوچا کہ ہیمو بقال سے لڑنا بے سود ہے۔ چنانچہ مغل فوج بغیر لڑے 963ھ مطابق 1556ء میں آگرہ چھوڑ کر دہلی چلی گئی تو ہیمو نے آگرہ تو اپنے ماتحتوں کے حوالے کیا اور بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں دہلی پہنچا۔ یہاں مغل حاکم مرزا تردی بیگ سے ہیمو کا مقابلہ ہوا۔ تردی بیگ بھی ہیمو سے شکست کھانے کے بعد پنجاب بھاگ گیا۔ ہیمو نے دہلی پر بھی قبضہ جما لیا اس کے بعد ہیمو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغلوں کی سرکوبی کے لئے پنجاب جارہا تھا کہ راستہ میں پانی پت کے تاریخی میدان میں اس کی فوج کا مغل فوج سے سخت مقابلہ ہوا، اس جنگ میں ہیمو کی آنکھ میں تیر لگا اور گرفتار ہوگیا۔ بیرم خاں نے اسے فوراً قتل کردیا۔

سوری پٹھانوں کی حکومت کا خاتمہ :

شیر شاہ نے ہندوستان میں پٹھانوں کی جس حکومت کو از سرنو زندہ کیا تھا وہ اس لڑائی کے بعد پانی پت کے میدان میں ختم ہوگئی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پٹھانوں کی سابقہ حکومت بھی ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد پانی پت ہی میں ختم ہوئی تھی اور یہ جدید پٹھان حکومت بھی پانی پت ہی کے میدان میں دفن ہوگئی۔ پٹھانوں کی سابقہ حکومت کو بھی مغلوں ہی نے ختم کیا تھا اور جدید پٹھان حکومت کا خاتمہ بھی مغلوں ہی کے ہاتھوں ہوا۔

محمد شاہ عادل کے لشکر کو پانی پت کے میدان میں شکست ہونے کے بعد افغان اس سے برگشتہ ہوگئے اور اب عادل میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ پٹھانوں کی حکومت کی بقا کے لئے از سرنو جدوجہد کرسکتا۔ محمد شاہ عادل پر ایک تازہ مصیبت یہ آن پڑی کہ عادل کے پھوپھی زاد بھائی خضر خاں نے بنگال سے فوج کشی کرکے محمد شاہ عادل کے علاقہ کو تاخت وتاراج کرنا شروع کردیا۔

خضر خاں محمد شاہ سور شاہ بنگال کا بیٹا تھا جو باپ کے لڑائی میں مارے جانے کے بعد گور کے تخت پر سلطان بہادر کے لقب کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ محمد شاہ عادل گو میدان جنگ کا مرد نہیں تھا لیکن اس نے بڑی بہادری کے ساتھ خضر خاں یعنی سلطان بہادر کا مقابلہ کیا۔ اور اسی مقابلہ میں 965ھ مطابق 1557ء میں مارا گیا اور اس طرح شیر شاہ کے خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہوگیا۔ محمد شاہ عادل ایک نہایت ہی ناکارہ اور عیش پسند بادشاہ تھا جس کو حکمرانی اور جہانبانی کے کاموں سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ البتہ وہ اپنے زمانے کا بہترین گویا تھا۔ بڑے بڑے ماہرین موسیقی اس کے سامنے کان پکڑتے تھے۔ وہ عورتوں کا ضرور دلدادہ تھا مگر اس نے ساری عمر منشیات سے پرہیز کیا۔

سوری حکومت پر ایک نظر :

سوری حکومت پر اگر ناقدانہ نظر ڈالی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ شیر شاہ ہی نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور شیر شاہ کے مرنے کے بعد ہی یہ حکومت ختم ہوگئی۔ شیر شاہ کا بیٹا سلیم شاہ اس وسیع حکومت کو سنبھالنے کے معاملہ میں قطعی نااہل ثابت ہوا اور اس کے بعد جو دو برائے نام حکمراں ہوئے ان کا ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔

شیر شاہ نے ہندوستان میں جس مضبوط اور باقاعدہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی، اگر اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانشین اس کو سنبھال سکتے اور اس کے بنائے ہوئے مستحکم نظام کے ماتحت چلا سکتے تو شاید سوری حکومت کا دور ہندوستان کی تاریخ میں بہترین دور شمار کیا جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ شیر شاہ نے پانچ سال کی مختصر سی مدت میں مفاد عامہ کے جو بڑے بڑے کام کئے وہ دوسرے بادشاہ صدیوں میں بھی نہیں کر سکے۔ اس لئے اگر اس کے جانشین بھی شیر شاہ کے سچے مقلد ثابت ہوتے تو سوری حکومت کو نہ صرف بے حد عروج حاصل ہوتا بلکہ وہ زمانہ دراز تک ہندوستان میں قائم رہنے کے بعد ہندوستان کی بہت بڑی خدمت انجام دیتی لیکن افسوس کہ اس کے نااہل جانشینوں نے سوری حکومت کا شیر شاہ کے مرتے ہی گلا گھونٹ دیا۔

www.KitaboSunnat.com

چودھواں باب

ہندوستان کی خودمختار اسلامی حکومتیں

740ھ مطابق 1340ء تا 1008ھ مطابق 1599ء

محمد بن قاسم کے سندھ میں فاتحانہ داخلہ سے لے کر سوری حکومت کے خاتمہ تک تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال کا زمانہ ہوتا ہے اس طویل مدت میں مسلمانوں کی نئی نئی حکومتیں ہندوستان میں بن بن کر مٹیں اور مٹ مٹ کر بنیں لیکن مسلم حکومت کسی نہ کسی صورت میں برابر ہندوستان میں قائم رہی۔ یہ ضرور ہے کہ کبھی تو دہلی کی مرکزی مسلم حکومت کی سرحدیں ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک اور گجرات و کاٹھیاواڑ سے لے کر بنگال تک وسیع ہو جاتی تھیں اور کبھی دہلی کی مرکزی مسلم حکومت اپنے صوبوں اور علاقوں کے نکل جانے کے بعد صرف دہلی اور اس کے مفصلات تک محدود ہو کر رہ جاتی تھی اور جو صوبے اور علاقے دہلی کی مرکزی حکومت سے نکل جاتے تھے وہ اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیتے تھے۔ لیکن یہ خودمختار صوبے بھی بجز چند چھوٹے چھوٹے علاقوں کے ہمیشہ ان صوبے کے مسلمان حکمرانوں ہی کے زیر حکومت رہے، یہ دوسری بات ہے کہ ان مسلم حکمرانوں نے مرکز سے اپنا تعلق منقطع کرنے کے بعد اپنے اپنے صوبوں میں خودمختار اسلامی بادشاہتیں الگ الگ قائم کر لی تھیں۔

اس وقت تک ہم نے ہندوستان کی اسلامی حکومت کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ صرف مرکزی حکومت کے حالات و واقعات تک محدود ہے۔ ہم نے ابھی تک ان خودمختار اسلامی حکومتوں پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے جنہوں نے مرکزی اسلامی حکومت سے علیحدہ ہو کر خودمختارانہ حیثیت میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں ان حکومتوں کو بھی مرکزی اسلامی حکومت کی طرح بہت بڑی تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

مرکزی اسلامی حکمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جو نئی نئی خودمختار اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ (1) سلطنت بنگال (2) سلطنت جونپور (3) سلطنت مالوہ (4) سلطنت گجرات (5) سلطنت خاندیش (6) سلطنت کشمیر۔

یوں تو اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی خودمختار اسلامی سلطنتیں ہندوستان میں قائم ہو گئی تھیں لیکن ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جن سلطنتوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ یہی چھ حکومتیں ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ خودمختار اسلامی حکومتیں صرف نام کی حکومتیں نہیں تھیں بلکہ ان میں سے ہر حکومت کی حیثیت اور علاقہ موجودہ دور کی بڑی سے بڑی یوروپین حکومت کے ہم پلہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ ان خودمختار اسلامی حکومتوں میں سے تقریباً ہر حکومت کی تاریخ اس قدر طویل اور اہم ہے کہ اس پر ایک جداگانہ مستقل ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس موقع پر ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان خودمختار اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر دیں تاکہ ناظرین کو کسی نہ کسی حد تک ان خودمختار حکومتوں سے بھی واقفیت ہو جائے۔ سب سے پہلے ہم بنگال کی خودمختاری اسلامی حکومت پر روشنی ڈالیں گے جس کو کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بہت بڑی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس کے بعد دوسری خودمختار اسلامی حکومتوں پر تبصرہ کریں گے۔

بنگال کی خودمختار اسلامی حکومت

بنگال مسلمانوں کے حملے سے قبل زمانہ دراز تک ہندو راجاؤں کا بہت بڑا مرکز بنا رہا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی تسخیر سے قبل بنگال پر 61 ہندو راجاؤں نے تقریباً ساڑھے چار ہزار سال حکومت کی ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس کے دور حکومت میں شہاب الدین کے وائسرائے قطب الدین ایبک کے مشہور جنرل بختیار خلجی نے ایک مختصر سی جمعیت کے ذریعہ پہلے تو بہار کو فتح کیا اور اس کے بعد سارے بنگال کو فتح کرنے کے بعد بہار اور بنگال کو دہلی کی حکومت کے ساتھ ملحق کر دیا۔ بہار اور بنگال کی فتح کے بعد قطب الدین ایبک نے ان صوبوں کی حکومت بختیار خلجی کو دے کر اسے بہار اور بنگال کا گورنر بنا دیا تھا۔ لیکن بختیار خلجی کی موت کے بعد بنگال کے گورنر برائے نام دہلی کی حکومت کے مطیع رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دور دراز کے فاصلے کی بناء پر دہلی کی مرکزی حکومت بنگال پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے میں ہمیشہ ناکام رہی۔

بنگال کے گورنروں کی اس خودسری کو دیکھتے ہوئے غیاث الدین بلبن کو ان کی سرکوبی کرنی پڑی۔ چنانچہ بلبن نے طغرل خاں کو جو بنگال کا خودمختار حاکم بنا ہوا تھا سخت سزا دی اور اپنے بیٹے بغرا خاں کو بنگال اور بہار کی حکومت سپرد کر دی۔ بغرا خاں کے بعد بغرا خاں کے بیٹے اور جانشین بنگال پر حکومت کرتے رہے لیکن وہ بھی تقریباً خودمختار ہی رہے۔

www.KitaboSunnat.com

غیاث الدین بلبن اور سلاطین خلجی کے دور حکومت تک تو بنگال کے گورنروں کا یہ طریقہ کار رہا کہ وہ حکومت دہلی کے ساتھ اپنی زبانی اطاعت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھار تھوڑا بہت خراج بھی بھیج دیتے تھے لیکن سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں قدر خاں حاکم بنگال کے مرنے کے بعد اس کے نائب فخر الدین نے 740ھ مطابق 1340ء میں بنگال پر قبضہ جمالیا اور اپنی خودمختاری کے اعلان کے بعد بنگال میں فخر الدین کے دو رقیب اور پیدا ہو گئے۔ ایک مبارک خاں جس نے کہ لکھنوتی (ڈھاکہ) پر قبضہ جما کر اور سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا۔ دوسرا الیاس تھا۔ جس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا۔ ملک الیاس نے پہلے تو سلطان علاء الدین کو قتل کیا، اور اپنا خطاب سلطان شمس الدین اختیار کیا، اور اس کے بعد سنار گاؤں پر لشکر کشی کر کے فخر الدین کو بھی گرفتار کر لیا اور بنگال کا بادشاہ بن بیٹھا۔

بنگال کے خود مختار مسلم بادشاہ:

ملک الیاس جس نے کہ 740ھ مطابق 1340ء میں سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ بنگال کا پہلا خود مختار بادشاہ ہوا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے ایک مرتبہ حملہ کر کے اسے شکست دی اور دوسری مرتبہ اس کے بیٹے سکندر شاہ کو شکست دی۔ لیکن فیروز شاہ کے جانے کے بعد یہ بدستور وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ سلطان شمس الدین ایک سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد جب مرا تو اس کا بیٹا سکندر شاہ 741ھ مطابق 1341ء بنگال کے تخت پر بیٹھا۔ پھر سکندر شاہ کا بیٹا غیاث شاہ تخت پر بیٹھا۔ غیاث شاہ کے بعد اس کے بیٹے سلطان السلاطین نے بنگال کی حکومت سنبھالی۔ پھر سلطان السلاطین کا بیٹا شمس الدین تخت پر بیٹھا لیکن 787ھ مطابق 1386ء میں شمس الدین کے مرنے کے بعد ایک ہندو امیر راجہ کنس نے بنگال کی حکومت پر قبضہ جمالیا۔ راجہ کنس مرا تو مسلمانوں نے اس کو جلانے کی بجائے دفن کرنے کی کوشش کی، راجہ کنس کی سات سالہ حکومت کے بعد راجہ کنس کا بیٹا جیت مل تخت پر بیٹھا۔ جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام جلال الدین رکھ لیا۔ اس نے سترہ سال بنگال پر حکومت کی جیت مل جلال الدین کے بعد اس کا بیٹا سلطان احمد تخت پر بیٹھا اور اس نے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ اٹھارہ سال حکومت کی سلطان احمد کے چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے اس کے مرنے کے بعد اس کے غلام ناصر الدین نے تخت پر قبضہ جمالیا، لیکن امرائے سلطنت نے اسے قتل کر کے بنگال کے سابق حکمران سلطان شمس الدین کی اولاد میں سے ایک شہزادے کو سلطان ناصر الدین کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا، اور اس طرح بنگال کی حکومت پھر سابقہ شاہی خاندان میں چلی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان ناصر الدین کے بعد اس کا بیٹا باربک شاہ تخت پر بیٹھا اور باربک شاہ کے بعد اس کے بیٹے یوسف شاہ نے حکومت سنبھالی۔ یوسف شاہ کے مرنے کے بعد صرف چند گھنٹوں کے لئے سکندر شاہ بادشاہ ہوا۔ جس کو معزول کر کے فتح شاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ فتح شاہ نے بڑی دانشمندی کے ساتھ حکومت کی لیکن وہ خواجہ سراؤں کے ہاتھوں قتل ہوا اور خواجہ سراؤں کا سردار باربک شاہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد بنگال کے تخت پر بیٹھ گیا، لیکن آٹھ مہینے کے بعد امرائے سلطنت نے باربک شاہ خواجہ سرا کو معزول کر کے ملک اندیل حبشی کو جس نے کہ فتح شاہ کو قتل کیا تھا۔ فیروز شاہ کا خطاب دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد کچھ مدت تک بنگال میں یہ رسم رہی کہ جو کوئی بادشاہ کو مار ڈالے وہی تخت پر بیٹھے۔

حبشی بادشاہ فیروز شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ تخت پر بیٹھا، جسے شیدی بدر حبشی نے قتل کر دیا اور خود مظفر شاہ کے نام سے بنگال کے تخت پر بیٹھ گیا۔ یہ مظفر شاہ حبشی سید شریف کے ہاتھ سے قتل ہوا تو امرائے سلطنت نے شریف مکی کو اپنا بادشاہ بنالیا جو سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کرنے کے بعد بنگال پر بیس سال حکومت کرتا رہا۔ سلطان علاء الدین کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نصیب شاہ تخت پر بیٹھا، نصیب شاہ کے مرنے کے بعد سلطان محمود بنگالی بادشاہ ہوا۔ یہ امرائے بنگال میں سے تھا، اس نے 18 سال سلطنت کی لیکن جب شیر شاہ نے اس پر لشکر کشی کی تو وہ بھاگ کر ہمایوں کے پاس چلا گیا اس کے بعد شیر شاہ کے امرائے سلطنت میں سے سلطان بہادر نے بنگال کے تخت پر قبضہ جمالیا، پھر سلیمان کرمانی افغان نے سلطان بہادر سے بنگال کی حکومت چھین لی اور 25 سال تک بنگال میں حکمرانی کرتا رہا۔ سلیمان کرمانی کے بعد اس کا بیٹا بایزید بنگال کے تخت پر بیٹھا، پھر اس کے چھوٹے بھائی داؤد خاں نے بنگال کی حکومت سنبھالی۔ یہ بنگال کا آخری خود مختار بادشاہ ہوا ہے جس کو اکبری لشکر نے 982ھ مطابق 1574ء میں تخت و تاج سے محروم کر کے بنگال کو مغلیہ حکومت میں شامل کر لیا۔

بنگال کے خود مختار بادشاہوں کی اس طویل فہرست سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ 740ھ مطابق 1340ء سے لے کر 982ھ مطابق 1574ء تک تقریباً ڈھائی سو برس شاہان بنگال کس آزادی کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ ان میں لائق بادشاہ بھی ہوئے اور نالائق بھی بنگال کے ان بادشاہوں کے دور حکومت میں بنگال میں بڑی بڑی شاندار عمارتیں تیار ہوئیں، نئے مدارس کھولے گئے اور بنگالی لٹریچر کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی اس کے علاوہ تبلیغ اور اشاعت اسلام میں بھی بنگال کے بادشاہوں نے نمایاں حصہ لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جونپور کی خودمختار اسلامی حکومت

بنگال کے بعد ہندوستان کی خودمختار اسلامی حکومتوں میں حکومت جونپور (یعنی موجودہ یوپی) کوسب سے اہم تاریخی حیثیت حاصل ہے جونپور کا شہر سلطان فیروز شاہ تغلق نے "محمد تغلق جوناخاں" کے نام پر آباد کیا تھا۔ ابتدا میں اس شہر کا نام "جوناپور" تھا جو کثرت استعمال سے جونپور ہو گیا اور آگے چل کر یہ شہر ہندوستان کی ایک بہت بڑی خودمختار اسلامی حکومت کا سالہا سال تک دارالسلطنت بنا رہا۔

جونپور کی خودمختار حکومت کا بانی حکومت دہلی کا وزیر اعظم خواجہ جہاں تھا۔ جس کو سکندر شاہ تغلق کی تخت نشینی کے موقع پر عہدہ وزارت پیش کیا گیا تھا۔ خواجہ جہاں ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے دور حکومت میں بھی بدستور عہدہ وزارت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ ناصر الدین محمود شاہ ہی نے اسے جونپور، بہار اور ترہٹ کا انتظام سپرد کرنے کے بعد ملک الشرق کا خطاب دیا تھا، اسی لئے یہ اور اس کے جانشین شاہان مشرق کے نام سے مشہور ہوئے۔ وزیر خواجہ جہاں ملک الشرق ایک نہایت ہی ہوشیار اور مدبر شخص تھا، اس نے جونپور کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اس صوبہ کی فوجی طاقت کو خوب بڑھایا۔ شروع شروع میں تو یہ بظاہر سلطان ناصر الدین محمود کی حکومت کا اطاعت شعار بنا رہا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ دہلی کی حکومت دم توڑ رہی ہے اور سلطان محمود شاہ تغلق بے دست و پا ہو چکا ہے تو وزیر خواجہ جہاں نے ملک الشرق کا خطاب اختیار کرنے کے بعد 796ھ مطابق 1394ء میں جونپور کی خودمختاری کا اعلان کر دیا، اور خودمختار ہونے کے بعد اس نے گورکھپور، بہرائچ، گنگا جمنا کا درمیانی علاقہ اور بہار کا بہت سا حصہ فتح کر لیا رفتہ رفتہ ملک الشرق کی طاقت اور دبدبہ اتنا بڑھ گیا کہ ڈھاکہ اور بنگال کے حاکم اس کی خدمت میں اسی طرح تحفے تحائف اور ہاتھی بھیجنے لگے جس طرح کہ وہ اس سے قبل شاہان دہلی کو بھیجا کرتے تھے گویا خواجہ جہاں ملک الشرق نے شاہان دہلی کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ملک الشرق چھ سال تک ایک خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرنے کے بعد 802ھ مطابق 1399ء میں فوت ہو گیا۔

حکومت جونپور کے خودمختار بادشاہ:

خواجہ ملک الشرق کے مرنے کے بعد اس کا متبنیٰ ملک قرنفل مبارک شاہ کے لقب کیساتھ جونپور کے تخت پر بیٹھا۔ سلطان محمود شاہ تغلق اس پر حملہ کرنے کی غرض سے آیا۔ مگر ناکام واپس چلا گیا۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ ایک سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد 804ھ مطابق 1401ء میں انتقال کر گیا۔

مبارک شاہ کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ''ابرہیم شاہ مشرقی'' کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ محمود شاہ تغلق نے اس پر بھی حملہ کرنا چاہا۔ مگر ناکام لوٹ گیا اس کے دور حکومت میں جونپور دہلی کا ثانی بن گیا تھا۔ جہاں ہر وقت علما اور ماہرین فن کا ہجوم رہتا تھا، اس بادشاہ نے چالیس سال حکومت کی، 844ھ مطابق 1440ء میں یہ فوت ہو گیا۔

ابرہیم شاہ مشرقی کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود جب جونپور کے تخت پر بیٹھا تو اس نے نصیر خاں حاکم کالپی پر اس بنا پر حملہ کر دیا کیونکہ نصیر خاں مرتد ہو گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو کالپی سے نکال دیا تھا اور ان کی عورتیں غیر مسلموں کے حوالے کر دی تھیں۔ لیکن نصیر خاں کے توبہ کرنے پر اور محمود خلجی کی مداخلت کی بنا پر اس نے نصیر خاں کو معاف کر دیا۔ اس بادشاہ نے 852ء میں دہلی پر حملہ کر کے محاصرہ کر لیا تھا مگر دہلی کو فتح کیے بغیر واپس لوٹ گیا۔ بہلول لودھی سے بھی اس کی دو لڑائیاں ہوئی تھیں 862ھ مطابق 1457ء میں یہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

سلطان محمود کا جانشین اس کا بڑا بیٹا بھیکن خان ہوا جو سلطان محمد شاہ کے لقب کے ساتھ تخت پر بیٹھا، اس بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائی حسن خاں کو قتل کرا دیا، جس کی بنا پر اس کی ماں اور بھائی اس کے دشمن ہو گئے چنانچہ یہ بادشاہ جب بہلول لودھی سے جنگ کرنے کے بعد جونپور آ رہا تھا تو اسے راستہ میں قتل کر دیا گیا، اس نے صرف پانچ مہینے حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ کے قتل ہونے سے پہلے ہی اس کا بھائی سلطان حسین شاہ تخت پر بیٹھ چکا تھا۔ جس نے بہلول لودھی سے صلح کر لی۔ اس کی بہلول لودھی سے کئی لڑائیاں ہوئیں، اس کے بعد جب سکندر لودھی تخت پر بیٹھا تو اس سے بھی اس کی لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کیونکہ حسین شاہ یہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دہلی کی حکومت پر قبضہ جما لے لیکن بہلول لودھی جس کی طاقت کافی بڑھ چکی تھی اس کے مقابلہ میں حسین شاہ کو پے در پے شکستیں ہوئیں، ان شکستوں کے بعد بہلول لودھی نے جونپور کی حکومت کو فتح کرنے کے بعد اسے بھی دہلی کی حکومت میں شامل کر لیا، سلطان حسین شاہ 19 سال حکومت کرنے کے بعد بھاگ کر بنگال چلا گیا۔ اور اس طرح شاہان مشرق کی حکومت 881ھ مطابق 1476ء میں ختم ہو گئی۔

جونپور کی حکومت جو موجودہ زمانہ کے صوبہ یوپی پر مسلط تھی۔ شمالی ہند کی مضبوط ترین حکومت شمار کی جاتی تھی۔ شاہان مشرق تقریباً اسی سال اسی علاقہ میں حکمرانی کرتے رہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس سلطنت کے آخری بادشاہوں کے دل میں دہلی فتح کرنے کی ہوس نہ پیدا ہوتی اور انہوں نے بار بار لودھی خاندان کے فرماں رواؤں کو اعلان جنگ نہ دیا ہوتا تو شاید یہ حکومت بہت عرصے تک باقی رہتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالوہ کی خود مختار اسلامی حکومت

مالوہ ہندوستان کا وہ اہم ترین علاقہ ہے جس کو ہمیشہ ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جس کی سرزمین سے بکرماجیت جیسے لائق راجہ پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل تقریباً 55 راجاؤں نے اس ملک میں دو ہزار سال تک بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی ہے۔

تاریخ مالوہ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے باقاعدہ مالوہ فتح کرنے سے قبل بھی مالوہ کے تخت پر مسلمان بادشاہ بیٹھتے رہے چنانچہ چوہان کے آخری راجہ دہرم دیو کے بعد شیخ شاہ نامی کوئی مسلمان 70 سال تک مالوہ کے تخت پر فرماں روائی کرتا رہا ہے لیکن اس کے بعد پھر یہاں کی حکومت ہندو راجہ دہرم راج نے سنبھال لی جس نے 20 سال حکومت کی دہرم راج کے بعد شیخ شاہ کا بیٹا علاء الدین پیر مالوہ کا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور بیس سال تک حکومت کرتا رہا اس کے بعد کمال الدین نے 12 سال حکومت کی۔ لیکن کمال الدین کے بعد مالوہ کی حکومت جیت مل چوہان کے قبضہ میں چلی گئی جس نے بیس برس فرماں روائی کی لیکن اس کے بعد پھر ایک مسلمان جلال الدین مالوہ کا حکمران ہوگیا، جلال الدین کے بعد عالم شاہ مالوہ کے تخت پر بیٹھا۔ جو 24 سال حکومت کرتا رہا لیکن عالم شاہ کے بعد پھر ہندو حکمران مالوہ کی حکومت پر قابض ہوگئے اور اس وقت تک قابض رہے جب تک کہ دہلی کے پٹھان بادشاہوں نے ان سے حکومت چھین کر مالوہ کو دہلی کا ایک صوبہ نہیں بنالیا۔

دہلی کے پٹھان بادشاہوں کے مالوہ فتح کرنے سے قبل وہاں مسلمانوں کا حکومت کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ محمد بن قاسم کے زمانہ ہی سے چند غیر معروف حملہ آور پٹھان ہندوستان پر حملہ کرتے رہے ہیں اور انہوں نے ہندوستان کے بعض حصوں میں غیر معروف حکومتیں بھی قائم کرلی تھیں غالباً ان ہی حملہ آوروں میں وہ بادشاہ بھی تھے جنہوں نے کہ مالوہ کے تخت پر فرمانروائی کی ہے۔

مالوہ پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ:

قدیم زمانہ میں مالوہ کا ایک حصہ چونکہ صوبہ سندھ میں شامل تھا۔ اس لئے اگر دیکھا جائے تو سب سے پہلے محمد بن قاسم نے ہی مالوہ کو فتح کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پورا مالوہ محمد بن قاسم کے زمانے میں فتح نہ ہوسکا تھا محمد بن قاسم کے علاوہ مالوہ کے دوسرے حملہ آور وہ پٹھان تھے جن کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے کس زمانہ میں حملہ کیا اور کیونکر مالوہ کے تخت پر قابض ہوئے لیکن تاریخی اعتبار سے مالوہ پر سب سے پہلا حملہ 632ھ مطابق 1234ء میں سلطان التمش نے کیا تھا۔ سلطان التمش نے پہلے بھلسہ کا شہر اور قلعہ فتح کیا، اسکے بعد اجین پر حملہ کر کے اسے تسخیر کیا۔ اجین میں بکرماجیت کے زمانہ کا ''متھا کا دیو'' کا جو بت خانہ تھا اسے التمش نے اس لئے مسمار کر دیا کیونکہ یہ فتنہ پردازوں کا سب سے بڑا سیاسی مرکز بنا ہوا تھا جو التمش کی حکومت پر برابر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ سلطان التمش اور اس کے جانشین یعنی غلام خاندان کے بادشاہ ان فتوحات کے باوجود مالوہ کو حکومت دہلی کا باجگذار صوبہ بنانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے۔

خاندان غلامان کے خاتمہ کے بعد 691ھ مطابق 1291ء میں جلال الدین خلجی نے خود فوج لے کر مالوہ پر چڑھائی کی اجین کو فتح کیا مالوہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ غرض کہ خلجیوں کے دور حکومت میں مالوہ کا وہ صوبہ جو غلاموں کے خاندان کے زمانہ میں برائے نام دہلی کا ماتحت صوبہ تھا۔ مستقل طور پر دہلی کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی مالوہ کے صوبہ میں برابر بغاوتیں برپا ہوتی رہیں چنانچہ 739ھ مطابق 1339ء میں محمد تغلق کے بھانجے بہاء الدین گرشاسب نے راجپوت راجاؤں کے ساتھ متحد ہو کر مالوہ میں ایک بہت بڑی بغاوت کھڑی کر دی تھی جس کو فوراً دبا دیا گیا اسی طرح اور بھی کئی مرتبہ مالوہ کے صوبہ میں راجپوتوں نے سر اٹھایا مگر ان کو ہر مرتبہ کچل دیا گیا، غرض کہ مالوہ کا صوبہ 796ھ مطابق 1394ء تک دہلی کے بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ لیکن ناصر الدین محمد شاہ تغلق کے مرنے کے بعد دلاور خاں حاکم مالوہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے مالوہ میں ایک علیحدہ مسلم حکومت قائم کر لی۔

مالوہ کا پہلا بادشاہ دلاور خاں:

دلاور خاں غوری سلطان شہاب الدین غوری کی اولاد میں سے تھا۔ سلطان ناصر الدین محمد شاہ تغلق نے 789ھ مطابق 1387ء میں اسے مالوہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جب تک ناصر الدین محمد شاہ تغلق زندہ رہا۔ دلاور خاں اپنے آپ کو دہلی کی حکومت کا اطاعت شعار ظاہر کرتا رہا۔ لیکن ناصر الدین محمد شاہ تغلق کی موت اور تیمور کے حملے کے بعد جب دہلی کی حکومت لب دم تھی تو دلاور خاں غوری نے دہلی کی حکومت سے قطع تعلق کر کے 803ھ مطابق 1401ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا، اور سکہ چلایا اور مانڈو میں شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ 808ھ مطابق 1406ء میں دلاور خاں کے بیٹا الپ خاں نے اسے زہر دے دیا جس سے وہ مر گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت مالوہ کے خودمختار بادشاہ:

الپ خاں باپ کو زہر دینے کے بعد 808ھ مطابق 1406ء میں سلطان ہوشنگ کے لقب کے ساتھ مالوہ کے تخت پر بیٹھا اس نے اجین کی بجائے مانڈو کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، گجرات کا بادشاہ مظفر گجراتی جو دلاور خاں کا رشتہ دار اور دوست تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان ہوشنگ نے دلاور خاں کو زہر دے دیا تو وہ ایک بڑی فوج لے کر مالوہ پر حملہ آور ہوا اور سلطان ہوشنگ کو اس نے قید کر لیا۔ مگر سلطان ہوشنگ نے خوشامد کر کے اس قید سے رہائی حاصل کر لی، اور اس کے بعد ساری عمر شاہان گجرات سے لڑتا رہا۔ سلطان ہوشنگ نے گوالیار اور دکن کو بھی فتح کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ لیکن کالپی کو اس نے فتح کر لیا تھا۔ سلطان ہوشنگ 30 سال حکومت کرنے کے بعد 9 ذی الحجہ 838ھ مطابق 1434ء کو رحلت کر گیا اس کا مقبرہ جو منڈو میں ہے عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے اس مقبرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ بغیر پانی کے انتظام کے اس کی قبر پر پانی ٹپکتا رہتا ہے، آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ پانی کہاں سے آتا ہے اور خود بخود کیونکر پیدا ہو جاتا ہے۔

سلطان ہوشنگ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا غزنیں خاں 18 ذی الحجہ 838ھ مطابق 1434ء کو محمد شاہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد مالوہ کے تخت پر بیٹھا لیکن اس نے تخت پر بیٹھتے ہی بھائیوں اور عزیزوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس سے کہ امراء اس کے دشمن ہو گئے، اور اس دشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمد شاہ کے سالے محمود خلجی نے بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا، اس بادشاہ نے ایک سال اور چند ماہ حکومت کی۔

سلطان محمود خلجی اپنے بہنوئی سلطان محمد شاہ کو ہلاک کرنے کے بعد 839ھ مطابق 1435ء میں مالوہ کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اس پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر خوش قسمتی سے محمود خلجی بچ گیا، پھر جا بجا ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں۔ اس دوران میں سلطان احمد شاہ گجراتی نے مالوہ پر حملہ کر کے مانڈو کے قلعہ کو گھیر لیا۔ لیکن اسے واپس جانا پڑا، سلطان محمود خلجی نے 844ھ مطابق 1440ء میں دہلی پر بھی حملہ کیا تھا لیکن صلح کے بعد محمود واپس چلا گیا، 845ھ مطابق 1441ء میں چتوڑ کے راجپوتوں نے بغاوت کی تو اس نے چتوڑ پر حملہ کر کے شہر کو لوٹا اور بتخانوں کو توڑا اور نصیر خاں حاکم کالپی کی تادیب کی جو ملحد ہونے کے بعد لڑکیوں کو گواتا اور نچواتا تھا، 855ھ مطابق 1451ء میں سلطان محمود نے گجرات پر حملہ کیا مگر اس معرکہ میں بری طرح شکست ہوئی۔ اس کے بعد سلطان محمود خلجی نے مارواڑ ولایت مندسور، مندل گڈھ چتوڑ اور دکن میں متعدد لڑائیاں لڑیں۔ یہ اپنے زمانہ کا ایک نہایت ہی انصاف پسند اور بہادر بادشاہ ہوا ہے جو مالوہ پر 34 سال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کرنے کے بعد 19 ذی قعد 873ھ مطابق 1469ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں مالوہ میں خوش حالی عام تھی۔

محمود خلجی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین مالوہ کے تخت پر بیٹھا۔ سلطان غیاث الدین کے عہد حکومت کا سب سے دلچسپ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عورتوں کی ایک فوج بنائی تھی۔ یہ عورتوں کا بے حد دلدادہ تھا مگر بدچلن نہ تھا۔ 906ھ مطابق 1500ء میں اس کے بیٹے ناصر الدین نے اسے زہر دے دیا جس سے کہ یہ ہلاک ہوگیا۔

سلطان ناصر الدین باپ کو زہر سے ہلاک کرنے کے بعد 906ھ مطابق 1500ء میں مالوہ کے تخت پر بیٹھا، اس نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کا بڑی بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا، اس کے تخت پر بیٹھتے ہی بغاوتیں شروع ہوگئیں جن کو اس نے دبا دیا، یہ بادشاہ 11 سال حکومت کرنے کے بعد 917ھ مطابق 1511ء میں دنیا سے رحلت کر گیا۔

سلطان ناصر الدین کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا سلطان محمود تخت پر بیٹھا اور اس کو بھی تخت پر بیٹھتے ہی باغیوں کو کچلنا پڑا، لیکن سلطان محمود کی بدقسمتی کہ اس نے مانڈو میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کے مخالفین کو پناہ دیدی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان بہادر شاہ گجراتی نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مانڈو پر حملہ کر کے سلطان محمود کو گرفتار کر لیا اور اسے قلعہ چانپانیر میں قید کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ مگر سلطان محمود راستہ میں مارا گیا، اور اس طرح مالوہ کے بادشاہوں کے خاندان کا وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ جس کی بنیاد بہادر خاں نے رکھی تھی غرض کہ مالوہ کی خودمختار اسلامی سلطنت 942ھ مطابق 1534ء میں شاہان گجرات کے قبضہ میں چلی گئی جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اور پھر اس کے بعد گجرات اور مالوہ کا علاقہ حکومت مغلیہ میں شامل ہوگیا۔

مالوہ کے بادشاہوں کی یہ خودمختار سلطنت تقریباً ڈیڑھ سو برس قائم رہی۔ یہ سلطنت اپنے زمانہ کی ایک نہایت ہی مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی، اس حکومت کے فرماں رواؤں نے جو بے نظیر شاندار عمارتیں، اجین مانڈو اور مالوہ کے دوسرے شہروں میں بنوائی ہیں وہ آج بھی اس حکومت کی عظمت کا پتہ دے رہی ہیں۔ اگر مسلمان بادشاہوں کی خانہ جنگی نے حکومت مالوہ کو تباہ اور برباد نہ کر دیا ہوتا تو شاید یہ حکومت بھی زمانہ دراز تک باقی رہتی۔ لیکن افسوس کہ خود مسلمانوں ہی نے اپنی اس حکومت کو دفن کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گجرات کی خود مختار اسلامی حکومت

مالوہ کی طرح گجرات بھی ابتداء میں ہندو حکمرانوں کا بہت بڑا مرکز رہا ہے، اس صوبہ میں کئی ہزار برس تک بے شمار ہندو راجاؤں نے بڑے تدبر اور ہوشمندی کے ساتھ حکومت کی ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہندوستان کا نہایت ہی دولتمند صوبہ ہے، کیونکہ ایران، شام، عراق، عرب، مصر اور دوسرے تمام بیرونی ممالک کے ساتھ اسی صوبہ سے تجارت ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے گجرات پر سب سے پہلے کب حملہ کیا اس کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ سب سے پہلے محمد بن قاسم نے گجرات کے اس علاقہ کو فتح کیا جو سندھ سے ملا ہوا تھا، اور ان مورخوں کا خیال ہے کہ محمد بن قاسم نے جس سندھ کو فتح کیا تھا اس سندھ میں گجرات کا بھی ایک بڑا حصہ شامل تھا۔ لیکن بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ سندھ کا سب سے پہلا مسلم حملہ آور محمود غزنوی تھا جس نے کہ 415ھ مطابق 1024ء میں نہر و والا گجرات پر حملہ کر کے اسے فتح کیا، اور اس کے بعد سومنات کے مندر پر حملہ کرنے کے بعد اس مندر سے بے اندازہ دولت لے گیا۔ محمود غزنوی کے بعد 571ھ مطابق 1179ء میں شہاب الدین غوری نے بھی محمود غزنوی کی تقلید کرتے ہوئے نہر و والا (گجرات) پر حملہ کیا تھا، لیکن اس حملہ میں شہاب الدین غوری کو شکست کے علاوہ بے حد جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا، اسی شکست کا انتقام 552ھ مطابق 1196ء میں شہاب الدین غوری کے جانشین سلطان قطب الدین ایبک نے نہر و والہ (گجرات) پر حملہ کر کے لیا تھا چنانچہ قطب الدین نے راجہ بھیم دیو والی نہر و والہ پر حملہ کر کے اس شہر کو اچھی طرح سے لوٹا، راجہ سے خراج وصول کیا اور اطاعت کا اقرار لیا۔

گجرات دہلی کی حکومت کا ایک صوبہ:

یوں تو گجرات قطب الدین ایبک کے دور حکومت ہی میں فتح ہونے کے بعد دہلی کا ایک ماتحت صوبہ بن چکا تھا لیکن فاصلہ کی زیادتی کی وجہ سے کیونکہ شاہان دہلی گجرات کی جانب پوری توجہ نہیں کر سکے، اس لئے وہاں کے راجہ رفتہ رفتہ پھر خود مختار بن گئے، ان راجاؤں کی خود مختاری کو زمانہ دراز کے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے ختم کیا، علاء الدین نے 697ھ مطابق 1298ء میں اپنے بھائی الغ خاں اور نصرت خاں کو ایک بڑا لشکر لے کر گجرات کی فتح کے لئے روانہ کیا ان دونوں سپہ سالاروں نے گجرات اور نہر و والہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور سومنات کے اس بت کو توڑا جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمود غزنوی کے حملہ کے بعد دوبارہ رکھ لیا گیا تھا۔کھمبائت کو بھی فتح کیا۔گجرات کا راجہ کرن مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔جب گجرات فتح ہو گیا تو علاء الدین خلجی نے اپنے بھائی الغ خاں کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا،اسی زمانہ میں گجرات میں سلاطین دہلی کی جانب سے حاکم مقرر ہونے شروع ہو گئے تھے اور گجرات باقاعدہ دہلی کی حکومت کا ایک ماتحت صوبہ بن گیا تھا۔الغ خاں نے سلطان علاء الدین کی طرف سے گجرات میں بیس سال حکومت کی لیکن آخر میں اس کو معزول کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔

گجرات بغاوتوں اور سازشوں کا مرکز:

گجرات دہلی کا ماتحت صوبہ بن جانے کے باوجود بھی وہاں کے سابق ہندو فرماں روا خاندان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی سپہ سالاروں نے دار السلطنت نہل پورا ساون (احمد آباد) سورت،کھمبات،بروچ اور گجرات کے دوسرے بڑے بڑے شہروں پر تو قبضہ جما لیا تھا۔لیکن گجرات کے ان مفصلات کی جانب توجہ نہیں کی جہاں سابق راجاؤں کے خاندان کے لوگ جا کر آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ان سابق راجاؤں کے خاندان کے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جب بھی ان کو موقع مل جاتا یہ بغاوت برپا کر دیتے اور جب ان پر حملہ کیا جاتا تھا تو یہ محض دکھاوے کے لئے مطیع بن جاتے تھے۔چنانچہ سابق راجاؤں کے خاندان کے لوگوں کی وجہ سے اس صوبے کے مسلم گورنروں کو آئے دن ان سے لڑائیاں لڑنی پڑتی تھیں۔

الغ خاں کے بعد دہلی کی حکومت کی جانب سے گجرات کے جو مشہور اور ممتاز گورنر ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہی ملک دینار،ظفر خاں حسام الدین،ملک وجیہ الدین،خسرو خاں تاج الملک مقبل شمس الدین افغانی فرحت الملک اور ظفر خاں (مظفر شاہ) ان گورنروں کو گجرات کے ہندوؤں کی بغاوتوں کا شدید مقابلہ کرنا پڑا یہاں تک کہ شمس الدین افغانی جیسے غدار گورنر خود بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

گجرات کی خود مختاری اسلامی سلطنت کا بانی مظفر شاہ:

مظفر شاہ گورنر گجرات جس نے کہ 810ھ مطابق 1399ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے گجرات میں خود مختار اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔25 محرم 743ھ مطابق 1343ء کو دہلی میں پیدا ہوا تھا۔اسکا باپ فیروز شاہ تغلق کو شراب پلانے پر نوکر تھا۔لیکن مظفر شاہ اپنی بے نظیر قابلیت کی بناء پر چھوٹے درجے سے ترقی کرتے کرتے امراء کبار میں شمار ہونے لگا۔اس کا اصلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام ظفر خاں تھا۔سلطان ناصر الدین محمد شاہ تغلق نے 794ھ مطابق 1392ء میں جب اسے گجرات کا گورنر بنا کر بھیجا، تو اسے مظفر خاں کا خطاب عطا کیا تھا جو بعد کو مظفر خاں سے مظفر شاہ بن گیا۔

مظفر شاہ نے بحیثیت گورنر کے گجرات میں بڑی اہم خدمات انجام دیں۔اس نے گجرات میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی سابق راجاؤں کے اس سارے خاندان کو کچل کر رکھ دیا۔جو آئے دن بغاوتیں برپا کرتے رہتے تھے اور ان سے کروڑوں روپیہ کا مال غنیمت لے کر حکومت دہلی کو بھیجا۔اس کے علاوہ مظفر شاہ نے گجرات کے کئی چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو سخت جنگ کے بعد زیر کیا۔جو رفتہ رفتہ گجرات میں طاقت پکڑے چلے جا رہے تھے۔مظفر شاہ کی ایک لڑائی مالوہ کے بادشاہ ہوشنگ سے بھی ہوئی تھی۔جس میں مظفر شاہ نے ہوشنگ کو گرفتار کرلیا تھا۔مگر بعد میں رہا کر دیا تھا۔مظفر شاہ اپنے زمانہ کا مشہور سپہ سالار تھا۔801ھ مطابق 1399ء میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔غرض کہ اس نے اپنی بے نظیر انتظامی قابلیت کی بنا پر گجرات میں ایک نہایت مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی اور پھر اس حکومت کو خوب ترقی دی۔مظفر شاہ 814ھ مطابق 1411ء میں بیمار ہو گیا اس نے بیماری ہی کے زمانہ میں اپنے پوتے احمد شاہ کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔وہ 71 سال کی عمر میں مر گیا اس نے گجرات میں بیس سال حکومت کی۔

سلطنت گجرات کے خود مختار بادشاہ:

مظفر شاہ کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ گجرات کے تخت پر بیٹھا۔احمد شاہ بھی اپنے دادا مظفر شاہ کی طرح دہلی میں پیدا ہوا تھا۔جب یہ تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف 21 سال تھی احمد شاہ کو تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی سب سے پہلے تو اپنے چچازاد بھائی فیروز خاں کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔اس کے بعد اس کو سلاطین مالوہ سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں، اس کے علاوہ اس بادشاہ کو گجرات کے ہندو راجاؤں کی بغاوتوں کا بھی شدید مقابلہ کرنا پڑا تو اس نے پہلے اندرونی بغاوتوں کو دبایا۔اس کے بعد راجہ جونا گڈھ پر حملہ کر کے جونا گڈھ کو فتح کیا، جونا گڈھ کے علاوہ تھانہ اور ڈونگر پور کو بھی اسی بادشاہ نے فتح کیا تھا۔احمد آباد اسی نے آباد کیا تھا۔اس بادشاہ کو جنگی بیڑا رکھنے کا بھی شوق تھا۔چنانچہ اس کے جنگی بیڑے میں بہت سے جہاز تھے۔تبلیغ اسلام سے بھی اسے بے حد دلچسپی تھی اسی لئے اس کے زمانہ میں گجرات کے لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔اس کے حرم میں متعدد راجپوت عورتیں تھیں جن کو اس نے مسلمان کرنے کے بعد نکاح کر لیا تھا۔یہ مندروں کو اور بت پرستی کو ناپسند کرتا تھا۔یہ بادشاہ گجرات پر 32 سال حکومت کرنے کے بعد 53 برس کی عمر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں 4 ربیع الاول 846ھ مطابق 1442ء کو فوت ہو گیا۔

سلطان احمد شاہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد شاہ 846ھ مطابق 1442ء میں گجرات کے تخت پر بیٹھا اس نے تخت پر بیٹھتے ہی بیدر فتح کرنے کے بعد اپنے خسر ہرائے کو دے دیا۔ محمد شاہ نے رائے ہررائے کی خوبصورت بیٹی کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ اس پر بری طرح فریفتہ تھا۔ یہ بادشاہ 7 محرم 855ھ مطابق 1451ء کو زہر سے ہلاک ہوا، اس نے تقریباً دس سال حکومت کی۔

محمد شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا قطب الدین احمد شاہ کے لقب کے ساتھ احمد آباد میں تخت پر بیٹھا، تو مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود نے اس پر حملہ کر دیا۔ کئی دن تک جنگ ہوتی رہی۔ مگر سلطان مالوہ کو شکست ہو گئی، اس کے بعد سلطان مالوہ اور قطب الدین میں صلح ہو گئی اور ان دونوں نے مل کر یہاں کے راجاؤں کو زیر کیا۔ جو مدت سے گجرات اور مالوہ کی سرحدوں پر فتنے برپا کرنے میں مصروف تھے۔ اس بادشاہ کو اس کے داماد شمس خاں نے زہر دیدیا جس کے اثر سے وہ 23 رجب 863ھ مطابق 1459ء کو ہلاک ہو گیا۔ بادشاہ کے مرنے پر لوگوں نے مشتعل ہو کر شمس خاں کو قتل کر دیا، یہ بادشاہ شراب نوشی کا بے حد عادی تھا۔ اس نے گجرات پر تقریباً آٹھ سال حکومت کی۔

سلطان قطب الدین احمد شاہ کے مرنے کے بعد اسکا چچا داؤد خاں احمد آباد میں تخت پر بیٹھا۔ مگر سات ہی روز کے بعد اسے معزول کر کے سلطان قطب الدین کے بھائی فتح خاں کو گجرات کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے سلطان محمود شاہ کا لقب اختیار کیا، جو سلطان محمود بیگڑہ کے نام سے مشہور ہوا۔

866ھ مطابق 1462ء میں دکن کے بادشاہ نظام بہمنی کی خواہش پر یہ بادشاہ دکن گیا، اور وہاں جا کر مالوہ کے بادشاہ محمود خلجی کی سرکوبی کی جس نے کہ دکن میں طوفان مچا رکھا تھا۔ سلطان محمود بیگڑہ نے بندر جگت کے بت خانہ پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا کیونکہ اس بت خانے کے برہمنوں نے مدتوں سے مسلمانوں کو لوٹنے کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود بیگڑہ نے رائے بنی رائے راجپوت پر حملہ کر کے قلعہ چمپانیر فتح کیا۔ پھر کوہ آبو کے راجہ کو زیر کیا، اور ایدو اگر اور کے راجاؤں کو مطیع بنایا۔ 913ھ مطابق 1507ء میں سلطان کو اطلاع ملی کہ پرتگیز جہازوں کے ذریعہ ساحل کے قریب آ گئے ہیں اور ساحل پر قلعہ بنانے کی فکر میں ہیں سلطان نے فوراً ان کے مقابلے کے لئے اپنا سمندری بیڑا بھیجا جس نے کہ پرتگیزوں کے جہازوں پر گولہ باری کر کے ان کو تباہ کر دیا۔ اسی بادشاہ کے دور حکومت میں دہلی کے بادشاہ سکندر لودھی نے شاہ گجرات کو تحفے تحائف بھیج کر گجرات کی آزاد حکومت کو تسلیم کیا۔ یہ بادشاہ ستر سال کی عمر میں ایسا بیمار ہوا کہ پھر تندرست نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکا، چنانچہ 917ھ مطابق 1511ء میں اس نے 55 سال حکومت کرنے کے بعد رحلت کی، اس نے اپنی زندگی میں مصطفیٰ آباد اور محمد آباد کے نام سے دو شہر تعمیر کرائے۔ یہ بادشاہ بھی گجرات کے دوسرے بادشاہوں کی طرح تبلیغ اسلام کا جذبہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں اشاعت اسلام خوب ہوئی۔

سلطان محمود بیگڑہ کی دفات کے بعد اس کا بیٹا مظفر شاہ 917ھ مطابق 1511ء میں گجرات کے تخت پر بیٹھا سب سے پہلے اس نے ایدر کے راجہ بھیم سین کو جو باغی ہو گیا تھا زیر کیا، مظفر شاہ اس فتح کے بعد چمپانیر چلا گیا اور اس کی غیر موجودگی میں رانا سنگا نے بیدر قلعہ احمد نگر احمد آباد اور بیسل نگر کو خوب لوٹا، جب بادشاہ کی فوج مقابلہ کے لئے آئی تو رانا سنگا واپس جا چکا تھا۔ 927ھ مطابق 1520ء میں مظفر شاہ نے ایک بڑا لشکر رانا سنگا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، اس لشکر نے پہلے تو ڈونگر پور اور بانسواڑہ کو تباہ و برباد کیا۔ پھر چتوڑ کی جانب بڑھا لیکن رانا سنگھا نے بادشاہ کی خدمت میں قیمتی تحفے تحائف پیش کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد مظفر شاہ نے ایک بڑا لشکر دہلی فتح کرنے کے لئے سلطان ابراہیم لودھی کے خلاف بھیجا مگر یہ لشکر ناکام واپس آ گیا بادشاہ جس کی صحت برابر گرتی چلی جا رہی تھی سخت بیمار ہو گیا اور 932ھ مطابق 1525ء میں بعمر 56 سال رحلت کر گیا، اس نے تقریباً پندرہ سال حکومت کی۔ یہ بڑا دیندار بادشاہ تھا بڑا خوش خط تھا۔ ہمیشہ قرآن مجید لکھ کر مکہ معظمہ پہنچا کرتا تھا۔

مظفر شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ تخت شاہی پر بیٹھا۔ لیکن اس کی غیر منصف مزاجی اور برے سلوک کی وجہ سے امرائے سلطنت اس کے دشمن ہو گئے کئی مرتبہ اس کے قتل کی کوشش کی گئی، آخر 19 شعبان 932ھ مطابق 1525ء کو امرائے سلطنت نے اس کو قتل کر دیا۔ اس بادشاہ نے دس ماہ حکومت کی۔

سکندر شاہ کے قتل کے بعد اس کا چھوٹا بھائی نصیر خاں سلطان محمود کے خطاب کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔ یہ نام کا بادشاہ تھا۔ اصل حکومت عماد الملک وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھی۔ مظفر شاہ کے بیٹے بہادر خاں نے جب سنا کہ اس کا بھائی سکندر شاہ قتل کر دیا گیا ہے۔ اور عماد الملک نے اس کے چھوٹے بھائی کو کٹ پتلی بنا رکھا ہے تو وہ دہلی سے سیدھا احمد آباد آیا۔ تمام امرائے سلطنت اس کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ نصیر خاں کی حکومت چار ماہ کے بعد ختم ہو گئی اور بہادر خاں نے گجرات کے تخت پر قبضہ جما لیا۔

یکم شوال 932ھ مطابق 1526ء کو بہادر شاہ احمد آباد میں تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور ان بغاوتوں کے دبانے کی جانب متوجہ ہوا جو اس کے تخت نشین ہونے کے بعد شروع ہو گئیں تھیں۔ اندرونی بغاوتوں سے فارغ ہونے کے بعد بعض حالات ایسے پیدا ہوئے کہ بہادر شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مالوہ کی سلطنت پر حملہ کرنا پڑا اس زمانہ میں مالوہ کا بادشاہ سلطان محمود تھا جس کو شکست ہوگئی اور بہادر شاہ نے خودمختار مالوہ کی حکومت کو بھی حکومت گجرات کے ساتھ ملحق کرلیا۔اس کے بعد 934ھ مطابق 1528ء میں سلطان بہادر شاہ جب کھمبات آیا تو اسے معلوم ہوا کہ پرتگیزوں کا ایک جہاز جو ساحل گجرات پر آگیا تھا۔اس پر سے سولہ یورپیوں کو گرفتار کیا گیا ہے یہ پرتگیز بادشاہ کے سامنے پیش کئے گئے۔

ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کرلیا،ان کے افسر کا نام جیمس میکوائٹ تھا۔939ھ مطابق 1533ء میں بہادر شاہ کو اطلاع ملی کہ بندر دیو میں پرتگیزوں کی ایک بہت بڑی تعداد سمندر کے راستہ آ کر جمع ہوگئی ہے بادشاہ ان کی سرکوبی کے لئے گیا۔پرتگیز فرار ہوگئے،یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی اور شمالی ہند میں مغلوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ہمایوں فرماں روائی کررہا تھا اور سلطان ابراہیم لودھی کی اولاد اور دہلی کے امرائے سلطنت مغل حکومت کے خوف سے بھاگ بھاگ کر بہادر شاہ گجراتی کی حکومت میں پناہ لے رہے تھے اور بہادر شاہ کو مغلوں کی سرکوبی کیلئے ابھار رہے تھے بہادر شاہ جس کو کہ اپنی طاقت پر بڑا زعم تھا۔اس نے مغلوں پر حملہ کردیا،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں نے سارے گجرات کو تاخت وتاراج کرڈالا۔جب ہمایوں گجرات سے چلا گیا تو بہادر شاہ پھر گجرات کا بادشاہ بن بیٹھا۔کچھ دنوں کے بعد بہادر شاہ بندر دیو میں آیا جہاں پرتگیزوں نے اسے اپنے ایک جہاز پر لے جا کر قتل کرنا چاہا تو وہ سمندر میں کود پڑا اور غرق ہوگیا۔بہادر شاہ نے 15 سال حکومت کی اس کو مسجدیں بنانے کا بے حد شوق تھا۔بہادر شاہ کے دور حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مالوہ کی بادشاہت کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا۔

بہادر شاہ کے مرنے کے بعد بہادر شاہ کے ایک بوڑھے فوجی افسر محمد شاہ فاروقی نے تخت پر قبضہ جمالیا۔لیکن وہ تخت نشینی کے ڈیڑھ ماہ بعد 943ھ مطابق 1537ء میں بیمار ہوکر مر گیا۔محمد شاہ فاروقی کے بعد مظفر شاہ کا پوتا سلطان محمود گجراتی تخت پر بیٹھا،اس بادشاہ نے بڑی دانشمندی کے ساتھ حکومت کی لیکن 971ھ مطابق 1569ء میں اپنے نوکر برہان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔سلطان محمود گجراتی کے بعد سلطان احمد شاہ تخت پر بیٹھا لیکن اسے بھی قتل کردیا گیا۔اس کے بعد سلطان مظفر بادشاہ ہوا،لیکن اس بادشاہ نے 13 سال حکومت کی تھی کہ شہنشاہ اکبر نے گجرات کو فتح کرکے 979ھ مطابق 1571ء میں مغلوں کی حکومت میں شامل کرلیا،اور اس طرح پونے دوسو سال کے بعد گجرات کی یہ خودمختار اسلامی حکومت ختم ہوگئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندیش کی خود مختار اسلامی حکومت

بنگال، جونپور، مالوہ اور گجرات کی طرح خاندیش میں بھی مسلمانوں کی ایک خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہوگئی تھی، خاندیش مالوہ اور دکن کے درمیان کا وہ علاقہ ہے جو کہ ہزاروں برس تک ہندو راجاؤں کے تسلط میں رہ چکا تھا خود مختار ہونے سے قبل یہ علاقہ بھی زمانہ دراز تک دہلی کی سلطنت کا ایک صوبہ بنا رہا لیکن اس صوبہ کے گورنر ملک راجی فاروقی نے خود مختاری کا اعلان کر کے اس صوبہ کو ایک مستقل خود مختار اسلامی سلطنت کی شکل دے دی۔

ملک راجی فاروقی جو خاندیش کا پہلا خود مختار بادشاہ ہوا ہے، اس کے باپ کا نام خان جہاں فاروقی تھا۔ جس کے آباء واجداد سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں ممتاز امراء کا درجہ رکھتے تھے لیکن خان جہاں فاروقی کے مرنے کے بعد یہ خاندان بالکل تباہ ہوگیا۔ چنانچہ ملک راجی فاروقی باپ کی موت کے بعد سرگرداں اور پریشان حال جنگلوں کی خاک اڑاتا پھر رہا تھا کہ اس کی جنگل میں سلطان فیروز شاہ سے ملاقات ہوگئی، سلطان فیروز شاہ شکار کھیلتا کھیلتا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا، اور بھوک کی وجہ سے بے تاب تھا کہ ملک راجی فاروقی نے جو کچھ اس کے پاس تھا سلطان کے سامنے رکھ دیا، سلطان نے ملک راجی کی اس خدمت گزاری سے خوش ہو کر اسے خاندیش میں تھال بز کے علاقہ کی حکومت دے دی۔ ملک راجی فاروقی نے اس علاقہ کی حکومت سنبھالنے کے بعد دہلی کی حکومت کے باغیوں کو خوب کچلا فیروز شاہ کے پاس بے اندازہ مال غنیمت بھیجا جس سے ملک راجی فاروقی کا اعتماد سلطان کی نظر میں بڑھ گیا، اور سلطان نے اس کو پورے خاندیش کا گورنر بنا دیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرنے کے بعد جب دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی تو ناصر الدین محمد شاہ تغلق کے مرنے کے بعد 796ھ مطابق 1394ء میں ملک راجی فاروقی خاندیش کا بادشاہ بن بیٹھا اور بڑی قابلیت کے ساتھ خاندیش پر بادشاہت کرتا رہا۔ شعبان 801ھ مطابق 1399ء کو یہ بادشاہ فوت ہوگیا اور اپنے پیچھے ایک مضبوط حکومت چھوڑ گیا۔

سلطنت خاندیش کے خود مختار بادشاہ:

خاندیش کی خود مختار اسلامی سلطنت کے بانی ملک راجی فاروقی اور اس کے جانشینوں نے تقریباً دو سو سال تک خاندیش پر حکومت کی ہے اس سلطنت میں جن بادشاہوں نے فرماں روائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے،ان کے نام یہ ہیں۔1۔بانی سلطنت ملک راجی فاروقی 2۔سلطان نصیر خاں فاروقی بن ملک راجی فاروقی 3۔سلطان میران عادل فاروقی بن نصیر خاں فاروقی 4۔سلطان مبارک خاں فاروقی بن عادل خاں فاروقی 5۔سلطان میراں عینا عرف عادل خاں فاروقی 6۔سلطان داؤد خاں فاروقی بن مبارک خاں فاروقی 7۔سلطان عادل خاں فاروقی بن نصیر خاں عرف اعظم ہمایوں 8۔سلطان میران محمد شاہ فاروقی بن عادل شاہ فاروقی 9۔سلطان میران مبارک شاہ بن عادل خاں فاروقی 10۔راجہ میران علی خاں فاروقی بن مبارک خاں 11۔راجہ میران علی خاں فاروقی بن مبارک خاں فاروقی 12۔راجہ بہادر خاں فاروقی بن میراں علی خاں خاندیش کا آخری بادشاہ تھا۔

خاندیش کی اسلامی حکومت کا ملک رانجی ایک نہایت ہی دور اندیش فرمانروا تھا۔چنانچہ اس نے اپنی طاقت اور قوت کو بڑھانے کی غرض سے اپنی ایک لڑکی کی شادی گجرات کے بادشاہ ہوشنگ سے کردی تھی اور دلاور خاں کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح کردیا تھا،ان رشتوں کا مقصد یہ تھا کہ حکومت گجرات اور حکومت خاندیش کے تعلقات مستحکم ہو جائیں چنانچہ حکومت خاندیش کو ان رشتوں سے بے حد فائدہ پہنچا،ملک رانجی کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے اس کے بیٹے سلطان نصیر خاں نے بھی سلطنت بہمنی میں اپنی بیٹی بیاہنے کے بعد اس حکومت سے بھی رشتہ داری کے تعلقات قائم کر لئے تھے۔مگر اس شادی کے بعد آپس کی شکر رنجی اور بڑھ گئی جس کی بناء پر ان دونوں حکومتوں میں مدت دراز تک خانہ جنگی برپا رہی۔

خاندیش کی خودمختار حکومت کا خاتمہ:

کہنے کے لئے تو راجہ بہادر خاں فاروقی خاندیش کا آخری بادشاہ تھا۔لیکن حقیقت میں خاندیش کی حکومت کی خودمختاری 984ھ مطابق 1576ء میں میراں محمد شاہ کے مرتے ہی ختم ہوگئی تھی کیونکہ میراں محمد شاہ کے بعد جو دو بادشاہ ہوئے وہ شہنشاہ اکبر کی منظوری سے تخت پر بٹھادئے گئے تھے۔گویا میراں محمد شاہ کی موت کے بعد ہی سے حکومت خاندیش میں مغل بادشاہوں کا عمل دخل شروع ہوگیا تھا۔

984ھ میں میراں محمد شاہ کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے نابالغ بیٹے حسن خاں فاروقی کو تخت پر بٹھایا۔لیکن میراں محمد شاہ کا بھائی علی خاں جو اس زمانہ میں شہنشاہ اکبر کے خدام میں تھا فوراً آگرہ سے خاندیش پہنچا اور بھتیجے کو معزول کرنے کے بعد خود تخت پر بیٹھ گیا اور اس نے بادشاہ کی بجائے اکبر کے باجگذار اور اطاعت شعار ہونے کے اعتبار سے راجہ کا خطاب اختیار کیا،اسی طرح راجہ علی خاں فاروقی کے مرنے کے بعد بہادر خاں شہنشاہ اکبر کے فرمان کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندیش کے تخت پر بیٹھا، گویا یہ دونوں بادشاہ خاندیش کی حکومت کے خاتمہ سے قبل ہی مغلوں کے مطیع ہو چکے تھے۔ لیکن 1008ھ مطابق 1599ء میں شہنشاہ اکبر نے بہادر شاہ کو معزول کر کے لاہور بھجوا دیا۔ اور خاندیش کو مغلیہ حکومت میں شامل کر لیا۔

کشمیر کی خودمختار اسلامی حکومت

کشمیر جو ہزاروں سال سے ہندوؤں کے زیر حکومت تھا۔ وہاں خودمختار اسلامی حکومت کی بنیاد 747ھ مطابق 1346ء میں شاہ میر نامی ایک ایسے شخص نے رکھی جس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ شاہ میر نے جس زمانہ میں کشمیر میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت کشمیر پر کوتا دیوی نامی ایک ہندو بیوہ رانی حکومت کر رہی تھی مورخوں کا بیان ہے کہ شاہ میر نے پہلے تو کشمیر کی بیوہ رانی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ نکاح کیا، اور اس کے بعد سلطان شمس الدین کے خطاب کے ساتھ کشمیر کا با اختیار بادشاہ بن گیا۔

شاہ میر کون تھا اور اسکا کس خاندان یا قبیلہ سے تعلق تھا۔ اس کا کچھ علم نہیں۔ تاریخ کشمیر کے مطالعہ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے دور حکومت میں 715ھ میں شاہ میر ایک درویش کی حیثیت سے کشمیر میں آیا اور اس درویش کے اثرات رفتہ رفتہ عوام سے گزر کر راجہ کے دربار تک پہنچ گئے چنانچہ راجہ کشمیر نے اس کو اپنے ملازمین خاص کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ اسی زمانہ میں تبت کے راجہ کے بیٹے رنجن نے کشمیر پر حملہ کر کے اسے ویران کر دیا تھا چنانچہ جب کشمیر کا راجہ سندیو مر گیا تو یہی رنجن تبتی کشمیر کے تخت پر قابض ہو گیا۔

راجہ رنجن تبتی نے تخت نشین ہونے کے بعد شاہ میر کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اور شاہ میر کی صحبت کے اثر سے بخوشی اسلام قبول کر لیا، جب رنجن تبتی مر گیا تو اس کا ایک رشتہ دار اودن دیو قندھار سے آکر کشمیر کا راجہ بن گیا۔ راجہ اودن دیو شاہ میر سے خوش نہ تھا، لیکن وہ شاہ میر کے وسیع اثرات کی بنا پر اسے علیحدہ بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن راجہ نے اس طرح چھیڑ چھاڑ شروع کی کہ اس نے یہ حکم دے دیا کہ شاہ میر کے بیٹے دربار میں نہ آئیں۔ وزیر شاہ میر کے چار بیٹے تھے جمشید، علی شیر، سیانک اور ہندال ان چاروں نے راجہ کے اس ذلت آمیز حکم سے مشتعل ہو کر بغاوت برپا کر دی اور کشمیر کے تقریباً تمام پرگنوں پر قبضہ جما لیا، اسی دوران میں راجہ مر گیا، اور اس کی جگہ اس کی بیوہ رانی کوتا دیوی تخت پر بیٹھی، شاہ میر اور اس کے بیٹوں نے رانی کے خلاف فوج کشی کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ رانی نے اطاعت قبول کر لی اور مسلمان ہونے کے بعد شاہ میر سے نکاح کر لیا، رانی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکاح کرنے کے بعد شاہ میر سلطان شمس الدین کے لقب کے ساتھ کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔

کشمیر کی خود مختار اسلامی سلطنت کے بادشاہ :

سلطان شمس الدین یعنی شاہ میر نے کشمیر میں جس خود مختار اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اس پر مندرجہ ذیل مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی ہے۔

(1) کشمیر کی خود مختار اسلامی حکومت کا بانی شاہ میر عرف سلطان شمس الدین (2) سلطان جمشید بن شمس الدین (3) سلطان علی شیر بن شمس الدین (4) سلطان شہاب الدین بن شمس الدین (5) سلطان قطب الدین بن شمس الدین (6) سلطان سکندر بت شکن بن قطب الدین (7) سلطان علی شاہ بن سکندر بت شکن (8) سلطان زین العابدین برادر سلطان علی شاہ (9) سلطان شاہ حیدر بن زین العابدین (10) سلطان شاہ حسن بن شاہ حیدر (11) سلطان محمد شاہ بن شاہ حسن (12) سلطان فتح شاہ بن آدم خاں (13) محمد شاہ بن شاہ حسن دوسری بار (14) سلطان فتح شاہ دوسری بار (15) سلطان محمد شاہ تیسری بار (16) سلطان ابراہیم شاہ بن محمد شاہ (17) سلطان نازک شاہ بن ابراہیم شاہ (18) سلطان محمد شاہ چوتھی بار (19) سلطان شمس الدین ابراہیم شاہ (20) سلطان نازک شاہ دوسری بار (21) سلطان ابراہیم شاہ تیسری بار (22) سلطان اسمٰعیل شاہ برادر ابراہیم شاہ (23) سلطان حبیب شاہ بن اسمٰعیل شاہ (24) سلطان غازی شاہ (25) سلطان حسین شاہ برادر غازی خاں (26) سلطان علی شاہ وکیل حسین شاہ (27) سلطان یوسف شاہ بن علی شاہ۔

کشمیر کی خود مختار حکومت کا خاتمہ :

کشمیر کی خود مختار حکومت جس کی بنیاد 747ھ مطابق 1346ء سلطان شمس الدین عرف شاہ میر نے رکھی تھی تقریباً ڈھائی سو برس تک قائم رہنے کے بعد 996ھ مطابق 1588ء میں مغلیہ حکومت کے حملوں کی تاب نہ لا کر ختم ہو گئی۔ شہنشاہ اکبر نے اس سلطنت کے آخری بادشاہ یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کو اپنے امراء کے زمرہ میں شامل کر لیا اور ان دونوں باپ بیٹوں کو صوبہ بہار میں [illegible]

کشمیر کے خود مختار بادشاہوں میں حکمرانی کی کس قدر صلاحیت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مسلسل ڈھائی سو سال تک کشمیر کی آزادی کو برقرار رکھا اور سخت حملوں کے باوجود کشمیر کو کبھی زیر نہ ہونے دیا۔ کشمیر کے بادشاہوں کی بیشتر تعداد نہایت ہی دیندار تھی۔ چنانچہ انہوں نے تبلیغ اور اشاعت اسلام میں سب سے زیادہ حصہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشمیر کے نوے فیصدی باشندے مسلمان ہیں۔ کشمیر کے باشندوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فطرتاً نہایت جنگجو اور سخت جان واقع ہوئے ہیں اسی لئے وہ ہزاروں سال تک اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکے۔

کشمیریوں کی جرأت اور بہادری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ پٹھانوں کی حکومت ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک اور گجرات سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی تھی اور ہندوستان کا کوئی دور دراز خطہ بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہا تھا یہاں تک کہ کشمیر پر بھی بار بار حملے کئے گئے لیکن بہادر کشمیریوں نے پھر بھی کشمیر کی آزادی کو بدستور برقرار رکھا۔ نہ خلجیوں کی طاقت ان کو ہلا سکی اور نہ تغلقوں کا زور ان کی گردنوں کو جھکا سکا۔ یہ امر واقعہ اور حقیقت ہے کہ اگر کشمیر کے آخری بادشاہ کمزور نہ ہوتے تو شاید نہ مغل کشمیر پر قبضہ جما سکتے اور نہ مغلوں کے جانشین انگریز ہی اس علاقہ میں حکومت کر سکتے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندرہواں باب

دکن کی خودمختار اسلامی حکومتیں

748ھ مطابق 1347ء تا 1018ھ مطابق 1610ء

دکن میں یوں تو بہت سی خودمختار اسلامی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں۔ لیکن چونکہ ان تمام اسلامی حکومتوں کی جڑ اور بنیاد حکومت بہمنی ہے اس لئے اسی حکومت کو دکن کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

دکن کی اس خودمختار اور آزاد اسلامی حکومت کا بانی سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی تھا جس نے کہ 748ھ مطابق 1347ء میں حکومت بہمنی کی بنیاد رکھی۔ قبل اس کے کہ ہم بہمنی حکومت اور دکن کی دوسری اسلامی حکومتوں پر روشنی ڈالیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ بہمنی حکومت کے قیام سے قبل کے ان واقعات پر ہلکا سا تبصرہ کردیں جو ''بہمنی حکومت'' کے عالم وجود میں آنے سے قبل دکن میں رونما ہوتے رہے ہیں۔

دکن ایک ایسا ملک ہے جو شمالی ہند سے کافی دور دراز فاصلہ پر واقع ہے اس لئے جنوبی ہند کی حکومتیں ہمیشہ ان حملہ آوروں سے محفوظ رہی ہیں جو وسط ایشیا سے آنے کے بعد شمالی ہند پر بار بار حملے کرکے ہندوستان کو تاخت وتاراج کرتے رہے ہیں چنانچہ دکن کی اس محفوظ پوزیشن کی بناء پر دکن کے ہندو راجہ ہزاروں برس تک بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ اس علاقہ میں حکومت کرتے رہے اور ان کو کبھی بھی ان دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جن دشواریوں میں کہ شمالی ہند کی حکومتیں آئے دن مبتلا رہتی تھیں۔

دکن پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ :

دکن پر وسط ایشیا سے آنے والے بیرونی حملہ آور تو کیا حملہ کرتے خود ہندوستان کے ان مسلمان بادشاہوں کو فاصلہ کی دوری کی بناپر دکن پر حملہ کرنے کی زمانہ دراز تک جرأت نہ ہوسکی جو شمالی ہند میں ایک مضبوط حکومت کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ چنانچہ شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک سے لے کر جلال الدین خلجی تک کسی مسلمان بادشاہ نے دکن کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، حالانکہ یہ بادشاہ گجرات سے لے کر بنگال تک ہندوستان کا بیشتر حصہ فتح کرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد دہلی کی حکومت کو کافی سے زیادہ وسعت دے چکے تھے اور ان کی طاقت اس قدر مستحکم ہو چکی تھی کہ یہ آسانی کے ساتھ دکن کو فتح کر سکتے تھے۔

ملک دکن کی جانب سب سے پہلے جس حملہ آور نے توجہ کی وہ سلطان جلال الدین کا داماد اور بھتیجا علاء الدین خلجی تھا مگر اس نے بھی دکن کی جانب اس لئے رخ نہیں کیا کہ اس کو دکن کے ملک کی ضرورت تھی بلکہ اس کو ملک کی بجائے اس بے اندازہ دولت کی ضرورت تھی جو ہزاروں برس سے دکن کے خزانہ میں جمع ہو رہی تھی تا کہ وہ اس دولت کے بل پر اپنے چچا جلال الدین خلجی سے حکومت چھین سکے۔ اسے شاید اس دولت کا علم بھی نہ ہوتا۔ اگر اس کے ہندو دوست اور گھر کے بھیدی اسے دکن کی دولت کا راز نہ بتاتے۔ چنانچہ اپنے ہندو دوستوں کے مشورہ پر اس نے دکن پر حملہ کی تیاری اپنے چچا سے چھپ کر اس لئے کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جلال الدین خلجی اس دور دراز فاصلہ کی مہم کی ہرگز اجازت نہیں دے گا۔ علاء الدین خلجی نے دکن کے حملے کے ارادہ کو یہاں تک چھپایا کہ جب 694ھ میں وہ کٹرہ سے لشکر عظیم لے کر دکن کی طرف چلا تو یہی کہتا رہا کہ وہ چندیری کی فتح کے لئے جا رہا ہے۔ لیکن اس کے اصل ارادہ کا اس وقت انکشاف ہوا جب وہ دیوگیر کے راجہ رام دیو کو دکن میں شکستوں پر شکستیں دینے کے بعد اور دکن کو لوٹ کر اتنی بڑی دولت اپنے ساتھ لے کر کٹرہ پہنچ گیا جو کئی سلطنتوں کے خزانوں سے بھی دس گنی اور بیس گنی تھی۔ چنانچہ اسی بے اندازہ دولت کے بل پر اس نے اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کیا اور اسی دولت کو لٹاتا ہوا کٹرہ سے دہلی پہنچا اور دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا۔ یہ تھا دکن پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ اور اس حملے کا سبب۔

دکن پر مسلمانوں کے چند دوسرے حملے:

دیوگیر کی فتح کے بعد وہاں کے راجہ رام دیو نے علاء الدین سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر سال خراج کی رقم دہلی کی سلطنت کو ادا کرتا رہے گا لیکن چونکہ اس نے خراج ادا نہیں کیا تھا، اس لئے سلطان علاء الدین نے جو بادشاہ بن چکا تھا ملک کافور کو دیوگیر کے راجہ کی سرکوبی کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر بھیجا۔ ملک کافور دکن کو فتح کرتا ہوا دیوگیر میں آیا۔ رام دیو نے اطاعت قبول کر لی اور وہ خود دہلی گیا جہاں اس کا اعزاز و احترام ہوا اور سلطان علاء الدین نے اس کے ساتھ یہ فیاضی برتی کہ اس سے اقرار اطاعت لے کر اس کا علاقہ اسے واپس کر دیا اور بطور انعام گجرات کے علاقہ میں سے بھی ایک علاقہ اس کو دے دیا۔ چنانچہ یہ راجہ جب تک زندہ رہا اس نے بادشاہ کی اطاعت سے کبھی منہ نہیں موڑا۔

709ھ مطابق 1309ء میں سلطان علاء الدین نے ملک کافور کو تلنگانہ کی فتح کے لئے بھیجا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مہم میں ورنگل (تلنگانہ) کے راجہ پرتاب راؤ نے اطاعت قبول کر لی اور اس طرح دکن کا بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔ لیکن دو سال بعد جب دیوگیر میں پھر بغاوت رونما ہوئی تو ملک کافور نے دکن جا کر اس بغاوت کو کچل دیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

717ھ مطابق 1317ء میں ملک کافور کے قتل کے بعد جب سلطان مبارک شاہ خلجی دہلی کے تخت پر بیٹھا تو دیوگیر کے نئے راجہ ہرپال نے جو سابق راجہ کا داماد تھا۔ دہلی کی حکومت کے خلاف اعلان بغاوت کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ بادشاہ 719ھ مطابق 1319ء میں خود اس بغاوت کو دبانے کے لئے دکن گیا اور راجہ ہرپال کو گرفتار کر کے اس کی کھال کھنچوائی اور دکن کا انتظام درست کر کے دہلی واپس آ گیا لیکن مبارک شاہ خلجی نے جب اپنے منظور نظر غلام خسرو خاں کو دکن کا وائسرائے بنایا تو خسرو خاں نے دکن کا خودمختار بادشاہ بننے کے لئے جوڑ توڑ شروع کر دیا لیکن امرائے دکن کی کوشش سے وہ ناکام رہا۔

غیاث الدین تغلق کے دور حکومت میں پھر دکن میں بغاوتیں رونما ہونے لگیں۔ تلنگانہ کا راجہ خودمختار ہو گیا اور دیوگیر میں بھی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی جونا تغلق (محمد تغلق) نے ان بغاوتوں کو جا کر دبا دیا۔ تلنگانہ کو فتح کر کے دہلی کی حکومت میں شامل کیا۔ پھر اس نے رجاج نگر کو فتح کیا اور اس کے بعد کافی مدت تک دکن میں امن رہا۔

دکن میں سب سے زیادہ بدنظمی اس زمانہ میں پیدا ہوئی جب محمد تغلق نے دارالسلطنت کو دہلی سے دیوگیر (دولت آباد) منتقل کیا۔ محمد تغلق کی انتہائی کوششوں کے باوجود یہ بغاوتیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ 744ھ مطابق 1344ء میں تلنگانہ اور کرناٹک دہلی کی حکومت سے الگ ہو گئے۔ بیدر اور گلبرگہ میں بغاوتیں برپا ہو گئیں اور اسی زمانہ میں حسن گانگو بہمنی جو امیران صدہ میں سے تھا باغی ہو گیا اور اس نے دوسرے امیران صدہ کے ساتھ مل کر دکن میں ایک خودمختار حکومت کی بنیاد رکھی جو بعد کو سلطنت بہمنی کہلائی۔

دکن میں سلطنت بہمنی کا قیام

حسن گانگو بہمنی جس نے کہ دکن میں سلطنت بہمنی کی بنیاد رکھی اس کی ابتدائی زندگی بڑی عجیب ہے۔ حسن گانگو ابتدا میں دہلی کے ایک منجم گانگوی برہمن کا نوکر تھا۔ اس برہمن کو محمد تغلق کے زمانہ شہزادگی میں اس سے بے حد قرب حاصل تھا۔ اس لئے اس نے حسن کو بادشاہ کے ہاں ملازم کرا دیا، جہاں وہ ترقی کرتے کرتے امیران صدہ کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ بعض مورخوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شہزادہ تغلق حضرت نظام الدین اولیاء کی دعوت میں شرکت کے بعد جب چلا گیا اور حسن گانگو وہاں پہنچا تو حضرت نے فرمایا کہ ''ایک بادشاہ تو گیا اور دوسرا آیا'' اور اس کے بعد حسن گانگو سے کہا کہ تجھ کو ایک دن دکن کی بادشاہت ملے گی۔ بس اسی دن سے حسن گانگو کے دماغ میں دکن کا بادشاہ بننے کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ جب سلطان محمد تغلق نے امیران صدہ کا قتل عام شروع کیا تو دکن کے تمام امیران صدہ نے محمد تغلق کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہوئے حسن گانگو کو اپنا سردار بنالیا۔ حسن گانگو نے سردار بننے کے بعد ایک بڑی جمعیت فراہم کرلی۔ اس جمعیت کے ذریعہ سلطان محمد تغلق کے تمام عمال کو شکست دینے اور قتل کرنے کے بعد 748ھ مطابق 1347ء میں دکن کا بادشاہ بن گیا۔ پھر سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی نے گلبرگہ کو دارالسلطنت بنایا۔ محکمہ مال اپنے آقا گانگو برہمن کے سپرد کیا۔ جو دہلی سے دکن آ گیا تھا اور تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کردیا۔ چنانچہ بہت تھوڑی مدت میں سلطان حسن گانگو دکن کے اس تمام علاقہ پر قابض ہو گیا جو شاہان تغلق کے پاس تھا۔

دکن کی حکومت پر قابض ہونے کے بعد سلطان حسن گانگو بہمنی کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ دہلی، مالوہ، گجرات اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں کو فتح کرلے لیکن اس مہم کی تیاریوں میں وہ مصروف تھا کہ بیمار ہو گیا اور 5 ربیع الاول 759ھ مطابق 1358ء کو بعمر 67 سال اس کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے پیچھے دکن میں مسلمانوں کی ایک ایسی خود مختار حکومت بنا کر چھوڑ گیا جو تقریباً دو سو سال سارے جنوبی ہند میں اسلامی سطوت کا ڈنکا بجاتی رہی۔

سلطنت بہمنی کے خودمختار بادشاہ :

سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ بہمنی دکن کے تخت پر بیٹھا۔ یہ نہایت ہوشمند بادشاہ تھا جس نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلے تو نظام حکومت کو اور زیادہ چست کیا اور اس کے بعد فوج میں اضافہ کرنے کے بعد اس کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔ یہ دکن کا پہلا بادشاہ ہے جس نے کہ شاہی مہر کے ساتھ دکن میں سونے کے سکے رائج کئے۔ اس بادشاہ کی پڑوسی ہندو حکومتوں سے یعنی حکومت وجیا نگر اور تلنگانہ سے برابر چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ وجیا نگر اور تلنگانہ کی حکومتیں اس جدید اسلامی حکومت کی بہت بڑی دشمن تھیں۔ چنانچہ سلطان محمد شاہ کے دور حکومت میں سلطنت بہمنی اور وجیا نگر میں ایسی خوفناک جنگ ہوئی کہ لاکھوں انسانوں کا کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی۔ اس بادشاہ نے ملکی اصلاحات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ یہ بادشاہ اگرچہ خود شراب پیتا تھا لیکن اس نے شراب کی فروخت کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ یہ بادشاہ 772ھ مطابق 1373ء میں فوت ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجاہد شاہ : سلطان محمد شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا مجاہد شاہ بہمنی تخت پر بیٹھا۔اس بادشاہ نے راجہ کشن والی وجیانگر سے کچھ سرحدی قلعے طلب کیے جو راجہ نے دینے سے انکار کیا۔اس پر دونوں حکومتوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔اس جنگ میں راجہ وجیانگر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔اس لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد جب مجاہد شاہ گلبرگہ آیا تو بادشاہ کے چچا داؤد نے 17 ذی الحجہ 779ھ مطابق 1378ء کو اسے قتل کرادیا۔اس نے تین سال حکومت کی۔بت پرستی اور بت خانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔

داؤد شاہ : بھتیجے کو قتل کرانے کے بعد داؤد شاہ تخت پر بیٹھا۔لیکن مجاہد شاہ کے قتل کی وجہ سے سارے ملک میں شورش پھیل گئی۔مجاہد شاہ کی بہن نے داؤد خاں کو نماز پڑھتے ہوئے جامع مسجد میں قتل کرادیا۔

محمود شاہ بہمنی : داؤد شاہ کے قتل ہونے کے بعد اس کا بھائی محمود شاہ بہمنی گلبرگہ کے تخت پر بیٹھا۔یہ بڑا علم دوست اور دیندار بادشاہ تھا۔اس نے حافظ شیرازی کو دکن آنے کی دعوت دی۔ جب حافظ شیرازی کسی وجہ سے نہ آسکے تو ان کو ایک لاکھ اشرفیاں بھجوادیں۔21 رجب 799ھ مطابق 1317ء کو یہ بادشاہ تپ محرقہ میں مبتلا ہونے کے بعد فوت ہوگیا۔اس نے 20 سال حکومت کی۔

غیاث الدین بہمنی : سلطان محمود شاہ کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین بہمنی 17 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن اس کا ترکی غلام نغلچین جو بڑا با اثر تھا محض اس لئے اس کا دشمن ہوگیا کیونکہ غیاث الدین نے اس کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ دینا پسند نہیں کیا تھا۔غلام نغلچین نے بادشاہ کی آنکھیں نکال دیں اور اسے قلعہ ساغر میں قید کردیا۔

شمس الدین بہمنی : نغلچین غلام جو غیاث الدین کی ماں سے خاص رابطہ رکھتا تھا اور بادشاہ گر بنا ہوا تھا، اس نے غیاث الدین کو اندھا کرنے کے بعد غیاث الدین کے چھوٹے بھائی شمس الدین کو 15 سال کی عمر میں تخت پر بٹھادیا اور خود قلمدان وزارت سنبھال لیا۔نغلچین کی ان حرکتوں کی وجہ سے امرائے سلطنت اور شاہی خاندان میں نغلچین، سلطان شمس الدین اور اس کی ماں کے خلاف بری طرح نفرت پھیل گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ داؤد شاہ کے بیٹے فیروز شاہ نے امراء سلطنت سے ساز باز کرکے سلطان شمس الدین اور نغلچین غلام دونوں کو محل کے اندر جاکر گرفتار کرلیا۔شمس الدین کو اندھا کردیا گیا اور نابینا غیاث الدین کے ہاتھ سے نغلچین غلام کو قتل کرایا گیا۔

فیروز شاہ بہمنی : سلطان شمس الدین کے بعد 800ھ مطابق 1398ء میں فیروز شاہ گلبرگہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تخت پر بیٹھا۔اس کے زمانہ میں قلعہ نیکا پور اور مملکت تلنگانہ نے سلطنت بہمنی کی اطاعت قبول کر لی۔وجیا نگر کے راجہ سے فیروز شاہ کی بھی کئی لڑائیاں ہوئیں جس میں کہ فیروز شاہ کو نہ صرف فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ رائے وجیانگر نے اپنی لڑکی کی شادی بھی فیروز شاہ سے کردی۔اس نے ریاست گونڈوانہ کے راجہ کو بھی مطیع کر لیا اور اس کی بیٹی سے بھی شادی کر لی۔لیکن 825ھ بمطابق 1422ء میں جبکہ فیروز شاہ ضعیف ہوگیا تو اس کے بھائی امیر احمد خاں نے حکومت پر قبضہ جمالیا۔ فیروز شاہ 25 سال حکومت کرنے کے بعد 15 شوال 825ھ مطابق 1422ء کو رحلت کر گیا۔یہ خود بھی عالم تھا اور علماء کا بے حد قدر دان تھا۔اس کے دربار میں دور دراز کے ممالک کے علوم کا ہجوم رہتا تھا کبھی کبھی شراب بھی پی لیتا تھا۔عورتوں کا بے حد دلدادہ تھا۔اس نے اپنے محل میں دنیا کے ہر حصہ کی خوبصورت عورتیں جمع کر رکھی تھیں۔اس بادشاہ کی عورتوں سے دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک دن میں آٹھ سو عورتوں سے متعہ کیا تھا۔

احمد شاہ بہمنی : امیر احمد خاں 825ھ مطابق 1422ء دکن کے تخت پر بیٹھا تو اس نے احمد شاہ بہمنی کا لقب اختیار کیا۔احمد شاہ کو تخت نشینی کے فوراً ہی بعد والی وجیانگر سے جنگ کرنی پڑی اس جنگ میں احمد شاہ کو فتح حاصل ہوئی اور والی وجیانگر باجگزار بن گیا۔اس کے بعد بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔والی گجرات اور شاہ دکن میں بھی خوفناک لڑائی ہوئی۔جس سے کہ دونوں کو شدید نقصان پہنچا۔علماء نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی۔اس بادشاہ نے احمد آباد بیدر آباد کیا اور بارہ سال حکومت کرنے کے بعد 838ھ مطابق 1435ء میں فوت ہوگیا۔

علاء الدین بہمنی : سلطان احمد شاہ کے بعد احمد آباد بیدر میں اس کا بیٹا سلطان علاء الدین تخت نشین ہوا،اس بادشاہ کے خلاف سب سے پہلے اس کے بھائی شہزادہ محمد خاں نے بغاوت کی۔ بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اس کے بعد سلطان کے خسر نصیر خاں نے علم بغاوت بلند کیا،مگر اسے بھی شکست ہوئی۔رائے وجیانگر سے اس بادشاہ کی بھی خوفناک لڑائی ہوئی۔اس لڑائی میں رائے وجیانگر نے مسلمانوں کی فوج بھرتی کر کے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔مگر پھر بھی رائے وجیانگر کو شکست ہوئی۔سلطان علاء الدین ہی کے عہد حکومت میں دکنی اور غیر دکنی کا فتنہ کھڑا ہوا،اس فتنہ میں بے شمار دکنی اور غیر دکنی مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔سلطان علاء الدین 24 سال حکومت کرنے کے بعد 862ھ مطابق 1458ء میں فوت ہوگیا۔یہ ایک علم دوست بادشاہ تھا جس کے گرد علماء کا ہجوم رہتا تھا۔عورتوں کا بے حد دلدادہ تھا۔اس نے اپنے حرم میں مختلف ممالک کی ایک ہزار خوبصورت عورتیں جمع کر رکھی تھیں۔رائے سنکسیر کی لڑکی "زیبا چہرہ" جس کو کہ مسلمان کر کے اس نے بیگم بنالیا تھا۔اس پر یہ بادشاہ دم و دیوانہ تھا۔یہ خود تو شراب پیتا تھا مگر رعایا کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شراب نوشی کو اس نے جرم قرار دے دیا تھا۔ گداگری کی لعنت کا یہ بادشاہ سب سے بڑا مخالف تھا۔

ہمایوں بہمنی : سلطان علاء الدین نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ہمایوں کو جو "شاہ ظالم" کے نام سے مشہور تھا ولی عہد بنا دیا تھا۔ بادشاہ کے مرتے ہی نظام الملک دولت آبادی وکیل سلطنت اور اس کا بیٹا اس "ظالم شاہ" کے خوف سے بھاگ گئے۔ "ہمایوں شاہ ظالم" جب تخت پر بیٹھا تو اس نے ساری حکومت میں ردّ و بدل کر ڈالا۔ پرانے امرائے سلطنت کو یا تو قید کر دیا، یا نکال دیا۔ اس کے بعد احمد آباد بیدر میں پہنچ کر قتل عام کیا۔ اس بادشاہ کے ظلم و ستم نے بہمنی حکومت سے عوام کو متنفر کر دیا تھا اور اس کی بے عقلی کی وجہ سے بغاوتیں بھی جا بجا رونما ہو گئی تھیں۔ یہ رعایا کی بہو بیٹیوں کو پکڑوا کر بلواتا تھا اور ان کے ساتھ بالجبر منہ کالا کرتا تھا۔ جب اس کے مظالم حد سے زیادہ بڑھے تو محل کی حبشی عورتوں نے سازش کی اور اسے لاٹھیاں مار مار کر 865ھ مطابق 1461ء میں ختم کر دیا، یہ کل تین سال حکومت کر سکا، مگر تین سال ہی میں ملک کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

نظام شاہ بہمنی : "ہمایوں شاہ ظالم" کے بعد اس کا آٹھ سالہ لڑکا نظام شاہ بہمنی تخت پر بیٹھا۔ چونکہ یہ بادشاہ کم عمر تھا اس لئے چاروں طرف سے مختلف ممالک نے حکومت بہمنی پر یورش کر دی۔ اس بادشاہ کو سب سے پہلے اڑیسہ اور تلنگانہ سے جنگ کرنی پڑی جس میں فتح ہوئی اس کے بعد سلطان مالوہ نے دکن پر حملہ کر دیا جس سے کہ اس بادشاہ کو بے حد نقصان اٹھانا پڑا۔ نظام شاہ صرف دو سال اور ایک ماہ حکومت کرنے کے بعد 876ھ مطابق 1463ء میں مر گیا۔

محمد شاہ بہمنی دوم : نظام شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی محمد شاہ نو سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس نو عمر بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی وہ تمام انتظامی خرابیاں دور کر دیں جو اس کے باپ اور بھائی کے دور میں پیدا ہو چکی تھیں اگر سچ پوچھا جائے تو محمد شاہ پر ہی حکومت بہمنی ختم ہو گئی۔ اس کی حکومت کو محمد گوان جیسے لائق وزیر کی وجہ سے بہت تقویت پہنچی۔ اس نے پڑوسی حکومتوں کو زیر کیا اور دشمنوں کو بری طرح کچلا۔ اس کی فتوحات میں یوسف عادل شاہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ حکومت کے آخری دنوں میں یہ شراب نوشی کا بے حد عادی ہو گیا تھا چنانچہ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے 887ھ مطابق 1482ء میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس بادشاہ نے 20 سال حکومت کی۔

محمود شاہ بہمنی دوم : محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ بادشاہ بنا اس نے نظام الملک بحری کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یوسف عادل شاہ بھی اس کے درباریوں میں تھا۔ لیکن جب اس کے قتل کے لئے مخالف امراء نے بادشاہ کو ابھارا تو وہ بھاگ کر بیجاپور چلا گیا۔ محمود شاہ بہمنی برائے نام بادشاہ تھا۔ ساری حکومت درحقیقت امیر برید کے ہاتھ میں تھی۔ 37 سال حکومت کرنے کے بعد یہ بادشاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

924ھ مطابق 1518ء میں فوت ہوگیا۔اس کی حکومت میں بہمنی حکومت میں چار فریق بن گئے۔ ترکی، حبشی، دکنی، مغل۔ یہ چاروں آپس میں کٹے مرے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہمنی حکومت جو دکن کی سب سے مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی اس کے پانچ ٹکڑے ہوگئے اور یہ حکومت پانچ مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوگئی۔

احمد شاہ بہمنی : محمود شاہ کے مرنے کے بعد امیر برید نے محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ کو تخت پر بٹھایا۔امیر برید خود حکومت کرتا رہا۔اس نے بادشاہ کو شراب نوشی کا عادی بنادیا تھا، احمد شاہ کی شراب نوشی کا خرچ اتنا زیادہ تھا کہ جو کچھ اسے ملتا تھا وہ کافی نہیں ہوتا تھا۔اس لئے اس بادشاہ نے حکومت بہمنی کا تاج شراب نوشی کے لئے چار لاکھ میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے فروخت کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد 927ھ مطابق 1521ء میں زہر سے ہلاک کردیا گیا۔

علاء الدین بہمنی دوم : امیر برید نے احمد شاہ کے مرنے کے بعد احمد شاہ کے بیٹے علاء الدین کو تخت پر بٹھایا۔اس بادشاہ نے شراب سے پرہیز کیا۔جب بادشاہ نے امیر برید کو اپنے راستہ سے ہٹانا چاہا تو اس نے بادشاہ کو معزول کر کے 929ھ مطابق 1523ء میں قید کردیا۔

ولی اللہ بہمنی : امیر برید نے علاء الدین کو قید کرنے کے بعد سلطان محمود کے بیٹے ولی اللہ شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ یہ بادشاہ تین سال تک امیر برید کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔امیر برید اسے محل میں قید رکھتا تھا،اس کی بیوی پر بھی اس نے قبضہ جما لیا تھا۔آخر امیر برید نے 931 مطابق 1526ء میں اس بادشاہ کو بھی قتل کردیا۔

کلیم اللہ بہمنی : ولی اللہ شاہ کے بعد کلیم اللہ بہمنی تخت پر بیٹھا۔لیکن حکومت بہمنی تقریباً ختم ہوچکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بابر نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔کلیم اللہ بہمنی نے اپنی امداد کے لئے بابر کو لکھا۔مگر چونکہ بابر کی حکومت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی اس لئے اس نے دکن کی جانب توجہ نہ کی۔ چند سال کی برائے نام حکومت کے بعد جب کلیم اللہ بہمنی 936ھ مطابق 1531ء میں فوت ہوا تو بہمنی حکومت ختم ہوچکی تھی۔کلیم اللہ شاہ حکومت بہمنی کا برائے نام آخری بادشاہ تھا۔بہمنی خاندان نے دکن میں پونے دوسو سال حکومت کی اس سلطنت کے تخت پر اٹھارہ بادشاہوں نے جلوس کیا۔

حکومت بہمنی کے خاتمہ کے بعد یہ حکومت ان پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ (1) حکومت عادل شاہیہ (2) حکومت نظام شاہیہ (3) حکومت قطب شاہیہ (4) حکومت عماد شاہیہ (5) حکومت برید شاہیہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت عادل شاہی بیجاپور

سلطنت عادل شاہی کی بنیاد 896ھ مطابق 1490ء میں سلطان یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں رکھی تھی۔ بیجاپور حکومت بہمنی کا وہ صوبہ تھا جو شمال میں احمد نگر سے مشرق میں بیدر سے اور جنوب میں ریاست وجیانگر سے ملا ہوا تھا اور مغرب میں گوا سے لے کر ڈھائی سو میل شمال تک سمندر سے متصل تھا۔

بیجاپور کی خودمختار اسلامی حکومت کا بانی یوسف عادل شاہ ایک ترک غلام تھا جس کو سلطنت بہمنی کے بارہویں بادشاہ سلطان نظام شاہ نے خریدا تھا۔ یوسف عادل شاہ بادشاہ کے غلاموں کے زمرہ میں شامل ہونے کے بعد پہلے میر آخور بنا اس کے بعد امیران صدہ کا اعزاز اس کو دیا گیا پھر اسے شاہی اصطبل کا داروغہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد عادل شاہ نظام الملک کے پاس چلا گیا، جب نظام الملک کو برار کا انتظام سپرد کیا گیا تو اس نے یوسف عادل شاہ کو پانصدی امراء کا درجہ دے دیا اور اسے عادل خاں کا خطاب ملا۔ نظام الملک کے جنگ میں مارے جانے کے بعد یوسف عادل شاہ نے جو بے نظیر فوجی خدمات انجام دی تھیں ان کے صلہ میں اسے بادشاہ نے بیجاپور کا گورنر بنا دیا بیجاپور کی عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی یوسف عادل شاہ نے اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھایا اور بڑی قابلیت کے ساتھ بیجاپور کا انتظام کیا۔ سلطان محمود شاہ بہمنی دوم کے آخری دور حکومت میں جبکہ بہمنی حکومت کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ یوسف عادل شاہ نے مغلوں اور ترکوں کو زیادہ سے زیادہ بیجاپور کے عہدوں پر مامور کر کے اور ان کو فوج میں بھرتی کرنے کے بعد اپنی پوزیشن کو بیجاپور میں اچھی طرح مضبوط کر لیا اور جب اس نے دیکھا کہ بہمنی حکومت لب دم ہے تو 896ھ مطابق 1490ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور بیجاپور میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ غرضیکہ اس طرح اس ترکی غلام نے اپنے تدبر اور زور بازو سے بیجاپور میں ایک نئی خودمختار اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو عادل شاہیہ حکومت کے نام سے مشہور ہوئی۔

سلطان عادل شاہ کی فتوحات :

سلطان یوسف عادل شاہ نے خودمختار بادشاہ بننے کے بعد سب سے پہلے ان اہم قلعوں کو فتح کیا جو بہمنی حکومت کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ قاسم برید ترک جو زمانہ دراز سے بیجاپور میں اپنی بادشت قائم کرنے کی فکر میں تھا، جب اس نے دیکھا کہ یوسف عادل شاہ وہاں کا بادشاہ بن گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اس نے سلطنت بہمنی کے پرانے ہندو دشمنوں کو عادل شاہ کے خلاف ابھارا اور وجیانگر کے راجہ کو ترغیب دے کر بیجاپور کی عادل شاہیہ حکومت پر حملہ کرادیا۔ لیکن یوسف عادل شاہ نے لشکر کی کمی کے باوجود محض اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بناء پر وجیانگر کی حکومت کو شکست دے دی اور اس طرح یوسف عادل شاہ کی دھاک سارے جنوبی ہندوستان میں قائم ہوگئی۔ وجیانگر کی فتح کے بعد عادل شاہ نے قلعہ جام کھنڈی کو فتح کیا، دستور دینار حبشی کو شکست دے کر قتل کیا۔ غرضیکہ یوسف عادل شاہ نے ایک ایک کر کے اپنے تمام مخالفین پر فتح حاصل کرلی۔ جب اسے ملکی معاملات سے فرصت ہوئی تو اس نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے بعد بیجاپور کے علاقہ میں شیعہ مذہب کی خوب تبلیغ کی۔ لیکن اس نے اپنی حکومت میں شیعہ سنی کے فتنہ کو کبھی نہ ابھرنے دیا۔ یوسف عادل شاہ کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ جب اسے معلوم ہوا کہ پرتگیزوں نے گووا کے قلعہ پر قبضہ جمالیا ہے تو یہ فوراً گووا پہنچا اور 915ھ میں پرتگیزوں کو قتل کرنے کے بعد یہ اہم قلعہ دوبارہ فتح کرلیا۔ یوسف عادل شاہ بیس سال بیجاپور پر حکومت کرنے کے بعد 916ھ میں فوت ہو گیا اور اپنے جانشینوں کے لئے بیجاپور کی ایک نہایت مضبوط اور خود مختار حکومت بنا کر چھوڑ گیا۔ اس کی بیوی ایک نومسلم مرہٹہ عورت تھی، ولی عہد اسمٰعیل اسی مرہٹہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس بادشاہ کا سلوک غیر مسلموں کے ساتھ بالکل برادرانہ تھا۔ اس نے مرہٹہ زبان کو حکومت کی زبان قرار دے دیا تھا۔

بیجاپور کے خودمختار مسلمان بادشاہ :

بیجاپور کی خودمختار عادل شاہیہ حکومت پر ان بادشاہوں نے فرمانروائی کی ہے۔ (1) سلطان یوسف عالدشاہ بانی حکومت عادل شاہیہ نے 896ھ مطابق 1490ء میں خودمختاری کا اعلان کیا۔ (2) سلطان اسمٰعیل عادل شاہ بن یوسف عادل شاہ 916ھ مطابق 1510ء میں تخت پر بیٹھا۔ (3) سلطان ملو عادل شاہ بن اسمٰعیل عادل شاہ 941ھ مطابق 1534ء میں بادشاہ ہوا۔ (4) سلطان ابراہیم عادل شاہ برادر ملو عادل شاہ 941ھ مطابق 1534ء میں تخت پر بیٹھا۔ (5) سلطان علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ 965ھ مطابق 1557ء میں بادشاہ بنا۔ (6) سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی بن بھتیجہ علی عادل شاہ 988ھ مطابق 1580ء میں تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطنت عادل شاہیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ اس خاندان نے بیجاپور پر تقریباً سو سال حکومت کی ہے۔

عادل شاہی حکومت کے چند اہم واقعات :

بیجاپور کے بادشاہوں کے دور حکومت میں جو اہم واقعات رونما ہوئے وہ یہ ہیں۔ سلطان اسمٰعیل عادل شاہ کے زمانہ میں حبشیوں اور دکنیوں کو شاہی ملازمت سے نکال دیا گیا، امیر برید نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیجا پور پر حملہ کیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ کو راجہ وجیا نگر کے مقابلہ پر شکست ہوئی۔ ایران کے سفیر بیجا پور کی حکومت میں آئے، برہان نظام شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ میں خوفناک جنگ ہوئی۔ نلکنڈہ پر فوج کشی کی گئی، برہان نظام شاہ نے دوبارہ حملہ کیا اور ابراہیم عادل شاہ سے اس کی جنگ ہوئی۔ ابراہیم عادل شاہ نے سنی مذہب اختیار کرلیا۔ لیکن علی عادل شاہ پھر شیعہ ہوگیا۔ نظام شاہیوں سے علی عادل شاہ کی جنگ ہوئی۔ علی عادل شاہ نے جدید فتوحات کے ذریعہ اپنی مملکت کو وسعت دی۔ علی عادل شاہ نے بنکاپور فتح کیا، ابراہیم عادل شاہ کے دور میں امرائے سلطنت میں خانہ جنگی برپا ہوئی۔ بہزاد الملک نے بیجاپور پر حملہ کیا۔ بیبار کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ ابراہیم نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ کے بعد عادل شاہیہ خاندان کا اقتدار رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا گیا اور مغلوں نے بیجاپور پر حملے شروع کردیئے۔ بیجاپور پر مغلوں نے سب سے پہلا حملہ 1044ھ مطابق 1635ء میں کیا تھا۔ 1065ھ مطابق 1655ء میں سیواجی کے حملوں سے بھی بیجاپور کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ 1096ھ مطابق 1685ء میں شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا اور بیجاپور کے بادشاہ کو قید کرلیا۔ اس کے بعد بیجاپور کی سلطنت حکومت مغلیہ میں شامل ہوگئی۔

سلطنت نظام شاہی احمد نگر

دکن میں احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کا بانی ملک احمد نظام شاہ بحری ہے۔ جس نے کہ 896ھ مطابق 1490ء میں خودمختاری کا اعلان کرکے اپنا خطبہ پڑھوایا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور خطبہ میں سے سلطنت بہمنی کے بادشاہ کا نام نکلوادیا۔ سلطنت احمد نگر 895ھ مطابق 1489ء تک بہمنی حکومت کا ایک صوبہ تھا لیکن 896ھ مطابق 1490ء میں یہ ایک خودمختار اسلامی حکومت بن گئی جو شمال میں خاندیش سے ملی ہوئی تھی۔ مشرق میں اس کی سرحدیں برار اور بیدر سے ملتی تھیں۔ اس کے جنوب میں بیجاپور کی حکومت تھی اور مغرب میں سمندر کا وہ ساحلی علاقہ تھا جو آج کل صوبہ بمبئی میں شامل ہے۔

نظام شاہی حکومت کا بانی ایک نومسلم :

نظام شاہی حکومت کا بانی احمد شاہ ایک نومسلم برہمن تھا جس کا اصلی نام بھیما بھٹ تھا۔ بھیما بھٹ کا باپ بھیروں برہمن محمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں وجیا نگر میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیجا پور آنے کے بعد یہ دونوں باپ بیٹے یعنی بھیروں برہمن اور بہیا بھٹ مسلمان ہو گئے۔ بھیروں برہمن کا نام ملک حسین رکھا گیا اور بھیروں بھٹ کا نام ملک احمد تجویز کیا گیا۔ ملک حسین بھیروں جس کا شمار شاہی غلاموں میں تھا۔ ہندی کی نوشت وخواند میں بڑا قابل تھا۔ اس لئے سلطان محمد شاہ بہمنی نے اس کو اپنے بیٹے محمود شاہ بہمنی کے حوالے کر دیا تا کہ وہ ہندی کی نوشت وخواند کا کام اس سے لیتا رہے۔ ملک حسین بھیروں بڑا ذہین تھا، اس نے چند روز ہی میں شہزادہ کے ساتھ رہنے کے بعد فارسی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا اور یہ شہزادہ محمود شاہ بہمنی کا میر منشی بن گیا۔ شہزادہ کو چونکہ بھیروں کا تلفظ ادا کرنے میں وقت ہوتی تھی اس لئے وہ ملک حسین بھیروں کو ملک حسین بحری کہنے لگا اور اس کا یہی نام پڑ گیا۔

ملک حسین بحری کو رفتہ رفتہ دربار میں کافی عزت اور رسوخ حاصل ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کو نظام الملک بحری کا خطاب عطا کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی تلنگانہ کی حکومت بھی اس کو دے دی گئی۔ جب خواجہ جہاں مر گیا تو اسے نائب سلطنت کا عہدہ مل گیا اور ملک نائب کا خطاب ملا۔ اس کے علاوہ اسے سپہ سالار بھی بنا دیا گیا۔ سلطان محمد شاہ کے مرنے کے بعد جب سلطان محمود بہمنی تخت پر بیٹھا تو اس نے ملک نائب نظام الملک بحری یعنی ملک حسین بحری کو وکیل سلطنت کے عہدہ پر مامور کر دیا اور اس کی جاگیر میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ نظام الملک بحری نے تمام جاگیر اپنے بیٹے ملک احمد کے حوالہ کر دی اور اسے جیز کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

احمد نظام شاہ بحری کی خودمختاری :

ملک احمد (احمد نظام شاہ بحری) نے جیز کی حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے ان مرہٹوں کو زیر کیا جو بہمنی حکومت کے اکثر علاقوں پر قابض تھے اور بیر کا قلعہ فتح کر کے ان سے پانچ سال کا خراج وصول کیا اس کے بعد قلعہ جوند، لوہ گڑھ، تونگ، کورے تکونہ، کندہانہ، پورفدہر، بھروپ، جودھن، مرنجن، گھرورگ ماہولی، پالیکو اور پورے کانکن پر بزور شمشیر قبضہ جمالیا۔ ان فتوحات کے بعد ملک احمد قلعہ ڈنڈراج کی تسخیر میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ حکومت بہمنی کے امرائے سلطنت نے اس کے باپ نظام الملک بحری کو قتل کرا دیا۔ اس اطلاع کے ملتے ہی وہ حکومت بہمنی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جیز میں آنے کے بعد احمد شاہ نظام الملک کا لقب اختیار کر کے 896ھ مطابق 1490ء میں اپنی خودمختاری اور بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ظریف الملک افغان کو امیر الامراء کا عہدہ دیا۔ نصیر الملک گجراتی کو امیر جملہ بنایا اور اپنی نوزائیدہ حکومت کو مضبوط بنانے کے کام میں مصروف ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمود بہمنی نے جب یہ سنا کہ احمد شاہ سلطنت بہمنی کا علاقہ دبانے کے بعد خودمختار ہو گیا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے احمد شاہ کو زیر کرنے کے لئے بار بار لشکر کشی کی لیکن بہمنی فوجوں کو ہر مرتبہ احمد شاہ کے مقابلہ میں شکست اور ناکامی ہوئی۔ چنانچہ احمد شاہ کے ہاتھ سے بہمنی فوج کے بڑے بڑے افسر مثلاً شیخ مودی، زین الدین علی، جہانگیر خاں، سید اسحق، سید لطیف اللہ، نظام خاں اور فتح اللہ خاں مقتول ہوئے۔ اس کے علاوہ احمد شاہ جرأت کر کے احمد آباد بیدر میں بھی جا گھسا اور اپنے باپ کے تمام متعلقین کو جیز لے آیا۔ اس کے بعد احمد نظام شاہ بحری نے جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ بندر اندراج پوری کو فتح کر لیا اور قلعہ دولت آباد پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔

شہر احمد نگر کی تعمیر:

شہر "احمد نگر" جس کے نام سے کہ احمد نظام شاہ کی یہ حکومت مشہور ہوئی۔ اس کی بنیاد اسی بادشاہ نے دولت آباد کے قریب سین ندی کے کنارے رکھی تھی۔ یہ شہر دو تین سال کے اندر اندر بہت بڑا شہر بن گیا، احمد نظام شاہ ہر سال فصل کے کٹنے کے بعد احمد نگر سے دولت آباد پر حملہ کرتا تھا اور اس نے دولت آباد کو بالکل اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے "احمد نگر" کو دولت آباد کے قریب تعمیر ہی اسی لئے کیا تھا کہ وہ یہاں سے آسانی کے ساتھ دولت آباد پر حملے کر سکے۔ غرضیکہ احمد نظام شاہ نے "احمد نگر" کی حکومت کو اس قدر مستحکم بنا لیا کہ بڑی بڑی حکومتیں بھی اس سے دبنے لگیں۔ احمد نظام شاہ بحری 914ھ مطابق 1508ء میں بیمار ہونے کے بعد فوت ہو گیا۔

احمد نگر میں شمشیر زنی کا شوق:

احمد نظام شاہ بحری کو سب سے زیادہ شمشیر زنی کا شوق تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں احمد نگر کی حکومت میں عوام میں شمشیر زنی کا ایسا شوق پھیلا کہ ہر گلی اور کوچہ میں شمشیر بازی کے اکھاڑے کھل گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس حکومت کی رعایا میں ذرا ذرا سی بات پر تلوار چل جاتی تھی۔ احمد نظام شاہ مشرق کا پہلا بادشاہ ہے جس کے دور حکومت میں لوگوں کو "یلیک" کی اجازت تھی۔ جس کے ذریعہ دو آدمی تلوار چلا کر کسی معاملہ میں بھی اپنا فیصلہ خود کر سکتے تھے۔ یعنی "ڈوئل" کی عام اجازت تھی۔ رفتہ رفتہ یلیک یعنی ڈوئل کی یہ رسم احمد نگر کے بعد سارے دکن میں پھیل گئی اور اس کو بہادری کا جزو سمجھا جانے لگا۔ احمد نظام شاہ نہایت نیک طینت اور پاکباز بادشاہ تھا۔ کسی غیر عورت پر نظر اٹھانا یہ بدترین گناہ خیال کرتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احمد نگر کے خود مختار بادشاہ:

احمد نگر کی خود مختار نظام شاہی حکومت میں جن بادشاہوں نے فرمانروائی کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ (1) احمد نظام شاہ بحری بانی حکومت احمد نگر 896ھ مطابق 1490ء سے 914ھ مطابق 1508ء تک۔ (2) برہان نظام شاہ بحری بن احمد نظام شاہ 914ھ مطابق 1508ء سے 961ھ مطابق 1553ء تک۔ (3) حسین نظام شاہ بحری بن برہان نظام شاہ 961ھ مطابق 1553ء سے 972ھ مطابق 1564ء تک۔ (4) مرتضٰی نظام شاہ بحری بن حسین نظام شاہ 972ھ مطابق 1564ء سے 996ھ مطابق 1588ء تک (5) میراں حسین نظام شاہ بحری بن مرتضٰی نظام شاہ 996ھ مطابق 1588ء سے 997ھ مطابق 1589ء تک (6) اسمٰعیل نظام شاہ بحری بن برہان نظام شاہ 997ھ مطابق 1589ء سے 999ھ سے 1591ء تک (7) برہان نظام شاہ بحری دوم بن حسین نظام شاہ 999ھ مطابق 1591ء سے 1003ھ مطابق 1595ء تک (8) ابراہیم نظام شاہ بحری بن برہان نظام شاہ 1003ھ مطابق 1595ء سے 1004ھ مطابق 1596ھ تک۔

ابراہیم نظام شاہ بحری کے بعد یوں تو اور کئی بادشاہ احمد نگر کے تخت پر بیٹھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظام شاہی حکمرانوں کا خاتمہ ابراہیم نظام شاہ بحری کے عہد حکومت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس بادشاہ کے بعد جو بادشاہ بھی تخت پر بیٹھے یا تو وہ مجہول النسب تھے یا ان کو وقتی ضرورت کے لئے امرائے سلطنت نے تخت پر بٹھا دیا تھا بس ان کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہوں سے زیادہ نہ تھی مثلاً احمد شاہ بن طاہر جو ابراہیم نظام شاہ بحری کے بعد تخت پر بٹھایا گیا اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون تھا اور کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس بادشاہ کے ہوتے ہوئے بعض امرائے سلطنت نے موتی شاہ مجہول النسب کی بادشاہی کا بھی اعلان کر دیا۔ ان دو بادشاہوں کے علاوہ ایک تیسرا بادشاہ علی بن برہان شاہ بھی ستر برس کی عمر میں تخت کا دعویدار بن گیا تھا اور امراء سلطنت کا ایک حصہ اسی کو بادشاہ مانتا تھا۔ غرضیکہ ایک ہی وقت میں احمد شاہ موتی شاہ، علی بن برہان شاہ، تین بادشاہ اس حکومت میں موجود تھے۔ اسی دوران میں مغل سپاہ نے جب احمد نگر پر حملہ کر دیا تو ان تینوں نام نہاد بادشاہوں کی بادشاہی مغلوں کے سیلاب میں ختم ہو گئی۔ مغلوں کے جانے کے بعد بہادر شاہ بن ابراہیم شاہ اس کے بعد مرتضٰی نظام شاہ ثانی تخت پر بیٹھے مگر ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا کیونکہ احمد نگر کی حکومت ہی ختم ہو چکی تھی۔

چاند سلطانہ کا افسوس ناک قتل:

احمد نگر کی گرتی ہوئی حکومت کو سنبھالنے کے لئے اور اسے مغلوں سے بچانے کے لئے احمد نگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جس شیر دل خاتون نے مردانہ شجاعت کا ثبوت زیادہ چاند سلطانہ تھی۔ چاند سلطانہ کو جب معلوم ہوا کہ احمد نگر کے بعض غداروں نے مغلوں کو احمد نگر پر قبضہ کرنے کی دعوت دی ہے اور مغلوں کی فوجیں احمد نگر کے قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں تو یہ مردانہ لباس زیب تن کر کے میدان میں نکل آئی اور اپنی بے نظیر شجاعت کی بناء پر اس نے مغلوں کو حکومت احمد نگر سے صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن حکومت احمد نگر کی بدقسمتی کہ مغلوں کے جاتے ہی اس سلطنت کے امراء میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبارہ احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ چاند سلطانہ پھر میدان میں آگئی اور اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح صلح کے بعد مغلوں کی غلامی سے نجات مل جائے مگر دکنیوں نے حرم سرا میں گھس کر اس بہادر خاتون کا 1009ھ مطابق 1600ء میں کام تمام کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد احمد نگر کی وہ حکومت جس پر نظام شاہی حکمراں بڑی شان کے ساتھ تقریباً سوا سو سال تک حکومت کرتے رہے تھے۔ 1009ھ مطابق 1600ء میں مغلوں کے قبضہ میں چلی گئی۔

نظام شاہی حکومت کے چند اہم واقعات :

احمد نگر کی نظام شاہی حکومت میں سوا سو برس کے اندر جو اہم واقعات رونما ہوئے وہ یہ ہیں۔ برہان نظام شاہ اول کے عہد حکومت میں شاہ برار سے جنگ ہوئی۔ عماد الملک اور برہان شاہ میں لڑائی ہوئی۔ برہان نظام شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ میں خوفناک جنگ ہوئی۔ برہان نظام شاہ نے شیعہ مذہب کی ترویج کی، برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ میں جنگ ہوئی۔ حسین نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ میں لڑائی ہوئی۔ علی عادل شاہ اور حسین نظام شاہ میں جنگ ہوئی۔ رائے وجیا نگر نے حکومت احمد نگر پر حملہ کیا۔ مرتضٰی نظام شاہ کے دور حکومت میں قلعہ وہار ور فتح ہوا۔ پرتگیزوں پر یورش کی گئی۔ حبشیوں کو وزارت کے عہدے پیش کئے گئے جس سے بڑے فتنے برپا ہوئے۔ اسمٰعیل نظام شاہ کو گرفتار کر کے معزول کر دیا گیا۔ دلاور خاں حبشی سے جنگ ہوئی۔ مغلوں کو احمد نگر کی فتح کی دعوت دی گئی اور مغلوں نے حملہ کر دیا۔ چاند سلطانہ نے مغلیہ فوج کا مقابلہ کیا۔ حکومت احمد نگر پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

سلطنت قطب شاہی گولکنڈہ

حکومت بہمنی کے خاتمہ کے بعد یہ حکومت جن پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی ان ہی میں سے ایک گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت بھی تھی۔ اس آزاد اور خودمختار حکومت کی بنیاد 916ھ مطابق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1509ء میں سلطان قلی قطب شاہ نے رکھی تھی جس علاقہ میں یہ حکومت قائم کی گئی تھی وہ پہلے تلنگانہ کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن قطب شاہی حکومت کے قیام کے بعد یہ ملک گولکنڈہ کہلایا جس کے شمال میں ریاست گونڈوانہ اور برار تھا۔ مغرب میں بیدر تھا۔ جنوب میں وجیانگر کی ہندو ریاست تھی اور اس کا جنوبی حصہ ساحل سمندر کے کنارے کنارے اوڑیسہ تک پھیلا ہوا تھا۔

گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت کا بانی ''سلطان قلی قطب شاہ'' ایران کے شاہی ترک خاندان کا ایک ہونہار فرزند تھا۔ اس کے باپ کا نام اویل قلی تھا جو ایران کے بادشاہ امیر خلیل کا دست راست تھا۔ لیکن امیر خلیل کے مرنے کے بعد جب ایران کے تخت پر امیر یعقوب بیٹھا تو وہ سلطان قلی اور اس کے باپ کا دشمن بن گیا۔ سلطان قلی کے باپ نے بیٹے کی زندگی کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے بھائی امیر قلی کے ساتھ دکن بھیج دیا۔ امیر قلی نے دکن آنے کے بعد محمود شاہ بہمنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد امیر قلی کو معلوم ہوا کہ ایران کا بادشاہ امیر یعقوب مر گیا ہے تو اس نے محمود شاہ بہمنی سے ایران واپس جانے کی اجازت چاہی۔ بادشہ نے امیر قلی کو تو واپسی کی اجازت دے دی لیکن سلطان قلی کو اپنے ہی پاس رکھ لیا اور سلطان قلی کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی، سلطان قلی ایک نہایت ہی ہونہار نوجوان تھا۔ یہ علم الحساب کا بہت بڑا ماہر تھا۔ محمود شاہ بہمنی نے اس کو محلات حرم کا منتظم بنادیا، جہاں اس نے بڑی دیانتداری کے ساتھ فرائض انجام دیئے۔ اسی زمانہ میں تلنگانہ میں شورشیں برپا ہونی شروع ہوئیں۔ تلنگانہ میں چونکہ بیگمات کی جاگیریں تھیں اس لئے سلطان قلی ہی کو ان جاگیروں کے انتظام کے لئے اور شورشوں کو دبانے کے لئے بھیجا گیا۔ جہاں جا کر اس نے شورش پسندوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور کئی سال کا خراج جو رکا ہوا تھا وہ محمود شاہ بہمنی کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ محمود شاہ نے خوش ہو کر اسے تلنگانہ کا گورنر بنا دیا اور قطب الملک کا خطاب عطا کیا۔ سلطان قلی بڑی قابلیت کے ساتھ تلنگانہ پر حکومت کرتا رہا وہ محمود شاہ بہمنی کے ساتھ تقریباً تمام لڑائیوں میں شریک رہا جن میں کہ اس نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔

سلطان قلی کی خودمختاری :

سلطان محمود شاہ بہمنی کے مرنے کے بعد جب حکومت بہمنی کمزور ہوگئی تو اس حکومت کے تقریباً تمام گورنر خودمختار بن گئے۔ ان ہی خودمختار گورنروں میں سے سلطان قلی بھی تھا جس نے امرائے تلنگانہ کے مشورہ سے 916ھ میں صوبہ تلنگانہ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ بڑے تزک واحتشام کے ساتھ سلطان قلی قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے تلنگانہ کے تخت پر بیٹھا۔ اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور سکہ چلایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان قلی نے اپنی بادشاہت کے اعلان کے بعد موضع گولکنڈہ کے قریب نئے دارالسلطنت محمد نگر کی بنیاد رکھی اور وہاں اپنے دارالسلطنت کو منتقل کر کے لے گیا، پھر سلطان نے قلعہ راج کنڈہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔ اس کے بعد اس نے قلعہ دیور کنڈہ کو تسخیر کیا جس پر کہ راؤ وجیانگر سے اس کی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں سلطان قلی کو فتح حاصل ہوئی اور بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چند روز کے بعد عمال الملک سے بھی سلطان قلی کی جنگ چھڑ گئی جس میں طرفین کا بے حد نقصان ہوا۔ اس کے بعد سلطان قلی اور وجیانگر کے راجہ میں مستقل جنگ چھڑ گئی جو کافی عرصہ تک رہی۔ اسی زمانہ میں بیجاپور کے بادشاہ اسمٰعیل عادل نے وجیانگر کے راجہ کی حمایت میں سلطان قلی پر حملہ کر دیا اور دونوں میں سخت خونریزی ہوئی اور یہ لڑائی اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ اسمٰعیل عادل شاہ زندہ رہا۔ اسمٰعیل عادل شاہ کے مرنے کے بعد جب ملو عادل شاہ تخت پر بیٹھا تو سلطان قلی کے ساتھ اس کی صلح ہو گئی۔ برید شاہ سے بھی سلطان قلی کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ سلطان قلی کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ ہی میں گزرا ہے۔ اس بادشاہ کو 950ھ مطابق 1543ء میں مسجد میں قاتلانہ حملہ کر کے اس کے بیٹے جمشید قلی نے قتل کر دیا۔ جس وقت یہ شہید ہوا اس کی عمر 90 سال کی تھی۔ سلطان قلی نے ساٹھ برس تک حکومت کی جس میں سولہ برس تو حکومت بہمنی کا تلنگانہ میں گورنر رہا اور 34 سال اس نے خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے گولکنڈہ پر فرمانروائی کی۔

قطب شاہی حکومت کے خودمختار بادشاہ :

گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت جو تقریباً سو سال تک قائم رہی اس پر مندرجہ ذیل بادشاہوں نے حکومت کی ہے۔ (1) قطب شاہی حکومت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ 916ھ مطابق 1509ھ سے 950ھ مطابق 1543ھ تک (2) سلطان جمشید قلی قطب شاہ 950ھ مطابق 1543ء سے 957ھ مطابق 1550ء تک (3) سلطان سبحان قلی قطب شاہ بن جمشید قطب 957ھ مطابق 1550ء سے 957ھ تک (4) سلطان ابراہیم قطب شاہ برادر سبحان قلی 957ھ مطابق 1550ء سے 988ھ مطابق 1580ء تک (5) سلطان محمد قلی قطب شاہ بن ابراہیم قطب شاہ 988ھ مطابق 1580ء سے 1018ھ مطابق 1610ء تک۔

محمد قلی قطب شاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی گولکنڈہ کی حکومت میں سخت بدنظمی پھیل گئی۔ محمد قلی قطب شاہ اور اس کا بھائی دونوں گولکنڈہ میں قید کر دیئے گئے اس کے بعد مغلوں کی یورشیں شروع ہوئیں چنانچہ اورنگ زیب نے گولکنڈہ کے آخری برائے نام بادشاہ ابوالحسن ناناشاہ کو گرفتار کرنے کے بعد 1098ھ مطابق 1687ھ میں گولکنڈہ کی حکومت کو حکومت مغلیہ میں شامل کر لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطب شاہی حکومت کے چند اہم واقعات :

قطب شاہی حکومت کے صد سالہ دور میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم قطب شاہ نے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی کو روکنے کی کوشش کی۔ رائے وجیانگر سے جنگ کی۔ امراء سلطنت کی ریشہ دوانیوں سے اس حکومت کو شدید نقصان پہنچا یہاں تک کہ یہ حکومت ختم ہوگئی۔

سلطان عماد شاہی برار

برار بھی حکومت بہمنی کا ایک صوبہ تھا جو احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کی طرح خود مختار ہو گیا تھا اور یہاں بھی ایک نئی عماد شاہی حکومت 890ھ مطابق 1484ء میں قائم ہوگئی تھی۔ عماد شاہی حکومت کا بانی فتح اللہ عماد الملک تھا جس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر کے برار کو حکومت بہمنی سے علیحدہ کرلیا تھا۔ برار ایک چھوٹا سا صوبہ تھا جس کے شمال میں مالوہ، مغرب میں خاندیش اور احمد نگر جنوب میں بیدر اور گولکنڈہ اور مشرق میں گونڈوانہ کی ریاست تھی۔

عماد شاہی حکومت کا بانی عماد الملک :

فتح اللہ عماد الملک ایک نومسلم ہندو تھا جو وجیانگر کے کناڑی ہندوؤں کی اولاد میں سے تھا۔ یہ وجیانگر کی لڑائی میں بچپن میں گرفتار ہونے کے بعد خان جہاں سپہ سالار برار کے غلاموں کے زمرہ میں شامل ہوا۔ عہد شباب میں اس نے ایسی قابلیت اور شجاعت دکھائی کہ معتمدوں اور مقربوں میں شامل ہوگیا۔ خان جہاں کی وفات کے بعد سلاطین بہمنی کی ملازمت میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد حکومت میں اسے عماد الملک کا خطاب ہوا اور برار کی سپہ سالاری کا عہدہ اسے تفویض ہوا۔ جب بہمنی حکومت کمزور ہوگئی تو اس نے 890ھ مطابق 1484ء میں اپنی خود مختاری اور بادشاہی کا اعلان کردیا، خود مختار ہونے کے بعد اس نے اپنی فوج میں اضافہ کیا اور حکومت کو مضبوط بنایا۔ 910ھ مطابق 1503ء میں بیمار ہونے کے بعد فوت ہوگیا۔

عماد شاہی حکومت کے خود مختار بادشاہ :

فتح اللہ عماد الملک کی قائم کردہ عماد شاہی حکومت کے مندرجہ ذیل بادشاہوں نے برار پر فرمانروائی کی ہے۔ (1) عماد شاہی حکومت کا بانی فتح اللہ عماد الملک 890ھ مطابق 1484ء سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

910ھ مطابق 1503ء تک (2) علاء الدین عماد شاہ بن فتح اللہ عماد الملک 910ھ مطابق 1503ء سے 936ھ مطابق 1529ء تک (3) دریا عماد شاہ بن علاء الدین عماد شاہ 936ھ مطابق 1529ء سے 968ھ مطابق 1560ء تک (4) برہان عماد شاہ 968ھ مطابق 1560ء میں تخت نشین ہوا۔ (5) پیر تغال خاں نائب سلطنت نے حکومت پر قبضہ جمالیا۔

برہان عماد شاہ کے بعد ہی عماد شاہی حکومت ختم ہو گئی تھی کیونکہ نائب سلطنت تغال خاں نے حاکم خاندیش اور نظام شاہ کی امداد سے بادشاہ کو جو نوعمر لڑکا تھا معزول کر کے حکومت پر قبضہ جمالیا تھا۔ اس کے بعد شاہان احمد نگر نے اس حکومت کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا۔ یہ حکومت تقریباً ایک صدی قائم رہی۔

سلطنت بریدشاہی بیدر

بیدر کی بریدشاہی حکومت کا بانی قاسم برید ہے جس نے بیجاپور احمد نگر گولکنڈہ اور برار کی طرح بیدر کی خودمختاری کا اعلان کر کے اس صوبہ کو بہمنی حکومت سے چھین لیا تھا۔ یہ حکومت بہمنی کا ایک چھوٹا سا صوبہ تھا جس کے شمال میں برار، مغرب میں بیدر، جنوب میں بیجاپور اور مشرق میں گونڈوانہ کی ریاست تھی۔

بریدشاہی حکومت کا بانی قاسم برید :

قاسم برید ترکی گرجی غلام تھا جس کو خواجہ شہاب الدین یزدی نے سلطان محمد شاہ بہمنی کے ہاتھ فروخت کیا۔ قاسم برید ایک بہادر سپاہی تھا، اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا، موسیقی کے سازوں کے بجانے میں اسے کمال حاصل تھا، اس نے اپنی بے نظیر استعداد کی بناء پر بہت جلد حکومت بہمنی میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔ مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد اس نے بڑا نام پیدا کیا۔ قاسم برید نے مرہٹوں جیسی سرکش جماعت کو بڑی دلیری اور بہادری کے ساتھ زیر کیا۔ مرہٹوں کے سب سے بڑے سردار سمھاجی کو اسی نے قتل کیا اور اس کی بیٹی سے اپنے بڑے بیٹے امیر برید کا نکاح کر دیا تھا۔ بادشاہ نے قاسم برید کی جرأت اور بہادری سے خوش ہو کر سمھاجی کی ساری جاگیر اسی کو دے دی تھی۔ قاسم برید نے جب یہ دیکھا کہ حکومت بہمنی کمزور ہو چکی ہے، اور اس کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے تو اس نے 890ھ مطابق 1484ء میں بیدر میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، قاسم برید 910ھ مطابق 1503ء تک خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے بیدر میں حکومت کرتا رہا۔ 910ھ مطابق 1503ء میں بیمار ہونے کے بعد وہ فوت ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریدشاہی حکومت کے خودمختار بادشاہ :

بریدشاہی خاندان کے جن بادشاہوں نے بیدر میں حکومت کی ان کے نام یہ ہیں۔

(1) بیدر کی بریدشاہی حکومت کا بانی امیر قاسم برید 890ھ مطابق 1484ء سے 910ھ مطابق 1503ء تک (2) امیر برید بن قاسم برید 910ھ مطابق 1503ء سے 945ھ مطابق 1538ء تک (3) علی بریدشاہ بن امیر برید 945ھ مطابق 1538ء سے 990ھ مطابق 1582ء تک (4) ابراہیم بریدبن علی برید 990ھ مطابق 1583ء سے 997ھ مطابق 1589ء تک (5) قاسم بریدثانی 997ھ مطابق 1589ء سے 1000ھ مطابق 1592ء تک (6) محمد علی قطب شاہ 1000ھ مطابق 1592ء سے 1010ھ مطابق 102ء تک (7) مرزا علی برید (8) امیر بریدثانی۔

بریدشاہی خاندان کے ابتدائی تین بادشاہوں کے بعد اس حکومت کا زوال شروع ہوگیا اور اس طرح یہ پانچویں حکومت بھی جو حکومت بہمنی کی خاک سے پیدا ہوئی تھی۔ بیجاپور میں شامل ہونے کے بعد 1017ھ مطابق 1609ء میں ختم ہوگئی۔

دکن کی دوسری خودمختار حکومتیں :

بیجاپور، احمدنگر، گولکنڈہ، برار اور بیدر کے علاوہ بھی دکن میں چند خودمختار حکومتیں تھیں جن پر ہم ہلکی سے روشنی ڈال دینا چاہتے ہیں۔

دکن کی خودمختار حکومتوں میں وجیانگر کی ہندو حکومت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ یہ جنوبی ہند کے جزیرہ نما میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کا شمار دکن کی بڑی اور دولتمند حکومتوں میں کیا جاتا تھا۔ وجیانگر کی حکومت کی بنیاد بری ہر اور بکا نامی دو بھائیوں نے قائم کی تھی۔ یہ دونوں بھائی ابتداء میں ورنگل کے راجہ کے ہاں ملازم تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنی مشترکہ کوشش سے وجیانگر کی حکومت کی سرحد کو کرشاندی سے لے کر راس کماری تک پھیلا دیا تھا۔ وجیانگر کی حکومت کی دکن کی مسلمان حکومتوں سے ہمیشہ جنگ رہی ہے۔ 896ھ مطابق 1490ء میں وجیانگر کے بکا خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور نرسنگھ جو وزیر تھا تخت پر بیٹھ گیا۔ 916ھ مطابق 1509ء میں کرشن دیورائے تخت پر بیٹھا اس نے سلطنت کو کافی وسعت دی تھی۔ کرشن دیورائے کے بعد راجیوت دیو تخت پر بیٹھا مگر وہ ایک کمزور راجہ تھا۔ راجیوت دیو کے بعد رام راجہ تخت پر بیٹھا جس پر دکن کی اسلامی حکومتوں نے مل کر حملہ کر دیا۔ اور ان حملوں کے بعد وجیانگر کی حکومت 972ھ مطابق 1564ء میں ختم ہو کر اسلامی حکومتوں کا جزو بن گئی۔

وجیانگر کے علاوہ جنوبی ہند میں گنڈوانہ بھی ایک ریاست تھی جس کو شاید گونڈوں نے آباد کیا تھا۔ اس کے بعض حصوں پر مسلمان قابض تھے اور بعض پر ہندو۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ش 233 ہ
954
24881-EU-64

City Book Point Karachi